پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار

تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ... اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

[مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ]

(سیشن: 2006ء)

مقالہ نگار

حافظہ حاجرہ مدنی

V-767261

نگران مقالہ

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(1432ھ/2011ء)

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار

تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ ...اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

[مقالہ برائے ایم فل علومِ اسلامیہ]

(سیشن:2006ء)

مقالہ نگار

حافظہ حاجرہ مدنی

V-767261

نگران مقالہ

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(1431ھ/ 2010ء)

بسم الله الرحمن الرحيم

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ
شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ﴿٤﴾

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ
مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿٧﴾

(سورۃ النّساء)

FORWARDING SHEET

The thesis entitled:

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار

تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ... اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

by Hafiza Hajira Madni Partial fulfillment of the requirement for M.Phil. degree in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work and allowed her to submit her thesis.

Signature

Prof. Dr. Hamidullah Abdul Qadir
Depatment of Islamic studies
Punjab University, Lahore

APPROVAL SHEET OF THE COMMITTEE

Title of Thesis: پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ... اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

Name of student: Hafiza Hajira Madni.

Accepted by the faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, for partial fulfillment of the M. Phil. degree in Islamic Studies.

Viva voice committee:

Signature

Prof. Dr. Hamidullah Abdul Qadir

Depatment of Islamic studies

Punjab University, Lahore

Signature

Internal Examiner

Signature

External Examiner

DECLARALION CERTIFICATE

I Hafiza Hajra Madni Roll No V-767261 a student of M.Phil. Islamic Studies in Allama Iqbal Open University Islamabad do hereby solemnly declare that the thesis entitled

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ... اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

submitted in partial fulfillment of M.Phil. Islamic studies degree, is my original work and has not been submitted by me for obtaining any degree from this or another University or Institution.

Signature

Hafiza Hajira Madni

Roll No : V- 767261

Dated: 2-11-2010

انتساب

جنتِ ارضی والدۂ محترمہ **'رضیہ اَزہر'** کے نام!

جنہوں نے ہماری تربیّت ایسے کی، کہ جب
میں نے شعور کی آنکھ کھولی
تو میں **حافظہ قرآن** ہونے کے ساتھ ترجمہ بھی جانتی تھی!

حافظہ حاجرہ مدنی

اظہارِ تشکر

میں سب سے پہلے اپنے رحیم و کریم پروردگار، اللہ جَلّ جَلَالَہٗ کا شکر ادا کرتی ہوں، جنہوں نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اور اس کے بعد اپنے معزز اساتذۂ کرام ڈاکٹر ضیاء الحق، ڈاکٹر حافظ محمد سجاد خاص طور پر ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر (نگران مقالہ) اور ڈاکٹر محی الدین ہاشمی کی انتہائی شُکر گزار ہوں کہ ان کی موضوع سے خاص دلچسپی اور علمی راہنمائی نے میرے حوصلے بڑھائے اور اہم مصادر و مراجع کی نشاندہی کی، جس کی بدولت یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

میں رفقاء مجلس التحقیق الاسلامی کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتی، جنہوں نے مقالے کو حرف بحرف پڑھا، نہ صرف پروف ریڈنگ کی بلکہ اپنی علمی و فکری تجاویز سے مقالے کی تحسین میں اضافہ کیا۔ اس سلسلے میں اپنے بھائی حافظ انس نضر کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ کی کمپوزنگ Composing ، سیٹنگ Setting اور فنشنگ Finishing وغیرہ میں میری معاونت کی۔

ناسپاسی ہو گی اگر میں اپنے شوہر حافظ طاہر اسلام کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے خاکہ تحقیق سے لے کر مقالہ لکھنے کے دوران اور بعض تکنیکی مسائل میں میری بھرپور مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں کسی بھی طرح سے میرا ساتھ دیا۔ آمین

حافظہ حاجرہ مدنی

مقدّمہ

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار

[تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں]

تعارف موضوع

خالق کائنات نے جنس انسانی کی تخلیق کے بعد اپنی حکمت بالغہ کے تحت اسے دو اصناف میں تقسیم کر دیا ہے اور یوں مرد و عورت کے دو کردار وجود میں آئے۔ ایک صالح، پرامن اور منظم معاشرے کا قیام ہمیشہ سے ایک اہم انسانی ضرورت رہا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مرد و زن اپنا حقیقی و فطری کردار کما حقہ ادا کریں۔ اپنے اصل کردار اور رول سے دانستہ طور پر پہلو تہی برتی جائے یا خارجی عوامل کی بنا پر اس کی ادائیگی میں کچھ رکاوٹیں حائل ہو جائیں، ہر دو صورتوں میں معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں مختلف قسم کے بگاڑ پیدا ہوتے ہیں اور معاشرتی چین و سکون غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔

افراد معاشرہ کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کئی موانع کا سامنا ہو سکتا ہے، جن میں معاشی مسائل سر فہرست ہیں اور جب معاملہ صنف نازک کا ہو تو مسئلے کی سنگینی دوچند ہو جاتی ہے۔ فی زمانہ انسانی تہذیب و معاشرت جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے ان میں ایک انتہائی اہم مسئلہ یہ ہے کہ خواتین کو درپیش معاشی مسائل کا حقیقی حل کیا ہے اور میدان معیشت میں اس کا اصل دائرہ کار کیونکر متعین کیا جائے۔

پاکستان میں عورتوں کو معاشی پہلو سے کثیر مسائل کا سامنا ہے، جن کا آغاز اس کی پیدائش ہی سے ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے منحوس گردانا جاتا ہے۔ اسے ذاتی ملکیت سمجھتے ہوئے، جائیداد بچانے کی خاطر ساری عمر مجرد رکھا جاتا ہے۔ بعض لوگ اسے بکاؤ مال سمجھتے ہیں اور شادی کے نام پر ایک بڑی رقم کے عوض اسے گویا فروخت کر دیتے ہیں۔ بے جوڑ شادیاں اسی طرز عمل کا شاخسانہ ہیں۔ شادی کے بعد نان و نفقہ سے متعلق مسائل سامنے آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ملازمت کی طرف مائل ہوتی ہیں اور یوں عورت کے معاشی کردار کا سوال اٹھتا ہے۔ اس ضمن میں ملازمت، کاروبار کی نوعیت، شرائط اور حدود و آداب جیسے نکات زیر بحث آتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں پاکستانی معاشرے میں بسنے والی عورتوں کے انہی معاشی مسائل اور ان کے نتیجے میں سامنے آنے والے عورتوں کے معاشی کردار و دائرہ عمل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے مسئلے کا ایک متوازن و معتدل حل تجویز کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مقالے کے لئے اختیار کردہ موضوع کئی زاویوں سے اہمیت کا حامل ہے:

1. عورتوں کو درپیش حقیقی مسائل کا درست تجزیہ اور ان کا درست حل پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اس کی بنا پر معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔
2. اخلاقی و مذہبی پہلو سے عورت کے معاشی دائرہ کار کی تحدید بھی ناگزیر ہے، تاکہ اس سے وہ معاشرتی ضروریات پوری ہو سکیں، جن کے لئے عورت کو معاشی طور پر سرگرم ہونا ضروری ہے مثلاً میڈیکل وغیرہ۔

3. عصر حاضر میں عورت کے معاشی مسائل و کردار کے حوالے سے افراط و تفریط پر مبنی رویے دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف اسے اس کے جائز حقوق سے بھی محروم کر کے مختلف قسم کی بندشوں میں جکڑا جا رہا ہے تو دوسری جانب حقوق انسانی اور آزادی نسواں کے دلفریب نعروں سے عورت کو بے قید آزادی دے کر اسے محض ایک بازاری جنس اور طریقہ تشہیر بنایا جا رہا ہے۔ اندریں حالات لازم ہے کہ اس کے صحیح مقام و مرتبہ کو اجاگر کیا جائے تاکہ انسانی معاشرہ اعتدال و توازن کی راہ پر گامزن ہو کر حقیقی ترقی اور امن و سکون کی منزل سے ہم کنار ہو سکے۔

مقاصد

1. عورت کے معاشی مسائل اور ان کے حل سے متعلق شریعت اسلامیہ کی رہنمائی کو اجاگر کرنا۔
2. عورت کے معاشی مسائل کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر اعتراضات و اشکالات کا جواب دینا۔
3. عورت کے حقیقی معاشی کردار کو قرآن و سنت کی روشنی میں متعین کرنا۔
4. پاکستانی عورت کے معاشی مسائل کے حل کے لئے قابل عمل تجاویز پیش کرنا۔
5. عورت کے معاشی کردار کے حوالے سے لادینی تصورات کا تنقیدی جائزہ پیش کرنا۔

سابقہ تحقیقی کام کی روشنی میں موضوع تحقیق کی اہمیت

موضوع سے متعلق مختلف مقالہ جات میں جزوی طور پر بحث کی گئی ہے، مثلا

1. ” برصغیر کی عورتوں کے مسائل اور ان کا حل کتب فتاوی کی روشنی میں“ یہ لبنیٰ رحمت کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو 2004ء میں پنجاب یونیورسٹی سے کیا گیا ہے اس میں مجموعی طور پر عورتوں کے مسائل پر بحث کی گئی ہے مگر اس کا دائرہ کار صرف کتب فتاوی تک محدود ہے اگرچہ اس میں معاشی مسائل پر بھی چند صفحات موجود ہیں لیکن اس کے کردار پر کوئی تفصیلی رہنمائی نہیں ملتی۔
2. اسی طرح پنجاب یونیورسٹی سے ثمرہ ممتاز نے ” عورت کی معاشی سرگرمیوں“ کے نام سے ایم اے کا مقالہ پیش کیا اس میں عورت کے معاشی کردار کے حوالے سے تو قدرے رہنمائی ملتی ہے، لیکن پاکستانی عورتوں کے معاشی مسائل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔
3. روبینہ ناز نے ” پاکستان میں تعلیم یافتہ عورت کے مسائل“ کے عنوان سے 1999ء اپنا مقالہ پیش کیا جس میں چند صفحات معاشی مسائل پر موجود ہیں۔
4. جناب افضل الرحمن کی کتاب ” دور جدید میں مسلمان عورت کا کردار“ بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے اس میں معاشی پہلو سے قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔
5. عالم عرب کے مشہور سکالر علامہ محمد ابوزہرہ کی کتاب الاحوال الشخصیہ کی جلد نہم میں بھی خواتین کے معاشی کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مزید بر آں مختلف کتب و مقالہ جات مثلاً جدید تحریک نسواں اور اسلام از پروفیسر ثریا علوی اور عورت قرآن و سنت اور تاریخ کے آئینے میں از ڈاکٹر عابدہ علی میں بھی موضوع سے مختلف مواد موجود ہے۔

اس سلسلہ میں میرے تحقیقی مقالہ کی ضرورت یہ ہے کہ مندرجہ بالا تمام کتب و مقالہ جات میں پاکستانی معاشرے کو بطور خاص موضوع بحث نہیں بنایا گیا نیز مسائل و کردار کو یکجا کر کے بحث نہیں کی گئی۔ بعض نے کچھ مسائل اور بعض نے عورت کے کردار کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی، لہٰذا اس حوالے سے اس موضوع پر ایک مفصل تحقیقی کام کی ضرورت ہے جسے اس مقالہ میں پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بنیادی سوال

1. کیا پاکستانی عورت اپنے ذاتی حق معاش کو استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں اپنا معاشی کردار ادا کر سکتی ہے؟
2. کیا پاکستان میں خواتین کی بعض ناگزیر معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عورتوں کو معاشی طور پر سرگرم ہونا ضروری ہے؟
3. کیا پاکستانی معاشرے میں عورت اپنے صحیح معاشی کردار کو ادا کر رہی ہے؟

فرضیہ تحقیق

- مذہبی نقطہ نگاہ سے عورت کو کسی نوع کی معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔
- عورتوں کو ملازمت و تجارت کی آزادی دینے سے ان کے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
- پاکستانی عورت بوجوہ اپنا صحیح معاشی کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔

طریق تحقیق

اس مقالے کی بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- مذکورہ مقالہ میں قرآن کریم کی آیات پروگرام کی مدد سے لی گئی ہیں، لہٰذا وہ رسم عثمانی (جس کا التزام قرآن کو لکھتے وقت لازمی ہے) کے عین مطابق ہیں، اور ان میں زبر، زیر، پیش وغیرہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں۔
- احادیث مبارکہ چونکہ نبی کریم ﷺ کے مبارک الفاظ ہیں، جن کو پڑھنے میں نہایت اہتمام کرنا چاہیئے اور غلطی نہ ہونی چاہیئے، لہٰذا اس مقالے میں احادیث مبارکہ پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں، تاکہ قاری کسی حدیث مبارکہ کو غلط نہ پڑھ لے۔ اور احادیث مبارکہ کو بشری استطاعت کی حد تک بغیر کسی غلطی کے لکھا گیا ہے۔
- عام طور پر علمی مقالوں میں عربی عبارت میں زبان اور ٹائپنگ کی بہت غلطیاں ہوتی ہے، زیر نظر مقالہ میں عربی عبارتیں اصل مصادر سے لی گئی ہیں اور نہایت اہتمام سے انہیں ٹائپ کرایا گیا ہے اور بار بار نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ ان میں غلطی نہ ہو۔
- مقالے میں موجود ہر صفحہ کے حوالے حواشی میں ترتیب سے نقل کیے گئے ہیں۔
- آیات کے دونوں اطرف میں پھول والی بریکٹس ﴿ ﴾ کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں اور ان کیلئے مخصوص بریکٹس « » استعمال کی گئی ہیں۔

- دیگر عربی عبارات واوین" " کے مابین دی گئی ہیں۔
- آیات کے حوالے کیلئے سورت کے نام کے ساتھ، سورت کا نمبر اور آیت کا نمبر بھی دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ 2 : 4
- احادیث کی تخریج کی ضمن میں صحاح ستہ کی بیان کردہ احادیث کیلئے مکتبہ دار السلام، ریاض کی شائع کردہ مجلد واحد پر اعتماد کیا گیا ہے اور اس میں بیان کردہ احادیث کے ارقام، باب کا نام اور کتاب کا نام حواشی میں کر کیا گیا ہے، موطا امام مالک، سنن دارمی، مسند احمد میں بھی یہی طریق کار اپنایا گیا ہے، جبکہ دیگر کتب احادیث کو ان کے جلد نمبر اور صفحہ نمبر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

نوٹ:

مقالے کا موضوع چونکہ معاشرتی نوعیت کا تھا، لہٰذا اس میں سروے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

حافظہ حاجرہ مدنی

رول نمبر: V-767261

تفصیلی فہرست مضامین

- نفقہ کی اصطلاحی تعریف
- نفقہ کی شرعی حیثیت
- عورت کے حق نفقہ کے شرعی دلائل
- نفقہ کے وجوب کے اسباب
- نفقہ کے وجوب کی شرائط
- جماع
- باپ کے گھر میں مقیم بیوی
- نکاح
- مہر معجل کی عدم ادائیگی
- نفقہ کا عدم وجوب
- ارتداد
- نافرمانی
- جماع کی مشقت
- بیماری
- حج کی ادائیگی
- معصیت زوجہ
- عدت کے دوران نفقہ
- ملازمت و نوکری
- قیدی خاتون
- زوجہ مغویہ کا نفقہ
- نفقہ کی مقدار کا تعین
- پاکستانی قانون میں نفقہ کی مقدار
- نفقہ میں شامل چیزیں
- بیوہ اور مطلقہ کے نفقہ کے معاملات
- نفقہ سے انکار پر زوجین کے مابین تفریق
- پاکستانی عورت کے نان و نفقہ کے مسائل
- مذکورہ مسائل کا حل

①

بابِ اول

عورت کا مقام ومرتبہ اور حیثیت

مختلف اقوام ومذاہب

فصل اول — مختلف تہذیبوں میں عورت کا مقام ومرتبہ

(یونان، روم، ایران، یورپ اور عرب)

فصل دوم — مختلف مذاہب میں عورت کی حیثیت

(یہودیت، عیسائیت اور ھندو مت)

فصل سوم — اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ

(ماں، بیٹی، بیوی اور بہن)

تمہید

انسان کے سفر کا آغاز عورت اور مرد کے اتحاد سے ہوا ہے اسی سے اس کی نسل بھی پھیلی، اور علم و فن، صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن میں بھی ارتقاء ہوا ہے۔ عورت اور مرد کے اتحاد کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ بعض نوعی خصوصیات یا تمدنی ضروریات کی بنا پر وہ ایک ساتھ رہنے اور مل جل کر کام کرنے لگے ہوں بلکہ ان کا تعلق اس فطری جذب و کشش کا ظہور ہے جو ان کو جڑے رہنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے وہ بغیر کسی خارجی محرک کے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہیں حالانکہ ان کی دلچسپیاں مختلف اور ان کے کام کے دائرے الگ الگ ہیں۔

عورت اپنے خون کے ذریعے نسل انسانی کی پرورش کرتی ہے، ہمیشہ سے بچوں کی دیکھ بھال، گھر کا انتظام، کھانے اور کپڑے کی تیاری عورت کے فرائض رہے ہیں اور جانوروں کا شکار، زراعت و تجارت اور دشمن کی مدافعت مرد نے کی ہے کیونکہ وہ جفاکش اور محنتی ہے اور مظبوط دست و بازو رکھتا ہے۔ لیکن عورت اور مرد کی قوتوں اور صلاحیتوں کا یہ فرق تاریخ کے پیشتر ادوار میں عزت و ذلت کا معیار بن گیا ہے۔ مرد اپنی زور و قوت کی بنا پر ایسے کام باسانی کر گزرتا ہے جن کو عورت اپنے حد استطاعت سے باہر سمجھتی ہے اس لیے اس کو ارفع و اعلی سمجھ لیا گیا اور اس کے بالمقابل عورت کی حیثیت فروتر قرار پائی کیونکہ وہ کمزور ہے اور بہت سے معاملات میں مرد کے دست نگر ہے اس وجہ کی بنا پر مرد نے عورت کو بعض اوقات ان حقوق سے بھی محروم کر دیا جس سے اس زمین پر سانس لینے والا ہر متنفس بہرہ مند ہے۔

1

فصلِ اوّل

مختلف تہذیبوں میں عورت کا مقام و مرتبہ

(یونان، روم، ایران، یورپ اور عرب)

مختلف تہذیبوں میں عورت کا مقام و مرتبہ

ظہور اسلام سے قبل کتاب ہستی کے ہر صفحے پر عورت کا نام حقارت اور ذلت سے لکھا گیا ہے۔ اقوام عالم اور ان کے تمام ادیان نے عورت کی خاطر خواہ قدر و منزلت نہ کی اور عورت کا وجود تمام عالم پر ایک مکروہ دھبہ تصور کیا جاتا تھا۔ ہر جگہ صنف نازک (عورتیں) مردوں کے ظلم و ستم کا شکار رہیں۔ مرد مرد نہیں بلکہ نازک اور کمزور صنف کے مقابلے میں جنگل کا درندہ تھا۔ تاریخ کے مطالعہ میں کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد و تہذیب و عمرانیات میں کوئی ایسا وحشیانہ سلوک نہ تھا جو عورت کے ساتھ روا نہ رکھا گیا۔[1]

ابن آدم اپنے آرام و اسائش اور ترقی کے لئے جس ہستی کا مرہون منت رہا، جس کے خون سے پرورش پائی، جس کی آغوش شفقت میں پروان چڑھا، جس نے شمع فروزاں بن کر اس کی تاریک زندگی کو منور کیا، جس تبسم نے اس کی کلفتوں کو راحتوں میں بدل دیا، جس رفاقت نے اس کی صعوبت حیات مستعار کو پرکشش اور خوش گوار بنایا اسے اس نے ہمیشہ اپنے سفاکانہ مظالم کا نشانہ بنائے رکھا۔[2]

عالم کا ذرہ ذرہ اور انسانی آبادی کا چپہ چپہ ہمیشہ اس کے خون کا پیاسا، اس کی عزت کے درپے اور اس کی ذلت کے خواہاں رہا۔[3]

انسانی تمدن کی تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی متمدّن ترین اقوام روم اور چین، یونان، ایران، جہلائے عرب یا مختلف مذاہب عالم سب نے عورت کو ایک غیر مفید بلکہ مخل تمدّن عنصر سمجھ کر میدان عمل سے ہٹا دیا تھا۔

یونان میں عورت کی حیثیت

اقوام قدیمہ میں سے جس قوم کے افکار و آثار بہت نمایاں نظر آتے ہیں وہ اہل یونان ہیں جن کے نزدیک تہذیب و تمدن اور علمی وفنی ترقی کے باوجود عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ اس کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے۔ اس کا مقصد ان کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ خادمہ کی طرح اپنے گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔ سقراط جو اس دور کا فلسفی تھا اس کے الفاظ میں:

عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی چیز دنیا میں کوئی اور نہیں۔[4]

یونانیوں کا عقیدہ تھا:

آگ سے جل جانے اور سانپ سے ڈسنے کا علاج ممکن ہے۔ لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔[5]

بقول لیکی:

بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین

---

① صحابیات از نیاز فتح پوری: ص 10

② ماہنامہ بتول 1959: ص 10

③ اسلام اور عورت از عبدالقیوم ندوی: ص 40

④ تمدن عرب از ڈاکٹر گستاولی بان: ص 55

⑤ صحابیات: ص 11

کی، جوانی میں شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی۔

افلاطون نے بلاشبہ مرد و عوت کی مساوات کا دعوی کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی۔ عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی ازواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظت ملک کے کام آئے۔ [1]

یونانی عورت کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی جاتی، بعض دفعہ تو باپ مرتے وقت اپنی بیٹی کی کسی کے حق میں وصیت کر جاتا تو بیٹی کو وہ وصیت پوری کرنا پڑتی تھی۔ بھائی کی موجودگی میں وراثت سے محروم رہتی۔ اکیلی ہوتی تو وارث بنتی۔ [2]

اسپارٹا کے قانون میں تو یہ تصریح موجود تھی کہ کمسن اور ضعیف القوی شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ عقد میں دے دینی چاہئیں تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

امیر علی لکھتے ہیں:

یونانیوں کے ہاں عورت کی حیثیت لونڈی کی سی تھی جسے فروخت کیا جاتا اور دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اسے ایک ایسی ناگزیر برائی سمجھا جاتا تھا، جو امور خانہ داری اور بچوں کی پرورش کے لئے ضروری تھی۔ [3]

پنڈورا نامی ایک عورت کے بارے میں ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی تمام دنیوی آفات و مصائب کی جڑ ہے۔

عورت خود کسی چیز کو فروخت نہیں کر سکتی تھی اور ایک محدود قیمت سے زائد چیز کے خریدنے کا اس کو اختیار حاصل نہیں تھا اس کے علاوہ وہ مذہبی کام نہیں کر سکتی تھی۔ غرض یونان میں عورت کو شیطان سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا لڑکے کی پیدائش پر خوشی منائی جاتی تھی اور لڑکی کی پیدائش پر اظہار غم کیا جاتا تھا۔

روم میں عورت کی حیثیت

روم میں مرد کی حکومت عورت پر جابرانہ تھی، عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا اسے کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا یہاں تک کے حق وراثت بھی نہ دیا گیا۔ [4]

چوپایوں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ [5]

اسے شوہر کی ملکیت قرار دیتے تھے اور منجملہ جائیداد منقولہ کی طرح اسے بھی اس میں شمار کرتے تھے۔ [6]

اسے کسی عہدے کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا حتی کہ کسی معاملے میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ [7]

البتہ اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جاتا تو پھر اسے کچھ عزت حاصل ہو جاتی تھی ورنہ حالت یہ تھی کہ اگر مرد کو عورت کے چال چلن

---

① تاریخ اخلاق یورپ، (اردو) مترجم عبد الماجد: ص 220

② عورت اسلامی معاشرے میں از جلال الدین انصر عمری : ص 4

③ "The Sprit of Islam" By Syed Amir Ali,: P 233

④ تمدّن عرب از ڈاکٹر گستاولی بان : ص 458

⑤ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع : 1 / 548

⑥ عورت اسلامی معاشرے میں : ص 4

⑦ اسلام اور عورت از عبد القیوم : ص 25

کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا تو اسے حق حاصل تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے گھاٹ اتار دے یا اس کی اولاد کو اپنی تسلیم نہ کرلے اور رائج الوقت قانون اسے اس کی اجازت دیتا تھا۔ رومی باشندوں نے عورت کے حقوق متعین کرنے کے لئے ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا اور کافی بحث و تنقید کے بعد اس نتیجے پر پہنچے:

وہ ایک بے جان قالب ہے اس وجہ سے وہ اخروی زندگی میں کوئی حصہ نہ پائے گی وہ ناپاک ہے اس کو گوشت کھانے، ہنسنے اور بولنے کی اجازت ہرگز نہیں۔ اس کو اپنے تمام اوقات زہد وعبادت اور خدمت گزاری میں صرف کرنا ضروری ہیں اس کی زبان بندی کے لئے اس منہ کے پر تالہ ڈال دیا جائے۔[1]

روم میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا چونکہ ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا جس کی وجہ سے طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا مشہور رومی فلسفی مدبر سینکا(4ق م تا65ق م) سختی کے ساتھ رومیوں کی کثرت طلاق پر ماتم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگایا کرتی تھیں۔[2]

بعد کے ادوار میں رومیوں نے عورت کو کچھ حقوق دے دیے تھے لیکن اس کے باوجود اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا۔

ایران میں عورت کی حیثیت

ایرانیوں کے نزدیک مرد اور عورت کے متعلق جو تصور تھا وہ خود ان الفاظ سے ظاہر ہے جس سے وہ نامزد کیے جاتے تھے فارسی زبان میں خاوند کو خصم کہتے ہیں یعنی عورت کا دشمن اور عورت کو زن کہتے ہیں یعنی ایسی بری ہستی جسے ہمیشہ مارتے رہنا چاہیے۔

ان کے نزدیک عورت کا مقام و مرتبہ انسانیت سے گرا ہوا تھا۔ عورتوں کی مکاری و عیاری اور بدچلنی و بے وفائی ضرب المثل تھی۔ انہیں معاشرے میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہ تھا۔ بیوی کی حیثیت غلام کی سی تھی کہ اگر شوہر کا جی چاہیے تو اسے کسی دوسرے کو دے دیتا۔ ایسی بیوی ان کی اصطلاح میں خدمت گذار کہلاتی تھی۔[3]

مرد ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور قانونی گرفت سے بالکل آزاد تھا وہ جتنی بیویوں کو چاہتا طلاق دے سکتا تھا۔ خواصوں اور داشتہ عورتوں کو رکھنے کا طریقہ عام تھا۔[4]

اخلاقی حالت اتنی شرمناک تھی کہ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔[5]

بابل میں دیوداسیوں کی ایک کثیر تعداد مختلف مواقع پر بھجن گاتی نظر آتی ہیں اس طرح وہ ایک مذہبی حیثیت کی مالکہ بھی تھیں اور مردوں کی نفس پرستی کا آلہ بھی۔

ایرانی مفکر مزدک نے یہ سمجھا کہ شر و فساد کا سبب مال اور عورت ہے اور اس کی ملکیت پر لوگ لڑتے ہیں۔ اس لیے ان کی ملکیت

① عورت انسانیت کے آئینے میں از عبدالرحمان خان: ص 91
② پردہ از مولانا ابوالاعلی مودودی : ص 23،22
③ عورت انسانیت کے آئینے میں :ص 88
④ اسلام اور مذاہب عالم از مظہر الدین صدیقی : ص 208
⑤ تاریخ ایران از بدخشانی مقبول بیگ : ص 190

ختم کر دینی چاہیے اور ان کو مباح قرار دیا جائے اس طرح لوگوں کا کینہ و فساد ختم ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اجتماعی قیود اور اخلاقی حدود ختم ہو گئیں۔ ہر طرف شہوت اور ہوس پرستی کا دور دورہ تھا اور بغض و عناد میں اضافہ ہوا۔[1]

ڈولنجر اپنی کتاب 'شرفاء اور یہود' میں لکھتا ہے:

عہد نبوی میں ایران کی اخلاقی حالت دگرگوں تھی، شادی کا کوئی معروف قانون موجود نہ تھا تو اگر کوئی تھا اس کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ ''زنداوستا'' میں بیوی کے بارے میں کوئی قانون نہ ہونے کی وجہ سے مرد کئی بیویاں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی داشتائیں بھی ہوتی تھیں اور دوسری عورتوں سے ناجائز تعلقات بھی ہوتے تھے۔[2]

یورپ میں عورت کا مقام

یورپ اس وقت مساوات مرد و زن کا سب سے بڑا دعویدار ہے لیکن اسی یورپ میں ایک صدی سے کچھ پہلے تک عورت مرد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور کوئی ایسا مظبوط قانون نہیں تھا جو مرد کی زیادتیوں کو روکتا۔

شاہ انگلستان ہنری ہشتم نے تو عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم حاصل کرنا قانوناً منسوخ قرار دیا تھا کہ:

چونکہ عورت ایک نازک حیوان ہے اس لیے عہد نامہ جدید یعنی انجیل مقدس کے پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے مطالعہ سے اسے ناپاک کر دے گی۔[3]

انگلستان کی عورت کی حالت بھیڑ بکری سے کس طرح اچھی نہ تھی اور شوہر کو بیوی پر بالکل ایسے ہی قانونی حقوق حاصل تھے جو فی زمانہ ہم لوگوں کو جانوروں پر بھی حاصل نہیں ہیں۔[4]

یورپ میں عورت ہر حال میں اپنے شوہر کی تابع فرمان تھی اسے شوہر کی منشاء کے بغیر عہد و پیمان کا تو درکنار کوئی چیز خریدنے کا اختیار نہ تھا۔ یورپی قانون کی رو سے عورت کی زندگی اور موت مرد کے ہاتھ میں تھی وہ اسے سامان تجارت کی طرح فروخت کر سکتا تھا۔ مرد کو بردہ فروشی کی اجازت تھی۔

اطالیون کا قول ہے:

گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔[5]

فرانس کا ایک مشہور شاعر کہتا ہے:

میں فطرت سے صرف اس لیے ناراض ہوں کہ اس نے کمینہ جانور (عورت) کو محاسن محو کرنے کے لئے کیوں پیدا کیا۔[6]

قانون کی رو سے یہ بات طے تھی کہ شادی کے بعد مرد کی طبیعت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی البتہ عورت کی شخصیت کا ایک جزء بن

---

① اسلام کا معاشرتی نظام از ڈاکٹر خالد علوی : ص 12

② The Sprit Of Isalm p:227

③ عورت انسانیت کے آئینے میں : 93

④ خاتون اسلام کا دستور حیات از عبد القیوم ندوی : ص 47

⑤ تمدن عرب : ص 373

⑥ عورت اسلام کی نظر میں از احمد علی سعید : ص 39

جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ اصول تھا کہ شادی سے پہلے عورت کے ذمے جو قرض ہو گا وہ مرد ادا کرے گا۔ اور عورت کی جو دولت یا مال و جائیداد ہو گی وہ مرد کی ہو جائے گی الا کہ جائیداد کے سلسلے میں عورت شادی سے پہلے کوئی معاہدہ کر لے۔[1]

نان و نفقہ کا بھی کوئی مناسب قانون نہ تھا اور نہ عورت کو مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا حق تھا۔ مرد چاہتا تھا تو عورت کو حق وراثت سے محروم کر سکتا تھا۔ لیکن بیوی کی جائیداد کا وہ جائز حق دار سمجھا جاتا تھا۔

انگلستان کے مشہور ڈرامہ نویس شیکسپیئر کی بھی یہی رائے ہے:

عورت ایک ناپاک شیطان ہے جسے آج تک نہ کوئی سمجھا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے بس لوگ اس سے دور رہیں۔[2]

عورت کسی قسم کا بھی معاملہ کرنے میں آزاد نہیں تھی وہ اپنے اختیار سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی حتی کہ اس کو اس کی بھی اجازت نہیں تھی کہ خود کما کر اپنی ذات پر خرچ کرے اور اپنی پسند سے شادی کرے، لڑکیاں ماں باپ کی ملک سمجھی جاتی تھیں۔ شادی ایک تجارت تھی جس کے ذریعے والدین اپنی لڑکیاں لڑکوں کو فروخت کرتے تھے۔

سترھویں صدی تک انگلستان کے قانون میں خاوند کو یہ اجازت تھی کہ وہ اپنی بیوی کو مارے بشرطیکہ ڈنڈے کی موٹائی انگوٹھے کی موٹائی سے زیادہ نہ۔ مشہور شاعر ہوں فلسفی ہوں، عالم ہوں، سب ہی کے دل میں عورت کے خلاف ایک عجیب تعصب تھا۔ مشہور زمانہ فلسفی سپی نوزا Spinoza کا بیان پڑھیں:

اپنی فطرت اور بوجھ کی وجہ سے عورتیں مردوں کے مقابلے میں حکومت اور غور و فکر کی اہل نہیں ہیں۔

شہرہ آفاق فلسفی روسو اپنی ایک کتاب (Emile) میں عورتوں کے متعلق گوہر افشانی کرتا ہے:

عورت کی جگہ اپنے گھر میں ہے۔ اسے اپنے خاوند کو آقا سمجھنا چاہیے۔ البتہ گھریلو معاملات میں عورت ہی کا حکم چلنا چاہیے تعلیم کا اصل مقصد عورتوں کو گھریلو فن سکھانا ہے جیسے کھانا پکانا، کشیدہ کاری، ان کو مذہبی تعلیم ضرور دینی چاہیے تا کہ ان میں شرم و حیا اور فرمانبرداری پیدا ہو بیٹی کو اپنے باپ کا مذہب اور بیوی کو اپنے خاوند کا مذہب بلا جھجک قبول کرنا چاہیے۔[3]

آزادی نسواں کا مشہور علم بردار ارمل اپنی کتاب ''محکومیت نسواں'' میں لکھتا ہے:

تاریخ یورپ کو دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ باپ بیٹی کو جہاں چاہتا بیچ ڈالتا تھا اور اس کی مرضی کی کوئی پروانہ کرتا تھا۔[4]

اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ کے فلاسفہ اور اہل قلم نے جب سوسائٹی کے خلاف مرد کے حقوق کی حمایت میں آواز اٹھائی تو اس دور جدید کے آغاز میں صنف اناث کو بھی پستی سے اٹھانے کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں ان کو حقوق عطا کیے گئے لیکن جن نظریات کے بطن سے یہ نئی تحریک اٹھی تھی ان میں ابتداء ہی سے افراط کا میلان موجود تھا انیسویں صدی میں اس میلان نے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی اور بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے مغربی معاشرت بے اعتدالی کی دوسری انتہاء پر پہنچ گئی جن نظریات پر مغربی معاشرت

---

① عورت اسلامی معاشرے میں: ص 11

② عورت انسانیت کے آئینہ میں: ص 96

③ عورتوں کی محکومیت از افتخار شیروانی: ص 11 ، 12

④ عورت اسلامی معاشرے میں: ص 28

کی بنیاد رکھی گئی ہے، وہ تین عنوانات کے تحت آتے ہیں:

1. عورتوں اور مردوں کی مساوات
2. عورت کا معاشی استقلال
3. دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے ہیں کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبے اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں بلکہ تمدنی زندگی میں بھی عورت وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں اس طرح عورت کا مقام گرا۔ وہ دفتروں، کارخانوں، تجارتی و صنعتی پیشوں میں نکل پڑی اور گھر میں اپنی ذمہ داریوں سے لاپرواہو گئی۔ ازدواجی زندگی میں اس کی ذمہ داریاں اور حقوق ختم ہو گئے لیکن معاشرے میں اس کا درجہ دوئم ہی رہا۔

مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

> یورپ میں عورت کو مرد کے مساوی بنانے کے لئے گھر سے نکالا گیا۔ اس سے یہ تو نہیں ہوا کہ عورت فی الواقع مرد کے مساوی ہو جاتی۔ البتہ اس کو زندگی کے ہر موڑ پر مردوں کے ساتھ کھڑا کرنے کا انجام یہ ہوا کہ فواحش کا سیلاب امنڈ آیا۔[1]

یورپ کی عورت کا اب مقام یہ ہے کہ تھیٹر کی دنیا میں بھی عورت مرد کے مقابلے میں کم درجہ کے کردار ادا کرتی ہے۔ وہ اس لیے کہ ہنسنے اور خوش کرنے میں بھی اس کو مرد کی برابری حاصل نہیں وہ مرد کے لیے خطرہ نہیں بن سکتی بلکہ اس کو مرد کے حفاظتی بازوں کی ضرورت ہے۔

امریکہ جیسے ملک میں بھی عورت کا مقام و حیثیت مرد کے مقابلہ میں کم ہے۔ ایک امریکی جریدے سائیکلوجی ٹوڈے کے سوال نامہ کے جواب میں 51 فیصد مردوں نے کہا کہ امریکی سماج عورتوں کا استحصال اس طرح کرتا ہے جس طرح کالے نیگروؤں کا۔

"ڈیپارٹمنٹ آف لیبر" کے ایک سروے کے مطابق:

> امریکی عورت عام طور پر مرد کے مقابلے میں کم مہارت اور کم تنخواہ کے کام کرتی ہے۔ کئی ملازمتوں میں وہ ایک ہی کام کے لئے مساوی تنخواہ نہیں پاتی۔ کسی کارخانے سے نکالنا ہو تو اس کا حال کالوں کا سا ہوتا ہے اس کو سب سے پہلے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شادی کا عدم استحکام اور طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔[2]

جدید یورپ نے عورت کو معاشی میدان میں لاکر اور گھر کی ذمہ داریوں سے آزاد کر کے ماحول کو افراط و تفریط کا شکار بنا دیا ہے۔

مولانا سید ابو الاعلی مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> گناہ کا خیال مذہب کے ساتھ رخصت ہوا۔ یورپی معاشروں کا خوف یوں دور ہوا کہ سوسائٹی اب اسے (عورت کو) فاحشہ ہونے پر ملامت نہیں کرتی۔ بلکہ ہاتھوں ہاتھ لیتی ہیں۔ حرامی بچے کی ماں بن جانے میں کوئی حرج نہیں۔[3]

جرمن سوشل ڈیموکریٹک کا لیڈر (Bebel) نہایت بے تکلفانہ انداز میں کہتا ہے:

---

① خاتون اسلام از وحید الدین خان: ص 81 ، 82

② خاتون اسلام: 59، 60

③ پردہ: ص 31

عورت اور مرد آخر حیوان ہی تو ہیں۔ کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح اور وہ بھی دائمی نکاح کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔[1]

گویا عورت کے مقابلے میں مغربی معاشرہ نے وہی غلطی دوبارہ کی جس کا شکار قدیم زمانہ تھا۔ یعنی عورت کے بارے میں بے بنیاد عقیدہ کے تحت رائے قائم کرنا۔ قدیم زمانہ میں بھی انسان نے کچھ ایسے بے بنیاد عقیدے بنا لیے تھے اور عورت کے بارے میں غلط قسم کا رواج قائم کیا۔ یورپ نے بھی عورت کے مقام و حیثیت اور حقوق و فرائض میں غلطی کی۔

یورپ کے قدیم اور جدید دونوں معاشروں میں عورت کی حیثیت اور حقوق کا تحفظ نہیں کیا گیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان عورت آج بھی اسی آزادی کے حصول کی کوششوں میں سرگرداں نظر آتی ہے جبکہ اسلام قرآن کے ذریعے اس کے مقام، حیثیت اور حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مساوات کا مطلب عمل میں مساوات نہیں بلکہ حیثیت میں مساوات ہے مساوات انسانی یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی وہی کام کرے جو کام دوسرا کر رہا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر آدمی کو یکساں عزت ملے، ہر ایک کو یکساں احترام کی نظر سے دیکھا جائے ہر ایک کے ساتھ یکساں اخلاقی سلوک کیا جائے۔

مرد اور عورت دو الگ الگ جنسیں ہیں اور دونوں کی تخلیق الگ الگ مقاصد کے تحت ہوئی ہے دونوں کو اگر ان کی تخلیق کے اعتبار سے ان کے اپنے میدان میں رکھا جائے تو دونوں اپنے میدان میں مساوی طور پر کامیاب رہیں گے اگر مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی میدان ڈال دیا جائے تو عورت وہ کام نہ کر سکے گی جو مرد اپنی تخلیقی صلاحیت کے اعتبار سے زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہے۔

خدائی شریعت نے عورت اور مرد کے درمیان جو توازن قائم کیا تھا۔ اس کی بنیاد جس اصول پر تھی کہ عورت اور مرد ایک دوسرے کا تکملہ (Complements) ہیں وہ ایک دوسرے کا مثنیٰ (Duplicates) نہیں ہیں۔ موجودہ زمانہ میں آزادی نسواں کی تحریک نے اس کے برعکس دعوی کیا اس نے کہا کہ نہیں، عورت اور مرد ایک دوسرے کا مثنی ہیں یعنی جو عورت ہے وہی مرد ہے، اور جو مرد ہے وہ عورت ہے۔[2]

مصری عورت

مصر میں بھی فارس کی عورت کی طرح کوئی قدر و قیمت نہ تھی اسے حقیر جان کر انسانیت کے تمام حقوق سے محروم کیا گیا۔ فدا حسین ملک کے بقول:

In Egypt and all the European countries, women were treated worse than slaves.[3]

"مصری عورت کی حقوق تلفی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تو اس کی قبر میں اس کی بیوی کو بھی ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا

---

① پردہ: ص 64

② خاتون اسلام: ص 55، 56

③ Wives of the prophet, Fida Hassan Malik, P.17

تھا۔ قحبہ گری عام تھی، مصری فراعنہ کے حرم میں بے انتہاء عورتیں تھیں اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کر لیا کرتے تھے۔"[1]

عرب میں عورت کا مقام و مرتبہ

اسلام کے گہوارہ بلاد عرب میں طلوع اسلام سے پیشتر عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی عورت کا وجود عزت و آبرو کے نام پر ایک دھبہ تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے کیونکہ ان کی پیدائش کو منحوس اور باعث ذلت سمجھا جاتا تھا۔ ایک عرب عورت اپنے خاوند کی بے رحمی کو یوں بیان کرتی ہے: ؏

ما لأبي حمزة لا يأتينا　　يظل في البيت الذى يلينا
غضبان ألا نلد البنينا　　وإنما نأخذ ما أعطينا[2]

کہ میرے خاوند ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اب وہ ہمارے ہاں آتا نہیں وہ ساتھ والے مکان میں رہتا ہے اور اس لئے غضبناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم تو وہی لیتی ہیں جو ہمیں دیا جاتا ہے۔

قرآن اس افسوس ناک کیفیت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۞ يَتَوَٰرَىٰ مِنَ ٱلْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِى ٱلتُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾[3]

اور جب کسی کو لڑکی کی خبر ملتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ اور دی ہوئی خبر سے بوجہ عار لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (سوچتا ہے) آیا اسے ذلت کے باوجود زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے؟

عورت سے نفرت اور بیزاری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک شخص کے گھر لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے اس گھر کو ہی منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔[4]

قبیلہ بنی تمیم کے ایک رئیس قیس بن عاصم نے آٹھ لڑکیوں کو زندہ در گور کیا تھا جب وہ مسلمان ہوا تو اس گناہ کی تلافی آٹھ اونٹوں کی قربانیوں سے کی۔[5]

لونڈیوں سے عصمت فروشی کا کام لیا جاتا تھا۔ مدینہ کا ممتاز سردار عبد اللہ بن ابی سلول جسے عرب کا تاج پہنایا جانے والا تھا لونڈیوں کی عصمت فروشی کا بڑا تاجر تھا۔[6]

مرد کے لئے عورتوں کی کوئی قید نہ تھی۔ بھیڑ بکریوں کی طرح جس طرح جی چاہتا باندھ لیتا اور پھر حسب مرضی ان سے سلوک

---

① اسلام میں عورت کی قیادت: ص 46
② سیرۃ النبی از شبلی نعمانی: 4 / 297
③ سورة النحل، 16 : 58-59
④ تفسير مفاتيح الغيب : 20 / 435
⑤ سیرۃ النبی: 6 / 237
⑥ ایضاً: 6 / 415

روا رکھتا۔ عصمت فروش، عصمت ریزی اور فسق وفجور پر عورت کو مجبور کیا جاتا تھا۔

اسلام کی آمد سے قبل عورت اگر مرد کو کوئی مشورہ دینے کی جسارت کر بیٹھتی تو اسے مرد اپنی عظیم ہتک خیال کرتا تھا۔ مرد جس طرح چاہتا عورت سے سلوک کرتا اور اگر وہ اس کو آزاد نہ کرنا چاہتا تو گھر سے اس طرح نکالتا کہ نہ تو اسے آزاد کرتا اور نہ گھر میں لا کر بساتا۔ قرآن کریم کی یہ آیت ایسے ہی موقع کے لئے اتری ہے:

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾[1]

بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"والله إن كنا في الجاهلية ما نعد للنساء أمرا حتى أنزل الله تعالى فيهن ما أنزل وقسم لهن ما قسم"[2]

بخدا! ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لئے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاہلیت کے زمانہ کا واقعہ سنایا کہ

میری ایک بچی تھی اور مجھ سے بہت مانوس بھی تھی جب کبھی میں اسے بلاتا تو بے اختیار مسرت سے میرے پاس آجاتی چنانچہ ایک دن میں نے اسے آواز دی تو وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی آئی میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور قریب کے ایک کنویں میں جھونک دیا اور وہ اس وقت بھی ابا جان ابا جان ہی کہتی رہی۔ واقعہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہوگئی یہاں تک ریش مبارک تر ہوگئی۔[3]

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ﴾[4]

کہ جب زندہ گاڑھی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔

اس کی تین صورتیں اہل عرب میں رائج تھیں:

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أحدها أن يأمر امرأته إذا قرب وضعها أن تطلق بجانب حفيرة، فإذا وضعت ذكرا أبقته وإذا وضعت أنثى طرحتها فى الحفيرة"[5]

کہ ان میں سے ایک یہ تھا کہ مرد اپنی بیوی کو وضع حمل کے وقت حکم دیتا کہ کسی گڑھے کے کنارے چلی جاؤ چنانچہ وہ گڑھے

---

① سورة النساء، 4 : 129

② صحيح المسلم : كتاب الطلاق ، باب في الإيلاء واعتزال النساء وتخييرهن، 1479

③ سنن الدارمي: باب ما كان عليه الناس قبل مبعث النبي ... ، 2

④ سورة التكوير، 81 : 8-9

⑤ فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني : 10 / 408

کے کنارے بچہ جنتی۔ اگر بیٹا ہوتا تو اسے زندہ رکھتی اگر بیٹی ہوتی تو اسے گڑھے میں پھینک دیتی۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

"ومنهم من كان إذا صارت البنت سداسية قال لأمها، طيبها وزينتها لأزور بها أقاربها، ثمّ يبعد بها في الصحراء حتى يأتي البئر فيقول لها انظري فيها ويدفعها من خلفها ويطهها"[1]

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جب بیٹی چھ سال کی ہو جاتی تو مرد اس کی ماں سے کہتا، اس کو بناؤ سنوارو، میں اس کو لے کر اس کے رشتہ داروں سے ملنے جا رہا ہوں، وہ اسے لے کر دور صحراء میں لے جاتا یہاں تک کہ ایک کنویں پر آتا اور بیٹی سے کہتا کہ کنویں میں دیکھو، جب وہ کنارے پر آکر کنویں میں جھانکتی تو اس کو پیچھے سے دھکا دے دیتا۔

تیسری صورت یہ تھی کہ جب بیٹی پیدا ہوتی تو گھر میں آنا جانا بند کر دیتے، ان کی چہیتی بیگم ان کو چڑیل کی مانند ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے۔[2]

عورت بیوی کی حیثیت میں سب سے مظلوم تھی معاشرت میں ان کی حیثیت گھر کے مال و اسباب کی سی تھی۔ مرد کی شادیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ مرد جتنی عورتیں چاہتے اپنے نکاح میں رکھتے۔ وہیب اسدی نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے عقد میں دس بیویاں تھیں۔[3]

اسی طرح طلاق پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔[4]

جب تک خاوند زندہ رہتا وہ اس کے ماتحت رہتی خاوند کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کا اس پر مکمل حق ہوتا، چاہتے تو خود ہی اس سے شادی کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے شادی کر دیتے اور وہ اس میں بھی آزاد تھے کہ اس کی شادی ہونے ہی نہ دیں۔[5]

بیوہ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے یہ اسے دوبارہ ازدواجی زندگی ہی سے محروم کر دیتے، بعض اوقات کسی کم سن لڑکے کے بڑے ہونے تک ان کا نکاح روکے رکھتے تاکہ وہ اس سے شادی کر سکے۔[6]

قمار بازی میں عورتوں تک کی بازی لگا دیتے تھے۔

سوتیلی ماں سے شادی ان کے نزدیک معیوب نہیں تھا۔

علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

① فتح الباري شرح صحيح البخاري لإبن حجر العسقلاني: 10/ 408

② تدبر قرآن:6 / 215

③ سنن أبوداؤد: كتاب الطلاق، باب في من اسلم وغيره نساء اكثر من أربع ، 2241

④ سنن أبوداؤد: كتاب الطلاق، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ، 2195

⑤ صحيح البخاري: كتاب التفسير ، سورة النساء، باب قوله لايحل لكم أن ترثوا النساء كرها ، 4579

⑥ تفسير ابن كثير: 1 / 465

"وقد كان نكاح إمرأة الأب مستفيضاً شائعا في الجاهلية"[1]

کہ سوتیلی ماں سے نکاح جاہلیت میں عام تھا۔

اگر اتفاق سے کوئی حسین و جمیل اور صاحب ثروت یتیم لڑکی کسی شخص کی سرپرستی میں آجاتی تو خود ہی اس سے نکاح کر لیتا اور مہر بھی ٹھیک سے ادا نہ کرتا۔[2]

وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہ تھا جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی۔ جنگ احد میں ثابت رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں ان کی دو بچیاں ہیں لیکن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی نے ان کے پورے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے بچیوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا ہے بتایئے ان کی شادی کیسے ہو؟[3]

شوہر آقا کی حیثیت رکھتا تھا اپنی منکوحہ بیوی سے کہتا کہ تو پاکی حاصل کرنے کے بعد فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر۔ اتنی مدت شوہر اپنی عورت سے علیحدہ رہتا جب تک اس عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہیں ہو جاتا ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے کہ لڑکا نجیب پیدا ہو۔[4]

مندرجہ بالا اقوال و بیانات سے یہ حقیقت نکھر کر نظر و بصر کے سامنے آتی ہے کہ مختلف تہذیبوں میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اس کی معاشی معاشرتی، سیاسی، سماجی حیثیت صفر تھی اور عملاً اسے انسانیت کے دائرے سے خارج سمجھا جاتا تھا۔

---

① أحكام القرآن: 2 / 148

② صحيح البخاري: كتاب التفسير، سورة النساء، باب(وإن خفتم ألا تقسطوا في اليتمىٰ) ، 4574

③ جامع الترمذي : سنن أبوداؤد، كتاب الفرائض، باب ما جاء في ميراث الصلب ، 2891

④ اسلام کا نظام عفت و عصمت: ص 34

2

فصلِ دوم

مختلف مذاہب میں عورت کی حیثیت

(یہودیت، عیسائیت اور ہندو مت)

مختلف مذاہب میں عورت کی حیثیت

تاریخ اس بات کی گواہ رہی ہے کہ جو تکلیف دہ صورت مختلف تہذیبوں میں عورت کی نظر آتی ہے وہی اذیت ناک تصویر قدیم مذاہب بھی عورت کی دکھارہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف مذاہب میں خدا کی طرف سے نیکی، شرافت، سیرت وکردار اور عفت وعصمت کی جو تعلیم آتی رہی ہے رفتہ رفتہ اسکا مطلب بھی یہ سمجھا جانے لگا کہ عورت سے تعلق انسان کو مصیبت اور گناہ سے قریب کرتا ہے زمانے کی رفتار کے ساتھ جیسے جیسے یہ تصور بڑھتا گیا۔ عورت سے نفرت اور بیزاری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کو شیطان کی آلہ کار، مصیبت کا دروازہ کہا گیا۔ ان تصورات کا اثر لازماً عورت کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر بھی پڑا اور اس طرح اس کو مذاہب اور معاشرے میں عزت وسربلندی کا وہ مرتبہ نہیں مل سکا جو مرد کو حاصل تھا۔[1] زیر نظر فصل میں مختلف ادیان ومذاہب میں عورت سے متعلقہ نظریات کو اجاگر کیا جائے گا۔

یہودیت اور عورت

یہودیت ایک قدیم مذہب ہے۔ اس کے پیروکار سیدنا موسی علیہ السلام کو خدا کا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ تورات ان کی مذہبی کتاب ہے۔ قرآن کی رو سے یہ اہل کتاب میں شامل ہیں۔ یہودیت کے مطابق عورت بد طنیت، بیکار اور نسل انسانی کی دشمن ہے کیونکہ جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا ہے جبکہ میں نے تمہیں منع کیا تھا؟

تو آدم نے جواب دیا کہ

جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا تھا اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔

تو اس پر اللہ تعالی نے حوا سے کہا:

میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤنگا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی۔ تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کریگا۔[2]

دوسرے الفاظ میں حوا علیہا السلام نے آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنے میں جس جرم کا ارتکاب کیا خدا کی طرف سے اس جرم کی یہ سزا ہے کہ وہ حمل اور ولادت کی تکلیف میں مبتلا کر دی گئی اور ہمیشہ کے لیے اس پر اقتدار اور غلبہ قائم کر دیا گیا۔ یہودی شریعت میں مرد کا اقتدار اور تصرف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر عورت خداوند کی منت مانے اور اپنی نوجوانی کے دنوں میں اپنے باپ کے گھر ہوتے ہوئے اپنے اوپر کوئی فرض ٹھہرائے اور اسکا باپ جس دن یہ سنے اسی دن اسے منع کرے تو اسکی منت یا کوئی قرض ہو اس نے اپنے اوپر ٹھہرایا ہے قائم نہیں رہیگا۔ اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا۔ کیونکہ اسکے باپ نے اسے اجازت نہیں دی۔۔[3]

---

① عورت انسانی معاشرے میں: ص 25

② عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب 3، آیت 17، ص: 4

③ اسلام کا نظام حیات از عبدالوہاب ظہوری: ص 174

یہودی قانون کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور اس کائنات میں معصیت اسکے دم سے ہے عورت نہ تو وصیت کر سکتی ہے اور نہ ہی اسکی شہادت معتبر ہے۔ وہ مکمل مرد کی غلام اور محکوم ہے۔ وہ مرد کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔

یہودی معاشرے میں عورت اثاث البیت جیسی شے تھی جسکی وجہ سے باپ کو اپنی بیٹی کو بیچ دینے کا اختیار تھا۔ خاوندوں کے اختیار بھی جابرانہ تھے وصیت، شہادت، طلاق، خلع کا کوئی حق عورت کو حاصل نہ تھا ان چیزوں کا حق صرف مرد کو حاصل تھا کہ وہ جب اور جیسے چاہے اسکو گھر سے نکال دے۔

کتاب مقدس میں ہے کہ اگر کوئی مرد عورت کو لیکر اس سے بیاہ کرلے اور بعد میں اسکے لیے ایسا ہی ہو کہ کوئی اسکی نگاہ میں عزیز نہ ہو تو اس سبب سے کہ اس میں کچھ پلید بات پائی تو اسکو طلاق نامہ لکھ کر اسکے ہاتھ میں دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرلے تو عورت کے لیے جائز نہیں کہ مرد سے طلاق طلب کرے اگرچہ شوہر میں بے پناہ عیوب ہی کیوں نہ ہوں۔[1]

عورت بعض حالات میں ملک کی ملکیت ہوتی یا قوم کی ملکیت قرار دی جاتی جس کا ثبوت یوں ملتا ہے، کہ ان کے ہاں ہر شخص کا نام اسرائیل میں باقی رہنا ضروری تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے عورت کی خواہشات اور عزت نفس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ انہوں نے ایسی تمام عورتوں کے لیے جن کے خاوند بے اولاد فوت ہو جائیں تو انکا نکاح کسی دوسرے آدمی سے نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرلے۔ اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اسے ادا کرلے۔ تو یوں ہو گا کہ پہلا بچہ جو پیدا ہو گا، وہ متوفی کے بھائی کے نام منسوب ہو گا، تاکہ اسکا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کر دے تو اسکے بھائی کی بیوی بجوں کے سامنے اسکے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے۔ اسکے منہ پر تھوک دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ آباد کرلے یہی کیا جائیگا، اور اس کا نام یہ رکھا جائیگا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جسکا جوتا اتارا گیا ہے۔[2]

عیسائیت اور عورت

مسیحی تصور بھی یہودی نظریات سے ماخوذ اور متاثر ہے جب یہودیت زوال پذیر ہوئی تو مسیحیت نے معاشرے میں بہت خوبصورت اقدار کو صحیح صورت میں استوار کیا مگر افسوس صنف نازک کے بارے میں مسیحیت بھی کوئی بھرپور اخلاقی عقیدہ نہ اپنا سکی۔

ایک مسیحی رہنما ترتولیاں (Tertulian) عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے:

> کہ وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔[3]

کرائی سسٹم (Chrysostum) جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے کہ وہ ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی، ایک راستہ مصیبت ہے۔[4]

---

① کتاب مقدس، استثناء، باب:24، آیت:1

② کتاب مقدس، استثناء، باب:25، آیت:5تا12، ص: 190

③ اسلام کا معاشرتی نظام: ص 96

④ پردہ: ص 25

مرد وزن کے تعلق کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ:

عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔ (1)

عیسائیت میں عورت کو دوسری شادی کا حق نہیں دیا گیا اور اسے مرد سے زیادہ تلخ گردانا جاتا تھا۔ عورت کی حیثیت محکوم کی ہے اسے دوسری شادی یا طلاق کا حق نہیں دیا گیا ایک بار عقد ہو جانے کے بعد اسے مرد کا غلام بنا دیا گیا۔

کتاب مقدس نے عورت کو لعنت ابدی کا مستحق قرار دے رکھا ہے۔ کتاب مقدس میں تعدد ازواج کی مخالفت نہیں بلکہ اسمیں عورت کو موت سے تلخ تر قرار دیا گیا ہے۔

پولوس رسول اپنے خط میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے:

مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی ہے پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اسکے بعد حوا۔ مرد نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔ (2)

عیسائیت اپنی اخلاقی روش کو پس پشت ڈال کر آزادی نسواں کے بلند دعوے کرتے ہیں مگر وہ کتاب مقدس کی اس بات کو کیسے بھلا سکتے ہیں:

جو خدا کا پیارا ہے وہ عورت سے اپنے آپ کو بچائے گا ہزار آدمیوں میں سے میں نے خدا کا ایک پیارا پایا۔ لیکن دنیا بھر میں عورتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہو۔ (3)

نصاریٰ نے عورت کی تکذیب اسطرح بیان کی ہے:

عورت شیطان کی آلہ کار، کذب و باطل کی بیٹی اور امن کی دشمن ہے۔ (4)

عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہیے اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے۔ (5)

بعد میں کلیسا نے عورت کی حیثیت کو یہاں تک گرا دیا کہ 581ء میں آئمہ کلیسا کی مجلس منعقدہ کولون میں اس بات پر زوردار بحث ہوئی کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں۔ بڑی ردوقدح کے بعد اسے معمولی اکثریت کے ساتھ انسان تسلیم کیا گیا۔ (6)

انسان تو اسے مانا مگر کس قماش کا، اس کے لیے حسب ذیل اقتباس کافی ہے:

عیسائی عورت کو نجاست کی پوٹ، سانپ کی نسل، منبع شر، جہنم کا دروازہ وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے تھے۔ بڑے بڑے

---

① پردہ: ص 25
② عہد نامہ جدید، کرنتھیوں کے نام پولوس کا پہلا خط، باب 11، آیۃ 9 تا 11، ص:15
③ اسلام اور عورت: ص18
④ اسلام اور عورت: ص6
⑤ تیمتھس کے نام پولوس رسول کا پہلا خط، باب دوم، آیت 19 تا 20، ص:202
⑥ اسلام کا معاشرتی نظام: ص 97

راہب اپنی ماں تک سے ملنا اور اسکے چہرے پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے۔[1]

پولوس کی تعلیمات عورت کے بارے میں دلچسپی سے خالی نہیں وہ عورتوں کو محکوم دیکھنے کا خواہاں تھا کہ

جس طرح کلیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر فرمان ہے اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کے زیر نگیں ہیں۔[2]

عیسائیت کے ہاں عورت کو ایک ہی درجہ حاصل ہے کہ وہ مریم کی طرح راہبہ بن جائے ورنہ وہ گناہ کا سبب ہے راہبانہ اصول کے مطابق اسکے لیے لازم ہے کہ وہ کامل طور پر مجرد زندگی گذارے اوران فطری جذبات وخواہشات کو جو قدرت نے اس میں پیدا اور ودیعت کر رکھے ہیں ان کو دبانے کی کوشش کرے۔

ہندومت اور عورت

سنسکرت میں لڑکی کو دوہتر (دور کی ہوئی) اور بیوی کو پتنی (مملوکہ) کہا جاتا ہے۔ہندوستانی معاشرے میں بھی عورتوں کو پامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی تھی۔سماج کے ٹھیکیداروں کا سلوک عورت کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رہا۔ہندوؤں کے مقدس ترین قانون دھرم شاستر کی رو سے اسکو شودر اقوام سے بھی گرا کر بالکل حیوانوں کے زمرے میں داخل کر دیا گیا تھا۔تقدیر، طوفان، موت، زہر ان میں سے کوئی چیز اس قدر خراب نہ تھی جتنی عورت۔[3]

معاشرہ ہند میں عورت ایک عضو معطل سے زیادہ کچھ نہ تھی ہر قسم کی معاشی ،سماجی تصرفات سے محروم تھی اسکی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی۔زندگی کے ہر دور میں مرد کی محکوم تھی۔

عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے۔جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں اور بعد میں اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے۔[4] منو سمرتی میں ہے کہ عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی گھر میں کوئی کام خود مختاری سے ہرگز نہ کرے۔[5]

یوں تو ہندو دھرم کا قانون عورت کو فرائض مذہبی سے دور رکھتا ہے مگر جب دیوتا کے لیے نذر و نیاز کا معاملہ ہوتا تو اس لاوارث صنف ضعیف کی قربانی دینے سے پرہیز نہ کیا جاتا۔اور اسے دیوتا کے چرنوں میں جانور کی طرح ذبح کر دیا جاتا۔

بعض راجپوت خاندانوں میں دختر کشی کی قبیح رسم بھی رائج تھی۔شاستروں میں عورت کا درجہ بہت کم ہے۔[6]

عورت عقل وشعور کی تمام خوبیوں سے عاری سمجھی جاتی تھی عبادت کے حقوق صرف مرد کو حاصل تھے عورت وراثت سے محروم تھی۔نکاح وطلاق اور تمدنی ومعاشرتی امور میں اسے کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا، ظالم اور ناکارہ شوہر سے کسی طرح بھی چھٹکارہ نہ پا سکتی۔بیوہ ہو کر بھی دوسری شادی نہ کر سکتی تھی خواہ نو عمر ہی کیوں نہ ہو۔بعض عورتیں ان مظالم سے تنگ آ کر خودکشی کر لیا کرتی

---

① دین رحمت از شاہ معین الدین ندوی:ص 106

② تاریخ مذاہب از رشید احمد :ص 334

③ تمدن عرب :ص 179

④ عورت انسانیت کے آئینے میں از ایم عبدالرحمن خاں :ص 86

⑤ منو سمرتی،ادھیائے 147 / 5، ص : 102

⑥ مقالات صارم از عبدالصمد صارم:ص 88

تھیں۔ آریا دھرم میں ان تمام مظالم کے ساتھ ساتھ ایک ظلم یہ بھی تھا کہ عورت سے بیک وقت حقیقی بھائی شادی کر سکتے تھے۔ ان کی مشہور مذہبی کتاب منوسمرتی میں درج ہے:

"عورت کا نہ کوئی الگ یگیہ ہے۔ نہ عبادت، نہ بھرت، خاوند کی سیوا کرنا ہی اس کا پریم دھرم ہے۔"[1]

ہندو مت میں عورت کی کسی بات کو معتبر نہ سمجھا جاتا تھا۔ جھوٹ اور عورت کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ فریب، حماقت، طمع، ناپاکی اور بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔

ہندو مت کے مطابق جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے۔[2]

جانکیہ برہمن جسکی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا دستور العمل رہیں وہ عورت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ شہزادوں سے تہذیب اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیے۔ وہ آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہوتے ہیں ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ دوست، خدمت گار اور عورت مفلس آدمی کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آ جاتے ہیں۔[3]

ہندوستان میں ستی کا رواج خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ

یہاں عورت کا کوئی مستقل وجود نہیں سمجھا جاتا تھا اور خاوند کی موت کے ساتھ اس سے بھی زندگی کا حق چھین لیا جاتا تھا۔[4]

ہندو مذہب میں عورت کو بدکاری کا سرچشمہ گردانا جاتا ہے اور مرد کی نجات عورت سے قطع تعلقی پر منحصر ہے۔

جین شاستروں میں عورت کی مٹی بری طرح پلید کی گئی ہے۔ مہابیر سوامی عورتوں کو تمام گناہوں کی جڑ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مردوں کے گناہوں کا سبب عورت ہی ہے عورت سب سے بڑی آزمائش ہے جو انسان کی راہ میں آتی ہے۔ مرد کو چاہیے عورت سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے نہ اس کی طرف دیکھے نہ اس سے بات کرے نہ اس کا کوئی کام کرے۔[5]

ہندو معاشرے میں عورت جوئے میں ہاری جاتی تھی ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے۔ لڑائی میں ہار جانے کے ڈر سے عورتوں کو خود ان کے باپ، بھائی اور شوہر قتل کر ڈالتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اخلاقی حالت اتنی شرمناک تھی کہ محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔[6]

بدھ دھرم اور عورت

عورت کو بدھ مذہب نے بھی کوئی خاص مقام عطا نہیں کیا بلکہ شروع شروع میں جب مہاتما بدھ نے اس مذہب کا آغاز کیا تو اسے

---

① عورت انسانیت کے آئینے میں: ص 95

② منوسمرتی، باب:9، آیت:18

③ چانکیہ نیتی:12 / 8، بحوالہ دین رحمت، ص: 107

④ عورت اسلامی معاشرے میں: ص 30

⑤ مذاہب عالم از ڈاکٹر ہیوم: ص 52

⑥ تاریخ اسلام از معین الدین ندوی:7/1

قبول کرنے کی اجازت صرف مردوں کو تھی مگر بعد میں مہاتمابدھ نے اپنی سوتیلی ماں کے اصرار پر عورتوں کو بھی اس مذہب میں داخل ہونے کی اجازت دیدی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر عورتیں اس مذہب میں شامل نہ ہوتیں تو یہ مذہب دگنی عمر پاتا اس مذہب نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں خاموشی اختیار کی کیونکہ یہ ایک اخلاقی فلسفہ تھا لیکن عورت کی حیثیت اس مذہب میں بھی ہندو مذہب کی طرح بہت گری ہوئی تھی۔

> بدھ دھرم عورتوں کو گندہ اور غلیظ جانور کہہ کر اپنے پیروکاروں کو اس سے علیحدگی کا حکم دیتا ہے اور طرح طرح کے الزامات لگا کر بے گناہ مخلوق سے نفرت دلاتا ہے۔[1]

بدھ دھرم میں عورت کو بدکاری کا سرچشمہ قرار دیا گیا۔ یہ مذہب عورت کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ نجات حاصل کر سکتی ہے بلکہ مردوں کی نجات ویدک دھرم میں عورتوں سے دور رہنے پر منحصر ہے۔ڈاکٹر ایم ایس ناز اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> بدھ دھرم میں بھی عورت و مرد کی تفریق قائم کر دی گئی ہے کہ عورت بدی کا سرچشمہ ہے اور مرد کی نجات عورت سے قطع تعلقی پر منحصر ہے اس لیے گوتم بدھ اپنے بیوی بچوں کو سوتا چھوڑ کر جنگل میں بھاگ گیا اور ساری زندگی ان سے بے تعلق رہا۔[2]

یہ مذہب عورت کی نجات کا قائل نہیں ہے۔ اس بارے میں عبد الرحمن لکھتے ہیں:

> بدھ دھرم میں عورت کو بدی کا سرچشمہ قرار دیا گیا یہ عورتوں کی نجات کا قائل نہیں بلکہ مردوں کی نجات کو بھی عورتوں سے قطع تعلقی پر منحصر قرار دیتا ہے۔[3]

مختصراً بدھ دھرم میں باقی مذاہب کی طرح عورت کی حالت اچھی نہیں اس کے حقوق کی حفاظت نہیں کی گئی جہاں تک ممکن ہو اس کی حیثیت و مقام کو گرایا گیا۔

آریہ دھرم اور عورت

آریہ دھرم میں بھی عورت کی حیثیت انتہائی پست ہے جس کا انداز اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کی رو سے عورت بیک وقت متعدد بھائیوں سے شادی کر سکتی ہے۔[4]

حاصل بحث

سطور بالا سے یہ امر عیاں ہو کر سامنے آتا ہے دنیا میں موجود اکثر و بیشتر مذاہب کی رو سے عورت انتہائی حقیر، پست اور ذلیل ہستی ہے، جو کسی طور حسن سلوک کی مستحق نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تصور کو کسی درجے میں بھی قبول نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ یکسر مسترد کیے جانے کے لائق ہے کہ اس سے معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

---

① اسلام اور عورت از سعید احمد :ص 22

② اسلام میں عورت کی قیادت:ص 43-44

③ عورت انسانیت کے آئینے میں:ص 85

④ اسلام اور عورت :ص 22

3

فصلِ سوم

اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ

(ماں، بیٹی، بیوی اور بہن)

اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

قدیم جاہلیت نے عورت کو جس پستی کے گھڑے میں پھینک دیا اور جدید جاہلیت نے اسے آزادی کا لالچ دیکر جس ذلت سے دوچار کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے ایک طرف قدیم جاہلیت نے اسے زندگی کے حق سے محروم کیا تو جدید جاہلیت نے اسے زندگی کے ہر میدان میں دوش بدوش چلنے کی ترغیب دی۔اسے گھر کی چاردیواری سے نکال کر شمع محفل بنادیا۔عورت اپنے عزت وو قار کھو بیٹھی۔آزادی کے نام پر غلامی کا شکار ہوگئی۔آج مغربی اقوام عورت کی اس غلامی بنام آزادی سے تنگ آچکی ہیں کیونکہ مغربی تمدن میں اس بے جا آزادی کے نتائج،زناکاری اور بے حیائی کی شکل ے میں ظاہر ہورہے ہیں افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان عورت بھی آج اسی آزادی کے حصول کی کوشش میں سرگرداں نظر آتی ہے جبکہ اسلام قرآن کے ذریعے اسکا مقام،حیثیت اور حقوق وفرائض متعین کرتا ہے۔[1]

اسلام کے اثرات

جب اسلام کا آفتاب عالم طلوع ہو تو اسکی نورانی کرنوں نے دنیا کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی سے ہمکنار کیا۔افراط و تفریط ختم ہوئی۔اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لا کھڑا کیا اور اس تخلیقی امتیاز کو مٹا کر ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والی صنف نازک کو اپنے دامن رحمت میں لے لیا اور ناموس نسواں کی قدرومنزلت کا شعور بیدار کیا اور اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا جو اسکا حق تھا۔اگر مردوں کی صف سے صدیق،فاروق اور حیدر رضی اللہ عنہم جیسے مجموعہ حسنات کو اس نے ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تو عورتوں کی جماعت سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا،خدیجہ رضی اللہ عنہا،صفیہ رضی اللہ عنہا،ام سلمہ رضی اللہ عنہا،زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی خواتین کو زہد و تقوی،نیکی اور پارسائی اور علم و عمل کے قابل تقلید نمونے بنا کر اقوام عالم کے روبرو عبرت و نصیحت کی غرض سے پیش کر دیا۔

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے ظلم و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک کو پوری قوت سے اپنے دامن حمایت میں لے کر اسے مردوں کے برابر حقوق عطا کیے بحیثیت انسان عورت کو بلند مقام عطا فرمایا۔

اسلام نے زندگی کی تعمیر و ترقی کا جو نقشہ پیش کیا اسکا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے،خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے اقتصادی قوانین سے ہو خواہ اصول تہذیب سے اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کے مقام ومذہب،وجود اور حیثیت مرتبت سے انکار نہیں کیا۔بلکہ یہ حقیقت اجاگر کر دی کہ عورت مظہر سکینت ہے۔عورت کی ایک مستقل و مستحکم حیثیت اللہ رب العزت کی

---

(1) عورت قرآن کی نظر میں از شمیمہ محسن: ص 6

بدولت قائم ہوئی اور قرآن و حدیث نے ماں، بہن، اور بیٹی کی صورت میں اس مظہر سکینت کے حقوق متعین کر دیے، عورت کا اس سے بڑھ کر اور اعزاز کیا ہو سکتا ہے۔[1]

اسلام نے عورت کے بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ اس کو روحانی مقام عطا کیا اور نیک اعمال کرنے والوں کو خواہ مرد ہو یا عورت جنت کی نوید سنائی۔ اس طرح معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا بلند درجہ عطا فرمایا اور عورت کی معاشی، قانونی، تعلیمی اور سیاسی حیثیت کو مستحکم کیا۔

اسلام نے عورت پر سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و عورت دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا، انسان کے ذہن و قلب میں عورت کا وقار، مقام اور مرتبہ کا تعین کیا، اس کے شخصی، سماجی، تمدنی اور معاشی حقوق کا تخیل اجاگر کیا۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[2]

اے لوگو اپنے اللہ سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اس لیے انسان ہونے میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔ یہاں مرد کے لیے اس کی مردانگی باعث شرف ہے نہ عورت کے لیے اس کی نسوانیت باعث عار ہے۔ یہاں انسان جو مرد و عورت دونوں پر مشتمل ہے، وہ من حیث الانسان اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے فطرت کا ایک عظیم شاہکار ہے جو اپنی صوری خوبیوں اور معنوی خصوصیات کی بنا پر ساری کائنات کی محترم اور بزرگ ترین ہستی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾[3]

کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی و فضیلت بخشی اور انہیں خشکی اور تری کے لیے سواری دی۔ انہیں پاک چیزوں کا رزق بخشا۔ اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں پر انہیں فضیلت عطا کی۔

سورۃ التین میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ فِىٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[4]

---

① اسلام میں عورت کی قیادت: ص 69

② سورة النساء، 4 : 1

③ سورة بني اسرائيل، 17 : 70

④ سورة التين، 95 : 4

کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔

چنانچہ بنی آدم کو جملہ مخلوقات پر جو فضیلت بخشی گئی اور بحیثیت انسان اسے جو سرفرازی عطا کی گئی، عورت اس میں برابر کی شامل ہے۔

دونوں میں ممتاز کون؟

پھر اسلام میں ان دونوں صنفوں میں سے ممتاز اور بزرگ وہ ہے جس کے پاس نیک اعمال اور تقوی ہے، جس میں شرافت کا معیار مکمل طور پر موجود ہے۔ یہاں دیگر مذاہب کی طرح بزرگی اور کمتری کا معیار جنس نہیں۔ جہاں مرد ہمیشہ عرش بریں کا مستحق سمجھا جائے، چاہے وہ اپنی عملی زندگی میں پاپ اور عظیم گناہوں کا مجموعہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ بلکہ یہاں بڑائی اور بزرگی کا معیار، اصلاح ایمان، درستی اعمال، سلامتی فکر، خدا ترسی، خوش اخلاقی، خلوص اور حسن سیرت ہے۔ جو آدمی جتنا زیادہ خدا ترس، متقی اور پرہیز گار ہے، با اخلاق اور حسن سیرت کا مالک ہے، اللہ کے ہاں اتنا ہی برگزیدہ ہے، چاہے یہ مرد ہو یا عورت۔

چنانچہ اسلام کے اس اساسی دستور کو یوں واضح فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(1)

کہ اللہ کے ہاں تم میں سے بزرگ ترین وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

﴿أَنِّى لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَـٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ﴾(2)

کہ میں (اللہ) تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَـٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾(3)

کہ مرد یا عورت نے اچھے عمل کیے اور وہ مومن ہے تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کو ان کے انجام دیے ہوئے بہتر اعمال کا بہترین اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

قرآن کریم میں جن صفات کو مردوں کے لیے بنظر استحسان دیکھا گیا ہے، وہی صفات عورتوں کے لیے بھی پسند فرمائی گئی ہیں اور دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا جو معیار مردوں کے لیے رکھا گیا ہے، بعینہ وہی عورت کے لیے بھی رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی اسلام کے نزدیک معاشرہ کے ناقابل تقسیم اجزا اور تمدن کی گاڑی کے ناگزیر پہیے ہیں۔ زندگی کے بارگراں کو دونوں شانہ بشانہ سنبھال کر ہی ارتقائے تمدن کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں، اسی لیے قرآن کریم مرد جو عورت دونوں کو "یا أیھا الناس" یا "یا أیھا الذین آمنوا" کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ دونوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن اخلاق، ادائیگی حقوق کا یکساں ذمہ دار

---

① سورة الحجرات، 49 : 13

② سورة آل عمران، 3 : 195

③ سورة النحل، 16 : 97

ٹھہراتا ہے۔دونوں مساوی حیثیت سے اللہ کے ہاں ذمہ دار اور اپنے اپنے اعمال کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ مرد سے عورت کی یا عورت سے مرد کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1]

کہ سنو تم سب نگہبان ہو اور تم سے تمہاری رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔

مرد اپنے بیوی بچوں کا رکھوالا ہے،اس لیے اس سے اس کی پوچھ ہو گی اور عورتیں شوہر کے گھر کی مالکہ اور اسکے بچوں کی نگہبان ہیں۔ اس لیے ان سے اس کی پوچھ گچھ ہو گی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت نہ تو مرد کا ضمیمہ ہے نہ ہی مرد سے کم تر ہے۔مرد اپنی قبر سے اٹھے گا اور اپنا جوابدہ خود ہو گا اور عورت اپنی قبر سے اٹھے گی اور اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ خود ہی ہو گی، مگر ساتھ ہی ضمناً مندرجہ بالا حدیث ایک اور وضاحت بھی کر رہی ہے کہ مرد کے فرائض اور اس کا دائرہ کار الگ ہے اور عورت کا الگ۔مرد بیرون خانہ تمام امور انجام دے اور عورت گھر کے اندر کی ذمہ دار ہے۔شوہر کے گھر اور بچوں کی رکھوالی ہے۔چنانچہ نبی پاک ﷺ نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا تو وضاحت فرمادی کہ علی رضی اللہ عنہ بیرون خانہ تمام ذمہ داریاں انجام دیں گے اور تم گھر کے اندر سارے کام انجام دینا۔(دائرہ کار کی مزید وضاحت اپنے مناسب مقام پر آئے گی۔)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو بالترتیب مرد اور عورت رکھ کر ہی ان کی عزت،ترقی،کامیابی اور ارتقاء کے یکساں مواقع بہم پہنچائے ہیں،جس طرح مرد ترقی کے میدان میں اپنے قدم بڑھا سکتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے،بعینہ عورت بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے دائرہ کار کے اندر میدان ترقی میں جولانی کر سکتی ہے،چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلْمُسْلِمِينَ وَٱلْمُسْلِمَٰتِ وَٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ وَٱلْقَٰنِتِينَ وَٱلْقَٰنِتَٰتِ وَٱلصَّٰدِقِينَ وَٱلصَّٰدِقَٰتِ وَٱلصَّٰبِرِينَ وَٱلصَّٰبِرَٰتِ وَٱلْخَٰشِعِينَ وَٱلْخَٰشِعَٰتِ وَٱلْمُتَصَدِّقِينَ وَٱلْمُتَصَدِّقَٰتِ وَٱلصَّٰٓئِمِينَ وَٱلصَّٰٓئِمَٰتِ وَٱلْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَٱلْحَٰفِظَٰتِ وَٱلذَّٰكِرِينَ ٱللَّهَ كَثِيرًا وَٱلذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾[2]

کہ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،مومن مرد اور مومن عورتیں،فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں،راست باز مرد اور راست باز عورتیں،خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں،خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں،ناموس کی حفاظت کرنے والے مرد اور ناموس کی حفاظت کرنے والی عورتیں،خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور خدا کو بکثرت یاد کرنے والی عورتیں،اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

معاشرتی میدان

جس طرح دیگر معاشروں نے کانٹے کی طرح عورت کو شاہراہ حیات سے ہٹانے کی کوشش کی،وہاں اسلامی معاشرہ اسے بعض حالتوں میں خود مردوں سے بھی زیادہ شرف و احترام بخش رہا ہے۔وہ برگزیدہ ہستی جو تمام عالم کے لیے سرمایہ رحمت بن کر تشریف لائی

---

① صحيح البخاري: كتاب الأحكام، باب قول الله تعالي وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول و أولى الأمر منكم، 6605

② سورة الأحزاب، 33 : 35

تھی،اس نے اس مظلوم طبقہ کو یہ مژدہ جانفزا سنایا:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ»[1]

کہ مجھے دنیا کی چیزوں سے عورت اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے نفرت،صفائی اور خوشبو سے بیزاری،خداترسی یا زہد اور تقوی کی دلیل نہیں ہے۔انسان اللہ کا محبوب جب ہی بن سکتا ہے کہ وہ اللہ کی تمام نعمتوں کی قدر کرے۔باذوق،جمال ونظامت کا دلدادہ ہو اور عورت سے صحیح ومناسب تعلقات رکھنے والا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کے لیے نکاح لازمی ہے۔اس سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

«النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[2]

کہ نکاح میری سنت ہے سو جس نے میری سنت سے روگردانی کی، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

چنانچہ بیوی کی حیثیت سے عورت اپنے شوہر کی مشیر اوراس کے گھر کی مالکہ ہے۔اس کے بچوں کی معلم اور مربی ہے۔اس کے گھر کو سکون واطمینان سے آراستہ وپیراستہ کرنے والی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾[3]

کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا۔

یعنی ان کی شخصیت کی تکمیل تم سے ہوتی ہے تو تمہاری شخصیت ان سے مکمل ہوتی ہے۔تم ان کے لیے باعث حسن وآرائش ہو تو وہ تمہارے لیے زینت وزیبائش ہیں۔تم ان کے لیے باعث سکون ومحبت ہو تو وہ تمہارے لیے ہیں۔تم ان کے لیے اخلاق وکردار کے محافظ ہو،وہ تمہارے اخلاق وکردار کی پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہیں۔غرض مرد کی زندگی کے بہت سے تشنہ تکمیل پہلو عورت کے تعاون کے بغیر مکمل نہیں ہوتے اور عورت کی زندگی کے بہت سے تشنہ تکمیل پہلو مرد کی معاونت کے بغیر ادھورے رہ جاتے ہیں۔غرضیکہ دونوں کی زندگیاں کسی صورت میں بھی ایک دوسرے کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں۔

المختصر اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو ان حقوق سے نوازا جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا-اب دیکھنا چاہیے کہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور مقام کیا ہے-اسلام نے بہن،بیٹی،بیوی،ماں کی حیثیت کا الگ الگ تعین کر کے نہ صرف ان کے حقوق واضح کیے بلکہ انکی حفاظت کا بھی پورا پورا بندوبست کیا۔

عورت بحیثیت ماں

---

① سنن النسائي : كتاب عشرة النساء، باب حب النساء، 3878

② صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، 5063

③ سورة البقرة، 2 : 187

قرآن و سنت کے اعتبار سے ماں کا مقام معراج انسانیت ہے اور ماں کو وہ مقام دیا گیا جسکی عظمت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ قرآن پاک میں خدا کی توحید کے بعد درجہ والدین کا ہے اور والدین میں بھی والدہ کو ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے اور اولاد کے ذمہ اسکی عزت و تکریم کا حق قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾[1]

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴾[2]

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ سے متعلق نصیحت کی ہے اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

سورة الاحقاف میں فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ إِحْسَٰنًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُۥ وَفِصَٰلُهُۥ ثَلَٰثُونَ شَهْرًا ﴾[3]

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے تکلیف جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔

جہاں تک عورت کے ماں ہونے کا تعلق ہے دین اسلام نے اسکو وہ بلند مقام دیا جہاں خود مرد اسکے سامنے سر فگندہ اور دم بھرتے نظر آتے ہیں جنت ماں کے قدموں تلے رکھ دی گئی ہے۔

«اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الأُمَّهَاتِ»[4]

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

---

① سورة الإسراء، 17 : 23

② سورة لقمان، 31 : 14

③ سورة الأحقاف، 46 : 15

④ كنز الأعمال: 16 / 461

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

«مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ قَالَ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبُوكَ»(1)

میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا تیری والدہ اور پھر (چوتھی بار) فرمایا: تمہارا والد۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ»(2)

اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام کر دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں جنت میں داخل ہوا۔ اس میں قراءۃ سنی تو میں نے کہا: یہ کون ہے؟ کہا گیا: حارث بن لقمان۔ نیکی یوں ہوتی ہے اور وہ اپنی ماں سے سب سے بڑھ کر نیکی کرتے تھے۔

عورت کسی بھی حالت میں محض عورت ہونے کی وجہ سے کسی اقتدار سے محروم نہیں ہو سکتی ماں کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ﴾(3)

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے۔ اگر اس (میت) کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے یہ حصے اس (وصیت کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کو یاد فرماتے تو آبدیدہ ہو جاتے رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو حضور ان کے بیٹھنے کے لئے چادر بچھا دیتے۔(4)

کنیز اُم ایمن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادرانہ خدمت کی تھی حدیث میں آتا ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلىَّ اللهُ عَليهِ وَسَلَّم، يَقُوْلُ لأُمِّ أَيْمَن يَا أُمَّه كَانَ إِذَا نَظَرَ إِلَيهَا يَقُولُ هَذِهِ بَقِيَةُ أَهْلَ بَيْتِي»(5)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ماں کہہ کر پکارتے تھے اور جب ان کی طرف دیکھتے تو فرماتے یہ میرے اہل بیت میں سے باقی

① صحيح البخاري : كتاب الأدب ، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، 5514

② صحيح البخاري: كتاب الأدب ، باب عقوق الوالدين من الكبائر ، 5518

③ سورة النساء، 4 : 11

④ الطبقات الكبرى از محمد بن سعد : 8 / 223

⑤ الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني: 3 / 178

رہ گئیں ہیں۔

ایک بار اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی نوش فرماتے ہوئے دیکھ کر کہا، مجھے بھی پانی پلایئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کہتی ہو؟ اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: تم نے مجھ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچ کہتی ہیں اور انہیں پانی پلایا۔ (1)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک کنیز کی مادرانہ خدمت کرنے پر بھی محسن انسانیت نے انہیں کس قدر عظیم مرتبہ و مقام دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی ماں کو گردن پر اٹھائے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ تو اس نے آپ سے کہا اے ابن عمر رضی اللہ عنہ! کیا تجھے اس عمل کی جزا معلوم ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن تو نے بہت اچھا کام کیا ہے اللہ تجھے تیرے تھوڑے عمل پر بھی زیادہ ثواب دے گا۔ (2)

ایک اور صحابی نے ایک باغ عمر بھر کے لئے اپنی ماں پر وقف کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلْزِمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا» (3)

کہ اس کا خیال رکھو، کیونکہ جنت اس کے پاؤں تلے ہے۔

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور نبوی فرمودات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر مسلمان مرد زون قرآن و سنت کی تعلیم کے پیش نظر اللہ اور رسول کے بعد اپنی والدہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مضطرب و بے تاب نظر آتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اگر ماں راضی ہے تو اللہ اور رسول راضی ہے اور اگر ماں ناراض ہے تو اللہ اور رسول بھی ناراض ہیں۔

عورت بحیثیت بیٹی

والدہ کے بعد عورت کی قابل عزت ہستی بیٹی ہے۔ اسلام نے بیٹی کو رحمت قرار دیا ہے قرآن نے زندہ درگور کرنے کو جہنم کا سبب اور بیٹی کی تربیت اور اس کے ساتھ شفقت کو آگ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے پھر اسلام نے بیٹی کی حیثیت کو تسلیم کروانے کے بعد وارثت میں بھی اس کو حصہ دار بنایا ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَٰحِدَةً فَلَهَا ٱلنِّصْفُ ﴾ (4)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔

---

① أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير : 5 / 567

② مسند أحمد: 6 / 442

③ مسند أحمد: مسند المكيين، حديث معاوية بن جاهمة السلمي ، 14989

④ سورة النساء، 4 :11

حضور ﷺ نے چار بیٹیوں کی تربیت ایک شفیق باپ کی حیثیت سے اس عمدہ اور بہترین طریقہ سے کی کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو دنیا بھر کی عورتوں کے لیے قابل تقلید ٹھہرا۔ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی تربیت فرمائی، ان کی ذات میں وہ تمام قدسی صفات مجمع ہو گئیں جو انسان کے مثالی کمال کی آئینہ دار ہیں، اس حسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی زیرک اور ذہین وفطین ہستی نے بھی اعتراف کیا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ عورتوں سے بڑھ کر دانا ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

"ما رأيت أحدا اشبه سمتا ودلا وهديا برسول الله صلي الله عليه وآله وسلم فى قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلي الله عليه وسلم"[1]

کہ یعنی طرز کلام، اسلوب گفتگو، خضوع وخشوع، حسن اخلاق اور وقار و متانت، صداقت وراست گوئی، نشست وبرخاست میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر حضور ﷺ کے مشابہ کوئی نہ تھا۔

رسول معظم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«فَإِنَّمَا ابْنَتِي بَضْعَةٌ مِنِّي يَرِيبُنِي مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا»[2]

کہ میری بیٹی میرے جگر کا حصہ ہے، جو چیز اس کے لیے باعث تشویش ہوئی، وہ میرے لیے بھی پریشانی کا سبب ہو گا، اور جو بات اس کے لیے اذیت ہو گی، یقیناً اس سے مجھے بھی تکلیف ہو گی۔

بریدۃ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:

«كَانَ أَحَبَّ النِّسَاءِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ»[3]

کہ رسول اللہ ﷺ کو عورتوں میں سب سے زیادہ عزیز فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی خواتین کے لیے خود نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

"كفاءك من النساء العالمين مريم بنت عمران، خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد وآسية امرأة فرعون"[4]

کہ دنیا میں سب سے زیادہ مرتبے والی خواتین یہ ہیں: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون۔

رحمت للعالمین ﷺ کو اپنی صاحبزادیوں سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو فرط محبت میں کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ ان کو دے دیتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ

---

① الإصابة في تمييز الصحابة: 13 / 74

② صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل بنت النبي، 4482

③ جامع الترمذي: كتاب المناقب عن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فى فضل فاطمة الزهرا، 225

④ تاریخ مدینہ دمشق از ابن عساکر: ص 374-370

«مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَدَلًّا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللهِ فِي قِيَامِهَا وَقُعُودِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا»[1]

کہ میں نے چال ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ وہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر داخل ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اسے بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسیوں سے بھی بے حد محبت کرتے، اپنی ایک نواسی کو عالم نزع میں دیکھا تو آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے پر فرمایا: خدا کا رحم ہے، جو وہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

«بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ جُلُوسٌ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ أُمَامَةَ بِنْتَ أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ وَأُمُّهَا زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ صَبِيَّةٌ يَحْمِلُهَا عَلَى عَاتِقِهِ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عَلَى عَاتِقِهِ يَضَعُهَا إِذَا رَكَعَ وَيُعِيدُهَا إِذَا قَامَ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ يَفْعَلُ ذَلِكَ بِهَا»[2]

کہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت رکوع و سجود میں جاتے، انہیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر کندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاکیزہ اسوۂ مبارک کی تاثیر تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان محبت و شفقت میں، تربیت و تعلیم میں اور حسن معاملہ میں، حتی کہ التفات قلب و نظر میں بھی مساوات برتتے۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، حال پوچھا اور فرط محبت سے منہ چوم لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

«قَالَتْ جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ تَسْأَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَاوَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنْ ابْتَلَى مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنْ النَّارِ»[3]

کہ ایک عورت میرے پاس آئی اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میرے پاس فقط ایک کھجور تھی، وہی دے دی۔ اس عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کرکے بچیوں میں بانٹ دیے، اور چلی گئی۔ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ

---

① جامع الترمذي: كتاب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في فضل فاطمة بنت محمد، 3807

② سنن أبوداؤد: كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، 783

③ مسند أحمد : كتاب باقي مسند الأنصار، حديث السيدة عائشة، 24167

واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بچیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہوں گے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بچیوں کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لیے سرمایہ حیات تصور کرتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی کی کفالت کے تین دعویدار پیدا ہوئے، جیسے کہ حدیث سے واضح ہے:

کہ امامۃ بنت حمزہ بن عبد المطلب الھاشمیہ بر کی حدیث میں عمرۃ القضاء کا قصہ مذکور ہے۔ کہ جب یہ لوگ نکلے تو ان کے پیچھے حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نکلی اور کہا کہ اے چچازاد؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اپنے باپ کی چچی زاد کو لے لو۔ پھر اس معاملے میں علی و جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس ان کی خالہ ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ اس کا نام سلمی بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھا۔ اور اس کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ (1)

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری چچازاد بہن ہے، لہذا میں اس کی پرورش کا حقدار ہوں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بولے، میں زیادہ حق دار ہوں، کہ میری چچازاد ہونے کے علاوہ اس کی خالہ بھی میرے عقد میں ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی تھے، تقاضا کیا کہ یہ میری بھتیجی ہے چچا سے بڑھ کر اس کی تربیت کا حق کسے پہنچتا ہے؟

عورت بہن کی حیثیت سے

بہن کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ کے دور اول میں عورت کی عظمت و وقعت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے باوجود جوان ہونے کے بیوہ عورت سے شادی کی۔ ان کی بیان ہے کہ

«أَنَّ عَبْدَ اللهِ هَلَكَ وَتَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ أَوْ قَالَ سَبْعَ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً ثَيِّبًا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ! تَزَوَّجْتَ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ قَالَ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ أَوْ قَالَ تُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ» (2)

کہ میرا باپ جنگ اُحد میں شہید ہو گیا تھا اور اپنے پیچھے نو بیٹیاں چھوڑ گیا تھا......اس طرح میری نو بہنیں تھیں۔ میں نے ایک شوہر دیدہ عورت سے شادی کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! کیا تم نے شادی کر لی ہے۔ عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا کنواری سے یا شوہر دیدہ سے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک شوہر دیدہ عورت سے شادی کی ہے۔ فرمایا، کنواری لڑکی سے کیوں نہیں کی کہ وہ تجھ سے کھیلتی اور تو اس سے کھیلتا، یا فرمایا تو اس سے ہنستا اور وہ تجھ سے ہنستی۔

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد اُحد میں شہید ہو گئے اور ان کی نو بہنیں چھوڑ گئے، تو انہوں نے ان کی حسن تربیت اور نگہبانی کے لیے تجربہ کار عورت سے شادی کرنا مناسب سمجھا۔ سبحان اللہ کتنا ایثار و اخلاص ہے کہ اپنی جوانی کی امنگیں اور زندگی بھر کے ارمان اپنی بہنوں پر نچھاور کر دے۔

---

(1) الإصابة في تمييز الصحابة: 12 / 126- 125

(2) صحيح مسلم: كتاب الرضاع ، باب استحباب نكاح البكر، 2664

عورت بحیثیت بیوی

اسلام سے قبل عورت کا مقام بحیثیت بیوی بھی معززانہ نہ تھا۔بیوی کو جوئے کے داؤ پر لگا دیا جاتا تھا، بعض قوموں میں بیوی کو جوتے سے تشبیہ دی جاتی تھی۔بیوی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ اس کا خاوند ظالم ہو اور اس کی زندگی کو تلخ بنا دے تو اس سے چھٹکارا حاصل کر سکے اس کے بر عکس اسلام نے بیوی کو بلند مقام بخشا۔اس کے انفرادی تشخص کو تسلیم کر کے فرائض کے ساتھ حقوق بھی متعین کیے۔قرآن حکیم نے مرد عورت کے تعلقات کو ایک نہایت لطیف مثال کے ذریعے بیان کیا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾(1)

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾(2)

حضور اکرم ﷺ کی بیویاں گھر کے معاملات میں پوری آزادی سے اپنی رائے دیتی تھیں حالانکہ اس وقت عرب سوسائٹی میں ایسا کوئی تصور نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب کی اس دن کوئی انتہا نہ رہی جس دن انہوں نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا کہ آنحضور ﷺ کی ازواج گھر کے معاملات میں نبی ﷺ سے بحث و تکرار کر رہی تھیں۔(3)

حضور سرور کائنات ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ بہترین برتاؤ فرما کر امت کے لئے درخشاں مثال قائم فرمادی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(4)

کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے اور میں تم میں سے زیادہ بہتر ہوں اپنے گھر والوں کے لئے۔

چنانچہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کی دلجوئی فرماتے حتی کہ ان کی خوشنودی کی خاطر شہد اپنے اوپر حرام کر لیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ﴾(5)

کہ آپ اپنی بیویوں کی مرضی چاہتے ہیں۔

اس ارشاد باری میں حیثیت نسواں کے جاہلی اور اسلامی تصور کا بعد المشرقین اور صنف نازک پر حضور رحمت للعالمین ﷺ کا بے پایاں احسان اجاگر کیا جا رہا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کبھی دوڑ لگا رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى

---

① سورة البقرة، 2 : 187

② سورة النساء، 4 : 19

③ اسلام کا نظام عفت و عصمت از مولانا ظفیر الدین : ص 227

④ سنن الترمذي: كتاب مناقب الأنصار، باب باب فضل أزواج النبي، 3830

⑤ سورة التحريم، 66 : 1

أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَسْأَمُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ»[1]

کہ نبی ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر میرے لیے چادر سے پردہ کیا اور میں حبشیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی جو مسجد (کے صحن) میں ہو رہا تھا اور وہ میرے لیے کھڑے رہے جب تک کہ میں خود نہ پھری۔ لڑکی کا چھوٹی عمر میں جب کہ کھیل دیکھنے کی حریص ہوتی ہے، تو اس کے کھڑے ہونے کا اندازہ کرو، کتنی دیر تک کھڑی رہے گی۔

ام المؤمنین کو حبشیوں کے کھیل سے محفوظ فرما رہے ہیں۔ یہی نہیں گھر کے کام کاج میں امہات المؤمنین کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

«وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيجَةُ فَيَقُولُ إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ»[2]

کہ اور آپ ﷺ جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اس کے گوشت کا کچھ حصہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں بھیجتے۔ میں کہہ دیتی کہ دنیا میں ایک خدیجہ ہی تو گزری ہیں؟ فرماتے: اس کا میرے نزدیک بڑا رتبہ ہے۔ میری اولاد اسی سے ہے۔

اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے، ان کی سہیلیوں کی بہت قدر فرمایا کرتے، جب کبھی بکری ذبح کرتے تو ان کے گھروں مین بھجواتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

«اسْتَأْذَنَ أَبُو بَكْرٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ أَلَا أَرَاكِ تَرْفَعِينَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجِزُهُ وَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ؟ (كَيْفَ رَأَيْتِنِي أَنْقَذْتُكِ مِنْ الرَّجُلِ»[3]

کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں داخل ہونے کی اجازت چاہی تو اندر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلند آواز سنی۔ جب آپ اندر داخل ہوئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو پکڑنے لگے، تاکہ اسے تھپڑ ماریں اور یہ کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولتی ہو؟ رسول اللہ ﷺ درمیان میں آگئے اور بیچ بچاؤ کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں اس آدمی سے بچالیا۔

بیوی کا مقام اس قدر بلند کر دیا کہ بقول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:

کہ اسلام سے پہلے عورتوں کو کچھ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ رحمت للعالمین ﷺ نے وہ عظمت دی کہ ایک بار میں نے بیوی کو ڈانٹا۔ اس نے برابر کے جواب دیے، پس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

"ينبغى للرجل أن يكون فى أهله كالصبى فإذا كان فى القوم كان رجلا"

---

① نیل الأوطار از محمد بن علي شوكاني:7 / 280

② صحيح البخاري: كتاب المناقب،باب تزويج النبى خديجة وفضلها:3534

③ سنن أبو داؤد: كتاب الأدب، باب ما جاء فى المزاح :4337

کہ انسان کو چاہیے کہ حسن معاشرت اور ملاطفت میں بیوی کے ساتھ بچے کی طرح رہے، اور بیرون خانہ مردانہ وار۔

یہ آقائے کائنات کی تعلیمات کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: «كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا فَأَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ»[1]

کہ میرے ایک بیوی تھی جسے میں بہت چاہتا تھا لیکن وہ میرے والد کو ناپسند تھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ لیکن میں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے تھے کہ والد کی تاکید کے باوجود طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت والدین کے خیال سے طلاق کا حکم دیا۔ ایک بار سفر میں تھے، زوجہ کی بیماری کا علم ہوا، انتہائی تیز رفتاری سے کام لیا اور عشاء و مغرب کی نماز کو ایک ساتھ جمع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن ابو بکر کو اپنی بیوی عاتکہ سے اس قدر محبت تھی، جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔[2]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حج سے واپس آرہے تھے، ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ عنہ کو بیوی کے انتقال کی خبر ملی تو منہ ڈھانپ کر رونے لگے۔ اس محبت کے باعث صحابہ کرام بیویوں کے حق صحبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ ان کی درشت خوئی بھی گوارہ تھی۔ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب کے پاس بیوی کی بدزبانی کی شکایت کی، مگر مدت کی رفاقت کے لحاظ سے طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اسلام نے عورت کو ذلت و رسوائی کے مقام سے اس قدر تیزی سے اٹھا کر حقوق و مراعات سے نوازا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «كُنَّا نَتَّقِي الْكَلَامَ وَالِانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخَافَةَ أَنْ يُنْزَلَ فِينَا الْقُرْآنُ فَلَمَّا مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكَلَّمْنَا»[3]

کہ یعنی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم عورتوں (بیویوں) سے گفتگو میں بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے، کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہو جائے۔ آپ کی وفات (انقطاع وحی) کے بعد ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔

المختصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کا جو تکمیلی خاکہ پیش کیا اور جس شفقت و رحمت کا سلوک عملی طور پر ان سے روا رکھا اس کا جائزہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ حقوق نسواں کے تحفظ سے ایک ایسا پرسکون اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں مرد و عورت کے صحیح تعاون اور توازن سے یہ صفحہ ہستی جنت کی نظیر بن جاتی ہے۔ نظام کائنات کو چلانے والی دونوں قوتیں جب اپنے اپنے دائرہ عمل میں مستعد ہو جاتی ہیں تو ایسی صحت مندانہ خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے جو تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے لیے سازگار ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی کی گاڑی اپنے مضبوط پہیوں کے سہارے سرپٹ دوڑ کر منزلِ مقصود کو پا سکتی ہے۔

---

① سنن النسائي، الجزء السادس، باب احلال المطلقة ثلاثة، والنكاح الذي يحلها به: 149

② نيل الأوطار: 7 / 280

③ سنن ابن ماجة: كتاب ما جاء في الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه:1622

(۲)

بابِ دوم

عورت کے معاشی حقوق

اسلام، دیگر مذاہب اور دساتیر پاکستان میں

فصل اول معاش: معنیٰ ومفہوم

فصل دوم مختلف مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق

فصل سوم اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

فصل چہارم دساتیر پاکستان میں عورتوں کے حقوق

1

فصلِ اوّل

معاش: معنی و مفہوم

معاش: معنی و مفہوم

معاش عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ 'عاش' ہے جس کے معنی ہیں زندہ رہنا، بعض کے نزدیک اس کا مادہ 'عیش' ہے جس کے معنی روزی، خوراک، رزق، بسر اوقات اور گزران کے ہیں۔[1]

عیش سے لفظ معیشت ہے جس کے معنی سامان زینت اور کھانے پینے کی وہ تمام اشیاء ہیں جن پر زندگی بسر کی جائے۔

گویا معاش کے معنی ذریعہ زندگی کے ہیں اور عام طور پر اہل لغت کے ہاں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

'المنجد في اللغة' میں معیشت کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں:

"المعاش والمعيشة ما تعيش به من المطعم والمشرب- ماتكون به الحياة"[2]

لسان العرب میں ابن منظور نے لکھا ہے:

عش العيش: الحياة، عاش، يعيش، عيشا وعيشة ومعيشا، المعاش والمعيش والمعيشة: ما يعاش به جمع المعيشة : معاش على القياس، معائش على غير قياس، وقد قرى بهما قوله تعالي: ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾[3]

مصباح اللغات کے مرتب نے معیشت کے درج ذیل معنی بیان کیے ہیں:

المعاش والمعيشة کھانے پینے کی جس چیز سے زندگی بسر ہو سکے، کو کہتے ہیں۔

زندگی کا ذریعہ معاش زندگی کے گزران کے ڈھونڈنے کا وقت یا زمانہ۔[4]

Urdu, English Dictionary میں معیشت کا مطلب یہ بیان ہوا ہے:

"Subsistence, Livelihood, Living, way of life, Daily Food"[5]

القاموس العصری کا مؤلف ''معیشت'' کو ان الفاظ سے واضح کرتا ہے:

وجود (بقا) قوام۔ معاش۔ Subsistence [6]

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے معیشت کے یہ معنی بیان کیے:

---

① فرہنگ آصفہ از سید احمد خان صاحب: 4 / 368

② المنجد از لوئیس معلوف: ص 567

③ لسان العرب از ابن منظور: 2 / 321 ، 322

④ مصباح اللغات از عبد الحفیظ بلیاوی: ص 587

⑤ Urdu, English Dictionary, P: 718

⑥ القاموس العصری از الیاس انطون: ص 705

"ویشتق منه المعیشة لما یتعیش منه"

العیش سے لفظ المعیشة ہے جس کے معنی ہیں سامان زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔[1]

فیروز اللغات میں معیشت کی معنی ان الفاظ میں بیان ہوئے:

معیشت زندگی، زندگانی، زیست، حیات، عیش، روزگار، روزی۔[2]

قرآن اور معاش

قرآن پاک میں بھی لفظ "معاش" لغوی معنوں میں روزی اور ذریعہ زندگی کے مفہوم کے طور پر آیا ہے چنانچہ فرمایا:

﴿فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾[3]

وہ دل پسند عیش میں ہو گا۔

﴿وَجَعَلْنَا ٱلنَّهَارَ مَعَاشًا﴾[4]

ہم نے دن کو معاش کا وقت مقرر کیا۔

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾[5]

کہ جو میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾[6]

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا﴾[7]

اور ہم نے بہت سی بستیاں ہلاک کیں کہ اتراتی تھیں اپنی معیشت پر۔

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا﴾[8]

ہم نے ان کی معیشت کو ان کی دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا۔

---

① مفردات القرآن از امام راغب اصفہانی: ص656
② فیروز اللغات از الحاج مولوی فیروز الدین:1266
③ سورة القارعة، 101 : 7
④ سورة النبأ، 78 : 11
⑤ سورة طه، 20 : 124
⑥ سورة الأعراف، 7 : 10
⑦ سورة القصص، 58 : 228
⑧ سورة الزخرف، 43 : 32

لفظ معاشیات کی اصطلاحی تعریف

معاشیات کو انگریزی زبان میں Economics کہتے ہیں جس کا مادہ ایک لاطینی لفظ Oiko nomos ہے اور فرانسیسی زبان میں Politique Economics کہا جاتا ہے۔

اصطلاحاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ علم معاشیات وہ علم ہے جس میں انسان کے اس خاص طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو محدود ذرائع کی مدد سے لا محدود خواہشات کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ "Encyclopedia of social sciences" میں معاشیات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"Economic deals with a social phenomenon centering about the provision for the material needs of an individual and of the organized group." [1]

David Hayman اپنی کتاب Economics میں معیشت کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

Economics is concerned with the use of available productive resources in a society satisfy what often are conflicting desires and demands.[2]

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں Economics کی توضیح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

Economics, social, science that seeks of analyze and describes the production, distribution and consumption of wealth.[3]

معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے پڑتا ہے جو ایک فرد سے لے کر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔

یہ لفظ جدید ساخت کا ہے اس پر جدت اور عجمیت کی چھاپ بھی موجود ہے یہ اس علم و فن پر بولا جاتا ہے جن کا تعلق ان ذرائع پیداوار سے ہے جن پر انسان کی معاشی فلاح و بہبود موقوف ہے۔

معاش یا قرآن کی اصطلاح میں رزق بلاشبہ زندگی کا مقصد بہر حال نہیں لہذا جب تک پہلے خود مقصد معلوم و متعین نہ ہو لے۔ اس کے مناسب و موافق کسی ذریعہ یا وسیلہ کا تعین کیسے ہو گا۔ زندگی کا جو مقصد ہو گا اسی اعتبار سے تو ذرائع و وسائل کی نوعیت و حیثیت اور اہمیت کا فیصلہ ہو گا اور جہاں کہیں وسیلہ نفس وسیلہ کی حیثیت سے باہر قدم نکالے گا یا اصل مقصد میں معاون ہونے کی جگہ مزاحم ہونے لگے گا وہیں اس کو روک دینا پڑے گا۔[4]

چنانچہ معیشت سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسانی زندگی کا لازمی جز ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقاء کا انحصار ہے اس میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جن سے انسان زندگی بسر کرتا ہے اس کے علاوہ اس کو وسیلہ زندگی بھی کہہ سکتے ہیں۔

---

① Encyclopedia of social sciences .p:168

② Economics David n. Hayman .P:10

③ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا: 4 / 358

④ تجدید معاشیات از عبد الباری: ص 17

مسلم مفکرین کی آراء میں معاشیات کی تعریف

ابو الحسن علی بن محمد الماوردی رحمہ اللہ (م450ھ) نے اپنی کتاب میں معاشیات پر ہی بحث کی ہے مال چونکہ علم معاشیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مال کو علم معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ معاشیات میں اس کی تشریح و توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والأموال ضربان: ظاهرة وباطنة. فاالظاهرة: ما لا يمكن إخفاءه كالزّرع والثمار والمواشي. والباطنة: ما أمكن اخفائه من الذّهب والفضة وعروض التجارة."[1]

مال کی دو قسمیں ہیں: اموال ظاہر اور اموال باطنہ: اموال ظاہرہ سے مراد ہے وہ مال جس کو چھپایا نہ جا سکے جیسے کھیتی، پھل، اور مویشی وغیرہ اور اموال باطنہ سے وہ مال مراد ہے جنہیں چھپایا جا سکے جیسے سونا، چاندی اور سامان تجارت وغیرہ۔

اموال کے بارے میں دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:

"لأن الله تبارك وتعالى جعلها قواما الأبدان، وتلوا لأنفس، وسببا لبقاء الأجسام، وحياة للبشر، وآلة يطلب المعاني، وأداة لنسل الأماني، زينة للحياة الدنيا، وطريقا إلى النجاة في الأخرة والأولى."[2]

(مال کی بحث کرنا اس لیے ضروری ہے) کیونکہ اللہ تعالی نے ان (اموال) کو بدنوں کے لئے قوام (انہیں قائم رکھنے والا)، جسموں اور جانوں کی بقاء اور انسانی زندگی (کی بقاء) کا سبب بنایا ہے۔ (اس کے علاوہ) عظمتوں کے حصول کا ذریعہ (جائز) خواہشات کی تکمیل کا سامان، دنیاوی زندگی کی زینت اور دنیا و آخرت میں نجات کا راستہ (بھی اموال کو) بنایا ہے۔

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اموال کے احکام جاننے کا نام علم معاشیات ہے۔

معاشیات کی تعریف و تشریح کرتے ہوئے امام غزالی رحمہ اللہ (505ھ) لکھتے ہیں:

دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔[3]

اس کے علاوہ اسی عنوان کے تحت انہوں نے کمانے کی فضیلت، معاملات کی درستگی، معاملات میں تجارت میں عدل سے کام لینا۔ تجارت میں احسان اور نیکی سے پیش آنا وغیرہ، پر بھی بحث کی ہے۔

ابن خلدون رحمہ اللہ (808 ھ) معاشیات کی درج ذیل تعریف کرتے ہیں:

"إن المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعي في تحصيله"[4]

معاش رزق ڈھونڈنے اور حاصل کرنے کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے۔

---

① الأحكام السطانية للماوردي: ص 203

② نصيحة الملوك للماوردي : ص 409

③ کیمیائے سعادت از امام غزالی: ص266

④ كتاب العبر، ديوان المبتداء والخبر (المقدمہ) از ابن خلدون: 1 / 364

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (1114 - 1176ھ) علم معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هو الحكمة الباحثة عن كيفيه إقامة المعادلات والمعاونات والاكساب علي الإرتفاق الثاني"[1]

ارتفاق ثانی کے باب میں افراد معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت وآمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے۔

نور محمد غفاری کے مطابق:

معاشیات ان وسائل کے علم کا نام ہے جنہیں انسان اس (مال یا معاش یا ذرائع معاش) سے استفادہ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ جس میں (اللہ کریم کی طرف سے) امین و نگران بنایا گیا ہے۔ تاکہ اس طرح شریعت کے مقررہ نہج (طریقہ) کے مطابق فرد اور معاشرہ کی (معاشی) حاجات کی تکمیل ہو۔[2]

اسلامی معیشت سے مراد کسب دولت اور تقسیم و صرف دولت کی سرگرمیوں کو ان اعتقادی و اخلاقی پابندیوں کے ساتھ چلانے کے لئے علم و عمل کا نام ہے جو انسان کے خالق و مالک نے دین حق میں معین کر دی ہیں۔[3]

دور جدید میں اقتصادیات سے مراد بھی مالی اور معاشی امور لیے جاتے ہیں لہذا اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد وہ علم ہو گا جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے۔

المعجم الاقتصادی الإسلامي میں علم الاقتصاد (معاشیات) کی درج ذیل تعریف بیان کی گئی ہے:

" الاقتصاد: علم يبحث في كل يتعلق بالثروة والمال والكنسب والتملك والإنفاق.

والاقتصاد يبحث أيضا في مسائل الإنتاج والتستمثار ومسائل التنتفاع والخدمات ومسائل الغنى والفقر"[4]

علم اقتصاد ہر اس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال و زر، رزق کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اور علم الاقتصاد پیداوار اور مال بڑھانے کے مسائل، نفع حاصل کرنے اور خدمات فراہم کرنے کے مسائل اور غناء و فقر کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔

غیر مسلم مفکرین کی آراء میں معاشیات

مسلم مفکرین کی علم معاش کی طرف قابل قدر توجہ کے علاوہ غیر مسلم مفکرین نے بھی علم معاشیات کو متعارف کرانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں خصوصاً مغرب میں اس علم کا اجراء ایڈم سمتھ (1790 - 1223) نے کیا اور غالباً پہلی بار معاشیات کو بطور

---

① حجۃ اللہ البالغۃ از شاہ ولی اللہ: 1 / 43

② اسلام کا معاشی نظام از ڈاکٹر غفاری، نور محمد: ص25

③ جماعت اسلامی پاکستان، موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت: ص23

④ المعجم الاقتصادي الإسلامي لأحمد شرباجي: ص 36

علم متعارف کرانے کا سہرا ابھی انہی کے سر ہے ان کے ساتھ ساتھ دیگر اہل قلم نے بھی معاشیات پر لکھا۔

آسانی کے لئے ہم انہیں تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

کلاسیکی مکتب فکر (Classical School of thought)

نو کلاسیکی مکتب فکر (Neo Classical School of thought)

جدید مکتب فکر (Modern School of Thought)

کلاسیکی مکتب فکر میں ایڈم سمتھ (Adam Smith 1723-1790) کا نام سر فہرست ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں بابائے معاشیات (Father of Political Economy) اور اکنامکس کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کا پہلا کام دولت اقوام (Wealth of Nations) 1776ء میں منظر عام پر آیا۔ اپنی شہرہ آفاق کتاب "An Enquiry in the Nature and causes of the wealth of Nations" میں معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں:

معاشیات دولت کا علم ہے۔ "Economics is a Study of Wealth"[1]

ان کی نظر میں معاشیات ایک ایسا علم ہے جو پیدائش دولت، صرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت سے بحث کرتا ہے۔

ایڈم سمتھ (Adam smith 1723-1790) کے ہم خیال معیشت دانوں میں جرمی بینتھم (Jeremy Bantham 1748-1834)، ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo 1772-1823) جے بی سے (J.B.Say 1767- 1832)، جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill 1806-1873)، ایلے (Elley)، فرانس اے واکر (Francis A.Waker)، فاسٹ (Fawcet)، والرس (Walrus)، چمپین (Chapman)، این ڈبلیو سینئر (N.W. Senior) وغیرہ شامل ہیں۔

نو کلاسیکی مکتب فکر (Neo Classical School of thought) میں الفریڈ مارشل (Alfred Marshall 1842-1924) نے ایڈم سمتھ (Adam Smith 1723- 1790) کی بیان کردہ تعریف معاشیات پر تنقید کی اور اسے ایک شیطانی علم (Dismal Science) اور دولت پرستی کا علم (Mammon Worship) قرار دیا اور اس کو ایک نئی جہت بخشی۔ انہوں نے معاشیات کی از سر نو یوں تعریف کی:

Economics is a study of man's action in the ordinary business of life; it equerries how he gets his income and how he uses it.

"It examines that part of individual and social action which is most closely connected with the attainment and with the use of material requisites of well-being.

"Thus economics is on one side a study of wealth, and on the other, and

---

① Economic, Twining Hardly, P.10

more important side, a part of the study of man." [1]

معاشیات میں انسان کی ان سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے اس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور اسے کس طرح خرچ کرتا ہے یہ علم انسانی کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے ضامن مادی لوازمات کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں پس معاشیات ایک طرف تو دولت کا علم ہے اور دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی۔

علم معاشیات کے میدان میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ تحقیقی کام میں Economics of Industry جو 1879ء میں چھپی، principle of Economics جو 1890ء میں، Industry and trade 1919ء میں اور Credit and commerce، Money جو 1924ء میں منظر عام پر آئی، اہم کتب ہیں۔

الفریڈ مارشل (Alfred Marshall) کے ہم خیال ماہرین معاشیات میں پیگو (Pigou)، کینن (Connon)، بیورتج (Beveridge)، کونٹ ویکسل (Knut Wicksell)، جے بی کلارک (J.B. Clark)، ٹازگ (Taussig) اورونگ فشر (Irving Fisher) وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

دور جدید (Modren School of thought) کے ماہرین معاشیات کا نقطہ نظر بیان کرنے میں لائنیل رابنز (Leonel Robins) پیش پیش ہیں۔ ان کا تعلق لندن سکول آف اکنامکس (London School of Economics) سے ہے ان کی معروف کتاب Nature and Significance of Economics جو 1932ء میں شائع ہوئی، نے معاشیات کو سمجھنے کے لئے ایک نئی راہ دکھائی۔

پروفیسر رابنز (Robbins) نے الفریڈ مارشل (Alfred Marshall) کی معاشیات کے بارے میں رائے پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس تعریف سے معاشیات کے علم کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے کیونکہ اس تعریف میں صرف وہی انسانی اعمال کو بحث میں لایا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے مادی پہلوؤں سے ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ تصور فلاح بھی ناقابل پیمائش ہے چنانچہ رابنز (Robbins) نے معاشیات کی از سر نو تعریف کرتے ہوئے لکھا:

معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتی ہے جو خواہشات کے بے شمار ہونے اور ذرائع کے محدود ہونے کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ یہ ذرائع متبادل مقاصد کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔ [2]

رابنز (Robbins) نے اپنی تعریف کی بنیاد انسانی زندگی کی مندرجہ ذیل حقیقتوں پر رکھی ہے:

- انسانی خواہشات لامحدود ہوتی ہے۔
- ان خواہشات میں سے بعض بہت اہم اور بعض کم اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔
- انسان محدود ذرائع کا مالک ہوتا ہے۔
- تمام ذرائع مثلاً روپیہ پیسہ وغیرہ مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔

---

(1) Economics By Jinanson, p.6

(2) Ibid, p.7

اگر چہ رابنز (Robbins) کی تعریف واضح اور جامع ہے اور جدید ماہرین اقتصادیات اسی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ بھی بالکل درست ہے کہ ابھی تک معاشیات کی کوئی قطعی اور حتمی تعریف کا تعین نہیں ہو سکا۔ اسی بات کی طرف جارج برنارڈشا (George Bernard Shaw) نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

> اگر آپ تمام دنیا کے معیشت دانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں اور درجہ بدرجہ ان کا مطالعہ کریں تو ان میں سے کوئی بھی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے گا۔

رابنز (Robbins) کے ساتھ ساتھ کینز (Keynes)، ملر (Miller)، ارما ایڈلمین وغیرہ نے اپنی کاوشوں سے علم معاشیات کو آگے بڑھایا۔ تحقیق و تجسس سے اس کی نت نئی جہات، پس منظر، معانی ومفاہیم اور مختلف اطلاقی پہلوؤں (Applied sides) کو روشناس کرایا۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشیات اپنی پوری افادیت کے ساتھ معیشت، معاشرت، سیاست وسیادت کا اہم حصہ بن گئی ہے۔

معاشیات کا آغاز اور تقاء

اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے ہمارے گردو پیش میں پھیلی ہوئی وسیع وعریض کائنات کو تخلیق کیا۔ اس کی ہواؤں، فضاؤں، سمندروں اور زمینوں کو وسائل وحیات سے مامور کر دیا اور ان سے اپنی ان گنت مخلوقات کی رزق رسانی کا اہتمام فرمایا اور اسی نے اپنی تخلیق کے شاہکار انسان کو احسن تقویم پیدا کیا۔ اور پھر اسے قلت وکمیابی سے دوچار کر دیا اور کائنات کی ہر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا اور اسے اس کی فیض رسانی میں لگا دیا لہٰذا انسان کا معاشی مسئلہ روئے زمین پر اس کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آگیا اور پھر انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منزلیں طے کرتا گیا۔

1. معیشت فطری ضرورت ہے

انسان کی تخلیق کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی خواہشات اور حاجات میں گھرا ہوا ہے اور تادم زیست ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پائے گا۔ جس دن سے انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا ہے اسی دن سے بھوک مٹانے اور پیاس بجھانے کے لئے اشیاء خورد ونوش کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

2. انسان کی معاشی جدوجہد کا آغاز

ابتداء میں انسان نے غاروں کو اپنا مسکن بنایا، جنگلی جانوروں کے شکار نیز جڑی بوٹیوں، درختوں کے پتے اور پھلوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔ پھر آبادی آہستہ آہستہ بڑھی تو دریاؤں اور چراگاہوں میں خیمہ زن ہوا اور پھر جانوروں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے انہیں پال کر ان سے گوشت، دودھ اور کھالیں حاصل کرتا رہا۔ پھر دیہات کی بنیاد پڑی، پیشوں کی تقسیم ہوئی، کھڈیوں اور دستکاریوں کا دور آیا اور پھر شہر آباد ہوئے۔

3. انسانی حاجات میں اضافہ اور سائنسی ترقی

سائنس نے ترقی کی، ایجادات اور دریافتیں ہوئی، انسان جب مشینی دور میں داخل ہوا تو اس کی حاجات اور بڑھ گئیں اس نے اپنی

زندگی کو رنگین سے رنگین بنانے کے لئے سہولیات کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کی بھاگ دوڑ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس کائنات میں ایک بھی انسان کا وجود باقی ہے۔

دورِ جدید میں علم معاشیات کی ضرورت واہمیت

(Need and importance of Economics in Modern age)

عصر حاضر میں معیشت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح آج کا دور معیشت کا دور بلکہ نظامہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی وسائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تند و تیزی کر دیا ہے۔

اس علم کا تعلق ہماری روز مرہ زندگی سے ہے۔ اس لیے ایک کامیاب شہری بننے کے لئے اس علم کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس علم کے مطالعہ سے صنعت و حرفت اور تجارت کے معاملات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ٹیکسوں کے نظام کو سمجھنے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ معاشرہ میں منصفانہ تقسیم دولت کے لئے اسلامی معاشیات ناگزیر ہے۔

آمدنی اور خرچ میں توازن قائم رکھنے کے لئے اسلامی معیشت کا مطالعہ مفید ہے۔ اسلامی معاشیات میں فضول خرچی اور بخل دو انتہائی رویے ہیں اور بہترین راہ اعتدال کی ہے جس کی صحیح رہنمائی اور نشاندہی اسلامی معاشیات ہی کرتی ہے۔

اسلامی معاشیات فلاحی پہلو کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اس لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

بین الاقوامی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے معاملات کو جاننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

اسلامی معاشیات کی روشنی میں جدید دنیا کے تمام معاشی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔

علم معاشیات کا مطالعہ اپنے اندر متعدد فوائد لیے ہوئے ہے۔ انہی فوائد کو یہ علم اجاگر کرتا ہے جس سے اس کی ضرورت واہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس علم سے مندرجہ ذیل علمی و عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

1. ذہنی تعمیر و ترقی میں مدد

معاشیات کا مطالعہ معاشی مسائل پر غور و فکر کرنے، ان کا تجزیہ کرنے اور ان سے اہم نتائج اخذ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے ذہن میں تجسس و تحقیق کا مادہ پیدا ہوتا ہے جو ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اس کی تعمیر و ترقی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

2. تعمیری اور ٹھوس انداز فکر کے لئے راہنمائی

کسی شخص کی تعلیم معاشیات کا علم حاصل کیے بغیر ناممکن ہے۔ روز مرہ کے عام واقعات سے لے کر قومی اور بین الاقوامی مسائل تک کا معاشیات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگر کہا جائے کہ دور حاضر میں معاشیات تمام قوموں کا مشترکہ مذہب بن کر رہ گیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اگر کوئی معاشی تبدیلی رونما ہو جائے تو پوری دنیا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، چنانچہ معاشیات کا مطالعہ تعمیری اور ٹھوس انداز فکر میں راہنمائی کرتا ہے۔

3. خطرات سے آگاہی

معاشیات کے علم سے آگاہی کی بدولت انسان اپنی معاشی سرگرمی شروع کرنے سے قبل ہی اس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ اس کاروبار میں اس کو کیا کیا نقصان ہو سکتے ہیں اور ان نقصانات سے بچنے کی تدابیر وہ کیسے کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ان فوائد کے بارے میں کافی حد تک درست اندازہ کر سکتا ہے جو اس کی سرمایہ کاری کے بعد حاصل ہوں گے۔

4. وسائل کا بہترین استعمال

اسی علم کی بدولت ہم وسائل کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم اپنے مقاصد کو کس طرح کم خرچ پر اور تھوڑے وسائل سے استعمال کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ گویا یہ انسان کو وسائل کا بہترین استعمال کرنا سکھاتا ہے۔ اس علم کی بدولت صارفین اپنی محدود آمدنی کو مختلف اشیاء وخدمات پر خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ منافع وفوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

5. ذمہ دار اور باشعور شہری کی تخلیق

موجودہ دور کے شہریوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا حلقہ ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ آج کا شہری اپنے فرائض بخوبی سر انجام دینے کے قابل نہیں بن سکتا تاوقتیکہ وہ ملک کے معاشی مسائل کی نوعیت کو جاننے اور ان کو حل کرنے کے اصول اور طریقوں سے واقف نہ ہو۔ مثلاً آج تقریباً ہر ملک معاشی منصوبہ بندی، معاشی بحران، کساد بازاری، افراط زر، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ، بجٹ کی تیاری، بے روزگاری اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے مسائل سے دوچار ہے اور یہ مسائل اس وقت حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ حکومت کے علاوہ عام شہری بھی ان کی نوعیت واہمیت سے باخبر نہ ہوں۔

6. حکومت کی راہنمائی

معاشیات کا مطالعہ حکومت کے لئے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ حکومت اس علم کے اصولوں کی روشنی میں ٹیکسوں کا نظام مرتب کرتی ہے، نئے ٹیکس عائد کرتی ہے، درآمدی وبرآمدی تجارت کی پالیسی کو وضع کرتی ہے، نظام زر کو چلاتی ہے، اسی طرح بعض قومی اہمیت کی حامل صنعتوں کو اپنی تحویل میں لیتی ہے نیز افراط زر اور تفریط زر کے مسائل کو حل کرنے میں مدد لیتی ہے۔ غرضیکہ حکومت کو تمام تر معاشی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے لئے علم معاشیات کے اصولوں کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔

7. سیاسی لیڈروں کی راہنمائی

معاشیات کے علم کے بغیر سیاسی لیڈر بھی اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکتے کیونکہ سیاسی استحکام اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک کا معاشی نظام مستحکم نہ ہو۔ ماضی کے بڑے بڑے سیاسی انقلابات اس بات کے گواہ ہیں کہ جس حکومت نے بھی معاشی مسائل کی طرف توجہ نہ دی عوام نے اس کا تختہ الٹ دیا اور موجودہ دور میں بھی مضبوط سیاسی راہنما وہی ہو سکتا ہے جو سیاسی سمجھ بوجھ کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل کی نوعیت کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی اہلیت سے بہرہ ور ہو۔

8. باہمی ہم آہنگی

اس علم کی بدولت کاروباری افراد میں ہم آہنگی پیدا ہو گی۔ یہ کاروباری افراد میں ہی نہیں بلکہ ممالک کے مابین بھی ہم آہنگی کا ذریعہ بنے گا اور ان کو شعور ہو گا کہ جس طرح ایک فرد دوسرے کاروباری افراد سے تعلق قائم کیے بغیر ترقی نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح کوئی ایک ملک دوسرے ملک سے کٹ کر اپنی معاشی حالت کو بہتر طور پر قائم نہیں رکھ سکتا۔

9. مزدوروں کی راہنمائی

اس علم کی بدولت مزدور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے بہترین اقدامات کر سکتے ہیں اور وہ اپنی مختلف Trade Unions کا قیام عمل میں لا سکتے ہیں اور اپنی کی گئی محنت کا معقول معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں۔

10. افلاس و غربت سے نجات

افلاس و غربت سے نجات کی بڑی وجہ ملکی ذرائع و وسائل کے مقابلے میں ضروریات کا زائد ہونا ہے۔ اسی صورت حال پر قابو پانے کے لئے معاشیات کے اصول و ضوابط بڑی مدد کرتے ہیں اور اسی طرح ضروریات کا پلڑا وسائل کے برابر لا کر افلاس و غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔

11. دولت کی مساویانہ تقسیم

ملکی سالمیت و استحکام کا ضامن صرف ایسا معاشی نظام ہو سکتا ہے جس میں ہر طبقہ کو بلا امتیاز معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور ملکی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی بجائے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچ جائے اور دولت کی اس تقسیم کے لئے معاشیات کے اصول بہترین راہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

12. سرمایہ اور محنت میں توازن

سرمایہ اور محنت میں توازن برقرار رکھنا کسی بھی ملک کے معاشی استحکام و ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر سرمایہ اور محنت میں توازن برقرار نہ رہ پائے تو ملکی معیشت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔ ان دونوں میں توازن علم معاشیات کے اصولوں کی بدولت ہی قائم رہ سکتا ہے۔ گویا ان دونوں میں توازن کو قائم رکھنے کے لئے علم معاشیات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

13. بین الاقوامی معیشت سے واقفیت

اس علم کی بدولت بین الاقوامی معیشت سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی بین الاقوامی معیشت کے تجربات سے ہم فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ علم معاشیات سے ہی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے دنیا کے تمام کاروبار سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

14. اصول و نظریات سے واقفیت

معاشیات کا علم اصول و ضوابط اور نظریات کے متعلق واقفیت دلاتا ہے۔ یہ اصول و نظریات کاروباری دنیا میں ترقی کرنے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ اگر انہی اصول و نظریات کو مدنظر رکھ کر کاروبار چلایا جائے تو یقینی طور پر فائدہ اور ترقی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام بحیثیت ایک مکمل دین اور جامع نظام حیات ہونے کے جس طرح زندگی کے دوسرے تقاضوں اور تمدن و معاشرت کے شعبوں کے لئے اپنے مخصوص عقائد و مقاصد کے مطابق مستقل اصول و احکام کا بنیادی نقشہ فراہم کرتا ہے۔اسی طرح اس کے معاشی مسئلے کو بھی پوری اہمیت دیتے ہوئے اس کے لئے جداگانہ فلسفہ، ایک امتیازی نقطہ نظر اور مخصوص نوعیت کے قوانین و ضوابط اور اصول و حدود کا مکمل نقشہ کا (Blue Print) انسانیت کے سامنے رکھا ہے۔[1]

اسلام فرد کے لئے معاشی سرگرمیوں کو ضروری اور واجب قرار دیتے ہوئے پوری زمین کو انسان کے لئے میدان عمل قرار دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنَّٰكُمْ فِي ٱلْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَٰيِشَ ﴾[2]

اسلام بطور مکمل دین فرد کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ کیسے جائز اور مثبت سرگرمی کو اختیار کرے، ہر منفی معاشی جدوجہد کی بیخ کنی کے لئے اسلام سختی سے زور دیتا ہے کسب حلال اسلام کے معاشی نظام کی بنیادی شرط ہے خود نبی ﷺ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ»[3]

کہ حلال کمائی کا طلب کرنا فرض کے بعد فرض ہے۔

تلاش معاش میں سرگردانی کا سبب وسائل کی کمیابی نہیں۔بلکہ یہ معیشت ایزدی کی کارفرمائی ہے اس میں انسان کی آزمائش ہے کہ وسائل زیست کے حصول کی جدوجہد میں کون اپنے مالک کی رضا اور ہدایت کو ملحوظ رکھ کر ابدی و دائمی راحتوں کو اپنا نصیب بناتا ہے۔

Campbel R.MC. Conell اپنی کتاب Economics میں معیشت کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

Economics help comrumers and workers make better buying and employment decision. How can you spend your limited money income to maximize your satisfaction? Your study of economics will help you as a voting citizen as well as benefit you professionally and personally.[4]

بقول مولانا مودودی رحمہ اللہ:

معاشیات کی خانگی اہمیت واضح ہے ایک انسان کے ذرائع واضح طور پر محدود ہوتے ہیں جبکہ اس کی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں۔ لازم ہوگا کہ وہ مقاصد کے حصول کے لئے ان ذرائع کو اس طرح استعمال کرے کہ ان سے اس کو زیادہ سے زیادہ مقاصد حاصل ہو سکیں۔اور اس کی شخصی و خانگی فلاح و سعادت کا حصول ممکن ہو۔[5]

معیشت کی اہمیت صرف اس احساس کی پیداوار نہیں ہے کہ ایک فرد کے لئے معاشی آزادی کے بغیر سیاسی، اور معاشرتی آزادی

---

① جماعت اسلامی، پاکستان، موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت و معیشت: ص 22

② سورة الأعراف، 7 : 10

③ کنوز الدقائق (قلندی) از شیخ عبد الرؤوف مناوی: ص 81

④ Economics By Campbell R.MC Conell, P.5

⑤ معاشیات اسلام از ابو الاعلیٰ مودودی: ص 57

بے معنی ہو جاتی ہے، معاشرے کے لئے معاشی انصاف کے بغیر سکون و سلامتی و یک جہتی کا حصول ناممکن رہتا ہے اور قوموں کے لئے معاشی استحکام کے بغیر سیاسی آزادی کو بھی بر قرار رکھنا محال ہو جاتا ہے۔ بلکہ انسان اس حقیقت کے شعور پر بھی بے چین اور مضطرب ہے کہ دنیا میں دولت کی فراوانی، وسائل پیداوار، محیر العقول ترقی اور بے مثال معاشی ارتقاء کے باوجود غربت افلاس، بے روزگاری اور معاشی و معاشرتی ظلم کا دور دورہ ہے آج بھی انسانی آبادی کا 80 فیصد حصہ نان و شبینہ کا محتاج ہے افلاس و نکبت اس کا اوڑنا بچھونا ہے اس کے پاس نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے نہ بدن چھپانے کو لباس اور نہ سر ڈھانپنے کو معقول مسکن۔ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور تمام تر ترقی کے باوجود ہم مجموعی خوشحالی سے کیوں محروم ہیں۔ معاشی ترقی و خوشحالی کا مفہوم یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ محض پیدا وار میں اضافہ ہو جائے، معاشی خوشحالی کا اصل مفہوم ایک بہتر اور خوشحال معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہے۔[1]

بنیادی حق المعاش کیا ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا بنیادی حق المعاش کیا ہے؟ جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کے ذمہ دار افراد یعنی مردوں پر ہوگی۔ حدیث مبارکہ ہے:

« لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَي هَذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ ».[2]

ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (یعنی یہ بنیادی حق معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آجائے اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حق معیشت (ضروریات زندگی) سے زیادہ کو اپنا حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کر کے بھی حق معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہر گز قابل قبول نہیں ہے۔ مزید بر آں مال و اسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے جسے ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہیے۔

گھر کی سلطنت میں معاشی حقوق و فرائض

گھر کی سلطنت کے معاشی میدان میں اسلام نے اصل ذمہ دار مرد کو بنایا ہے۔ اور عورت کو اس کا تابع رکھ کر گھریلو ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔ البتہ معاشی ترقّی میں مرد و عورت کا حصّہ مساوی رکھا ہے۔ دونوں کو اپنی محنت کے معاوضے پر مساوی معاشی حقوق دیئے ہیں۔

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُواْ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ﴾[3]

---

① اسلامی نظریہ حیات از ڈاکٹر خورشید احمد: ص 446

② جامع الترمذي: كتاب الزّهد، باب منه، 2263

③ سورة النساء، 4 : 32

معاشی ترقی کے دور میں معاشی ذرائع سے استفادہ کا حق نسل انسانی کی کسی خاص صنف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مردوں عورتوں دونوں کے لئے یہ میدان کھلا ہے لیکن عورت کی معاشی ذمہ داریاں اگر اس کی گھریلو ذمہ داری کو متاثر کریں تو عورت کو اپنی توجہ کا مرکز گھر کو بنانا چاہیے کیونکہ عورت اگر ملازمت کرتی ہے تو اسے پابندی کے ساتھ گھر سے باہر رہ کر اپنے باس کی یا اپنے آفس کی سیوا اور خدمت کرنی پڑے گی جس سے اس کی گھریلو ذمہ داری لازمی متاثر ہو گی۔

اسلامی معاشرے میں اگرچہ عورت کو کسب معاش کی ذمہ داری سے مبرا اقرار دیا گیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دور جدید میں جبکہ معاشرتی اقدار تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور ذرائع ابلاغ کے مؤثر کردار کی وجہ سے مسلمان عورت مغربی دنیا کی تبدیلیوں سے ناواقف بھی نہیں تو ہم کہاں تک اس کو روایتی طرز زندگی اپنانے پر امادہ کر سکتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ آج عورت کی آزادی کو جانچنے کے پیمانے بدل گئے ہیں ایک عام تاثر یہی ہے کہ اگر عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر ملازمت اختیار کرتی ہے تو وہ آزاد ہے ورنہ وہ پابند اور ستم زدہ ہے دوسری طرف اس کی گھر کی مصروفیات کو کم تر قرار دیتے ہوئے اس پر یہ دباؤ بھی رکھا جا رہا ہے کہ وہی عورت عزت اور مساویانہ حقوق کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتی ہے جو معاش کے میدان میں مرد کے ساتھ شریک عمل ہے۔

2

فصلِ دوم

مختلف مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق

مختلف مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق

مذہب معاشی سرگرمیوں کے لیے اہم ترین ادارے کی حیثیت رکھتا ہے ہر مذہب کے بعض اصول معاشی سرگرمی کو تیز بنانے کا باعث بنتے ہیں اور بعض مذہبی اقدار معاشی ترقی کے عمل کو سست کر دیتے ہیں جس معاشرے میں دولت کو سماجی وقار حاصل کرنے کا اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہو وہاں لوگ زیادہ سے زیادہ محنت کرینگے اور معاشی طور پر مضبوط ہونگے اگر معاشرے میں مذہب مادہ پرستی کی بجائے روحانیت کو زیادہ اہمیت دیتا ہو تو ان حالات میں لوگ روحانیت کی طرف زیادہ مائل ہونگے۔اس صورت میں معاشی سرگرمیوں کی رفتار کم ہوگی۔ اس طرح بعض اوقات مذہبی خیالات معاشی ترقی،خوشحالی کو بڑھانے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں عمومی طور پر مذہب افراد میں کفایت شعاری، تجربہ، تحقیق کا جذبہ،کاروباری معاملات میں دیانتداری پیدا کر کے معاشی ترقی کے عمل کو تیز بناتا ہے۔غرض جو تعلیمات کسی مذہب کی ہونگی وہی حالت اس متعلقہ معاشرے کی معاشی سرگرمیوں کی بھی ہوگی۔اس بیان کی روشنی میں کہ مذہب معاشی مظبوطی کے لیے اہم ترین ادارے کی حیثیت رکھتا ہے اب ہم اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ دیکھیں گے کہ آیاان مذاہب کا عورتوں کے معاشی حقوق اور معاشی سرگرمیوں کے بارے میں کیانقطہ نگاہ ہے کیونکہ اسلام نہ صرف عورتوں کو معاشی حقوق دیتا ہے بلکہ اس نے اس کے لیے باقاعدہ ایک معاشی نظام بھی دیا ہے چنانچہ یہودیت ،عیسائیت،ہندومت میں عورتوں کے معاشی حقوق کے بارے میں جو نقطہ نگاہ ہے اسکا جائزہ لیا جائیگا۔

ہندومت اور عورت کے معاشی حقوق

ہندومت بھی عیسائیت کی طرح رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے یعنی دنیاوی اشیاء سے عدم استفادہ کی تعلیم اور اپنے آپ کو اذیت دینا تا کہ روحانیت کا بلند درجہ ملے۔ ہندومذہب نے معاشی سرگرمیوں کی حمایت کیا کرنی تھی بلکہ دنیاوی اشیاء سے انسانوں کو متنفر کرنے کی کوشش بھی کیں ہندومت کی ایک قابل ذکر چیز ذات وپات کی شدت ہے اس ذات پات کی شدت نے افراد کی معاشی سرگرمیوں پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔

اس مذہب کے پیروکار اپنے فطری رجحان کی بنا پر کسی پیشے کو اختیار نہیں کر سکتے بلکہ انہیں لازما اپنی ذات کے پیشے سے منسلک ہونا ہوتا ہے۔

یہ مذہب تو مردوں کے لیے کسی آزاد معاشی نظام کی حمایت نہیں کرتا تو عورت انکے نزدیک بہت ہی پست اور حقیر ہے اسکے معاشی حقوق کی بات نا قابل برداشت ہے۔

ہندومذہب میں ایک طرف تو عورت کو حق وراثت سے محروم کیا گیا ہے اور پھر مذہبی تعلیم سے محروم کرنے کے بعد عورت کو خلع اور طلاق جیسے حق بھی نہیں دیے گئے مرد کو عورت پر مکمل طور پر برتری حاصل ہے۔

رسم ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں عورت کو خلع اور وراثت کا بھی کوئی حق نہیں۔دور کے رشتہ دار

تک اس کی جائیداد لے لیں گے لیکن اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا"[1]

ہندوؤں میں مختلف مقامات پر مختلف خواتین اور ذاتوں کے لحاظ سے تقسیم جائیداد کے مختلف طریقے اور اصول ہیں۔ جن میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ عورت کو جائیداد سے یا تو سرے سے محروم رکھا گیا ہے یا پھر مرد سے کم تر حصہ دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کو ہندو معاشرے میں ہمیشہ سے کم تر درجہ دیا گیا ہے اسکو ہر صورت میں محکوم رکھنا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔[2]

دھرم شاستر میں لکھا ہے:

جب پر پوتے تک کوئی اولاد از قسم ذکور موجود ہو تو بیٹی وارث نہیں ہو سکتی کیونکہ جملہ آریہ قوموں میں اولاد ذکور کو اناث پر ترجیح حاصل ہے۔[3]

عورت بجز استری دھن کے کسی کی مالک نہیں ہو سکتی، استری دھن اسکی خاص ملک ہے اور اسکی اجازت کے بغیر شوہر بھی اسکو علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ہندو اولاد ذکور چھوڑ کر نہ جائے تو بیوہ مالک ہوتی ہے لیکن صرف اپنی زندگی تک۔[4]

البتہ عورت کو اپنے باپ کی جائیداد سے اپنی گذر اوقات کے لیے لینے اور غیر شادی شدہ بیٹیوں کو سارے اخراجات لینے کا حق حاصل تھا۔

مزید یہ کہ عورت کو اپنی ضروریات زندگی کے لیے خرچہ ملتا ہے بھائی بہنوں کی شادی کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔

ہندو باپ اپنی بیٹی کی معاشی حالت کو مستحکم کرنے کے لیے اسکی شادی کے موقع پر اسکو جہیز کے طور پر کچھ ساز و سامان دے کر رخصت کرتا ہے وہی اسکے لیے وراثت کی حیثیت رکھتا ہے۔

عورت کی جائیداد کی تقسیم

ہندو قانون کی رو سے عورت جائیداد رکھ سکتی ہے اور اسکی وفات کے بعد اسکی جائیداد اسکے ورثاء میں تقسیم ہوتی ہے۔ ہندو قانون میں عورت کی جائیداد کو Stridhana کہا جاتا ہے اور یہ صرف مخصوص اشیاء پر مشتمل ہوتی ہے۔

k. k. Vaidya نے منو کا اس بارے میں یہ قول نقل کیا ہے۔

According to Manu, STRIDHANA is of the following six kinds; what was given in the presence of the nuptial fire (ADHYAGNI), what was given on the occasion of the bridal procession (ADHYAVAHANIKA), what was given in token of love, (PRITIDATTA), and what was received from a brother, mother or father are considered as the six fold separate property of a married woman.[5]

---

① اسلام کا معاشرتی نظام: ص98

② ہندوستانی سماجیات از جعفر حسن: ص67

③ اسلام کا نظام حیات از خورشید احمد: ص252

④ تمدن ہند از گستاولی بان: ص532

⑤ principles of Hindu law By Vaidya ,K.K, P.199

اگر کوئی کنواری عورت جائیداد رکھتی ہو اور وفات پا جائے تو اسکی جائیداد اسکے بھائیوں، ماں باپ، اور ماں باپ کے وارثوں میں تقسیم ہو گی۔ اور اگر کوئی ہندو لڑکی منگنی کے بعد فوت ہو جائے تو اسکا منگیتر منگنی کی انگوٹھی اور اسکو دیے گئے تحائف واپس لے گا۔(1)

اگر عورت شادی شدہ ہو تو اس کی جائیداد کی تقسیم کی دو صورتیں ہیں:

اگر اس کی اولاد ہو تو جائیداد اولاد اور اسکی نرینہ اولاد کو ملے گی۔ اور اگر اسکی کوئی اولاد نہ ہو تو اسکا خاوند، خاوند کے ورثاء عورت کے خونی رشتہ دار وارث ہونگے اور کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں راجہ وارث ہو گا۔(2)

اگر بیٹا موجود ہو، بیٹے کا بیٹا موجود ہو، اسکا بھی بیٹا موجود ہو پھر بیٹی کو کوئی بھی حصہ نہ ملتا کیونکہ ہندومت میں تو عورت کو خود جائیداد کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح بیوی اور بہن کا نہ تو کوئی رتبہ تھا نہ انہیں حصہ دیا جاتا۔ ماں کو آٹھویں نمبر پر حصہ مل سکتا تھا اگر بیٹا موجود نہ ہو بیٹا کا بیٹا موجود نہ ہو، بیٹی موجود نہ ہو تب ماں کو حصہ مل سکتا تھا۔(3)

ہندومت کے فیاضیانہ قواعد کی رو سے ایک راہبہ چاہے وہ اپنے عقیدہ میں کتنی ہی پختہ ہو اپنے مبتدی دینی بھائیوں کے ماتحت رہتی تھی۔ قدیم کتب قانون میں عورت کی املاک خواہ وہ کسی بھی طبقہ کی ہو ایک شودر کے مساوی رکھی گئی ہے۔

گستاولی بان تمدن ہند میں لکھتے ہیں:

ہندو خاندان میں کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اجتماعی ملک ہے اور کوئی رکن خاندان اسکو بلا اجازت کل ارکان خاندان کے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ خاندان کا بزرگ جائیداد کا انتظام کرتا ہے اور اس کی حکومت خاندان پر پوری طرح ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوتا ہے اور جائیداد مطلق تقسیم نہیں ہوتی۔ خاندان کے کل ارکان اسی طرح اس کی اطاعت کرتے ہیں جس طرح اس کے باپ کی کرتے تھے۔(4)

ہندو قانون میں وراثت کوئی چیز نہیں۔ جائیداد بہت کم ذاتی ہوتی ہے۔ ہندو کے قوانین اصول میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ عورت کو یا تو جائیداد سے سرے سے محروم رکھا گیا ہے یا پھر مرد سے کم تر حصہ دیا گیا ہے۔(5)

عورت کو ہندو معاشرے میں ہمیشہ کم تر درجہ دیا گیا ہے اور اسے ہر صورت محکوم رکھنا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

منوشاستر میں ہے:

عورت کو بچپن میں باپ، جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں بیٹوں کا ماتحت رہنا چاہیے۔(6)

جولی جولیس لکھتی ہے:

The wives and the daughters were without doubt originltly entiteled only to

① principles of Hindu law P.212

② IBID P.214

③ :<<status of women in Islam By Hussain, P.189

④ تمدن ہند، گستاولی بان / مترجم سید علی بلگرامی : ص516

⑤ ہندوستانی سماجیات از جعفر حسینی: ص67

⑥ Hindu law and customs ,Jolly Jolius, P.171

maintenance. The brothers have to provide for the marriage of their sisters in a manner be filling their positions.[1]

یہودیت میں عورت کے معاشی حقوق

مذہب یہودیت میں بھی عورت کو کسی بھی حیثیت سے کوئی بھی مقام و مرتبہ حاصل نہیں تھا عورت ہر لحاظ سے مرد کی دست نگر تھی مرد جب چاہتا اسے کسی بھی معمولی غلطی کی وجہ سے گھر سے باہر نکال دیتا۔ عورتیں مردوں کا اثاثہ خیال کی جاتی تھیں۔ نکاح وطلاق کے موقع پر عورتوں کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ نکاح کے موقع پر کیے جانے والے اخراجات میں عورتوں سے سلوک بہت برا تھا شوہر میں چاہے بے شمار عیوب ہو وہ عورت کو نان ونفقہ دیتا ہو یا بہت ظالمانہ سلوک بھی کرتا ہو۔ عورت کے لیے طلاق کا طلب کرنا جائز نہ تھا وہ اپنی زندگی کے متعلق تمام فیصلوں میں مرد کی پابند تھی وہ گھر کی چار دیواری سے باہر عملاً زندگی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتی تھی گھر میں اسکی حیثیت قیدی کی تھی جسکے لیے تفریح کا تصور بھی غلط تھا۔ یہودی قانون شریعت کے مطابق عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینا تو ایکطرف رہا بلکہ مرد کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ اپنی بیوی پر ہر لحاظ سے بے جا برتری کا دعویٰ دار ہے۔ عورت معمولی سے حق مہر کے علاوہ کسی چیز کی حقدار نہ تھی۔ معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی اس لیے اسکو شوہر کا محکوم رکھا گیا۔ شوہر اسکا حاکم ہے اس کا آقا اور مالک ہے عورت اسکی مملوک ہے۔[2]

یہودی مذہب کی روسے ایک مرد کو ایک عورت پر اسی طرح کامل حقوق ملکیت حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح گھر کی کسی عام چیز پر۔ اسکے لیے جائیداد یا گھر کی کسی دوسری چیز پر ملکیت کے حق کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اگرچہ بعض حالتوں کی استثناء موجود ہے۔[3]

یہودیت کی تعلیم کی روسے لازمی ہے کہ عورت کلیتہً اپنے آپ کو ایک ایسے ذی روح کی طرح سمجھے جسکی باگ دوڑ کاملاً مرد کے ہاتھ اور جسکا حلقہ عمل لازماً گھر کی چار دیواری کے اندر محدود ہو اور اس بارے میں یہودیت کی تعلیم اتنی شدید اور موکد ہے کہ وہ کسی استثنائی صورت میں بھی گھر کی چار دیواری کے باہر کی زندگی میں عملاً کوئی حصہ نہیں لے سکتی گویا اس حصہ زمین میں کاملاً اور سائماً مرد کی اجارہ داری ہے۔ جو عورت کے لیے سرزمین ممنوعہ کا حکم رکھتی ہے لہذا وہ کوئی معاشی کردار نبھانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔

یہودی قانون وراثت کے مطابق:

> بیٹی کا درجہ پوتوں کے بعد آتا ہے اگر کسی میت کا لڑکا نہ ہو تو وراثت پوتے کے لیے ہے اور اگر پوتا بھی نہیں ہے تو اس صورت میں وراثت لڑکی کی ہے۔[4]

یہودی کے ہاں عورت کی حیثیت نوکروں اور غلاموں کی سی ہے ان سب کے ساتھ ان کی سخت برتاؤ کی مثالیں کئی جگہوں

① Hindu law and customs, P. 181

② اسلام اور عورت از عبد القیوم ندوی: ص 25

③ گنتی باب: 27 آیت 8، 9

④ اسلام کا نظام حیات از عبد الوہاب ظہوری: ص 174

پر موجود ہیں۔ بائبل میں ہے:

اگر غلام کے آقا نے اسے ایک بیوی دی اور اس عورت کے بطن سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوں تو بچے اور اس غلام کی بیوی مالک کی ملک ہو جائے گی اور غلام اپنا راستہ لے گا لیکن اگر وہ کہے کہ میں اپنے آقا، اپنی بیوی اور بچوں سے محبت کرتا ہوں تو اس صورت میں وہ اس کو بچوں کے پاس لے جائے اور اس کے کان میں سوا چھید کر اس کو دروازے میں گھسا دے کہ وہ اس طرح ہمیشہ اسکی خدمت کرے۔

یہودیوں کے نظام وراثت کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. میت بیٹا یا بیٹے سب سے پہلے حقدار وراثت تھے اسکے بعد انکی اولاد ذکور۔
2. پھر بیٹی یا بیٹیاں اور پھر انکی اولاد۔ ان میں اولاد ذکور کو ترجیح حاصل ہے۔
3. پھر باپ، بھائی پھر انکی اولاد جس میں اولاد ذکور کو ترجیح حاصل تھی۔
4. بہنیں پھر ان کی اولاد۔
5. دادا، پھر عمام پھر خالات۔
6. پھر اسی طرح انکے بعد کے رشتہ دار۔
7. بعض حالتوں میں بیٹی سے بھائی کی بیٹی مقدم تھی۔
8. اگر میت کے ایک بیٹے کا بیٹا ہو اور اس طرح دوسرے کے بیٹیاں ہوں۔ تو جو بیٹا یا بیٹیاں بہت پہلے فوت ہو چکی ہوں تو میت کا ورثہ بلحاظ فروع تقسیم کیا جاتا تھا یعنی انکو حصہ بلحاظ والدین ملتا تھا۔
9. مذکورہ بالا قاعدے کا لحاظ مورث اعلی کے دوسرے بیٹوں کے سلفی عصبات میں ورثے کی تقسیم کے وقت رکھا جاتا تھا۔
10. ماں بچوں کی وارث نہ تھی۔
11. ولد الزنا کو اگر بیٹا تسلیم کر لیا جاتا تھا تو وہ باقاعدہ نکاح کے بیٹوں کی طرح وارث ہوتا تھا۔
12. ولد الزنا کی وراثت کا اولین حقدار صاحب نطفہ ہوتا تھا اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو ورثہ ریاست کو دیا جاتا تھا۔
13. بیٹوں کو ماں کی وراثت نہیں ملتی تھی۔
14. اخیافی بہنوں اور بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی تھی۔

گویا یہودیوں کے نظام وراثت میں بیٹا ہی اولین حقدار ہے، بیٹوں کی موجودگی میں اور کوئی وراثت کا حقدار نہیں۔ نہ ہی بیٹیاں اور نہ دوسرے رشتہ دار۔

قدیم قانون یہود میں تو بیٹی مطلقاً وراثت کی حقدار نہ تھی بعد میں بیٹوں کی غیر موجودگی میں بیٹیوں کو وراثت کا حقدار قرار دے دیا گیا۔ البتہ باپ کے قانون میں بہنوں کو نفقہ کا حق حاصل تھا جب تک انکی شادی نہیں ہو جاتی۔[1]

لیکن اس سلسلے میں یہ پابندی تھی کہ وہ اپنے باپ کے قبیلے میں شادی کریں تاکہ میراث انکے قبیلے سے باہر نہ جانے پائے

① أحكام التركات والمواريث: ص 16

کتاب مقدس میں درج ہے۔

اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلے میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلے کے کسی خاندان میں بیاہ کرے تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے یوں کسی کی میراث ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کو لازم ہے کہ اپنی اپنی میراث اپنے قبیلوں میں رکھیں۔

یہودی قانون کی رو سے شوہر کی وفات پر بیوی کو اسکے ترکہ میں کوئی حق وراثت حاصل نہ تھا حتی کہ اگر شوہر نے یہ شرط بھی مقرر کی ہو کہ وہ اسکی وارث ہو گی تو یہ شرط باطل ہو جائیگی لیکن بیوی اپنے شوہر کی جائیداد میں سے سامان زندگی حاصل کر سکتی ہے جبکہ اسکے برعکس بیوی کی وفات پر اسکا شوہر اولین وارث قرار دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بیوی کے قریبی رشتہ دار حتی کہ اولاد بھی اسمیں شریک نہ ہوتی تھی خواہ وہ اس سے ہو یا کسی اور شوہر سے۔[1]

یہودی قانون کی رو سے اگر اولاد وفات پا جاتی ہے تو ماں انکی وراثت کی حقدار نہ تھی جبکہ ماں کی وفات پر اسکی میراث اولاد کے لیے تھی اور انکی عدم موجودگی میں دوسرے ورثاء حقدار ہیں۔[2]

لیکن اگر کسی کی بیوی وفات پا جاتی اور اسکے بعد اسکا بھائی یا باپ فوت ہو تا جسکی وراثت کی وہ حقدار ہو۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو اس صورت میں یہ جائیداد خاوند حاصل نہ کر سکتا تھا بلکہ بیوی کی اولاد اگر ہوتی تو اسکو ملتا اور اگر اولاد نہ ہوتی تو وہ جائیداد بیوی کے پدری رشتہ داروں کو ملتی تھی۔

روم اور عورت کے معاشی حقوق

زمانہ سلف میں اہل اتھنس سے زیادہ کوئی قوم تہذیب وشائستہ اور صاحب عقل وہنر نہ تھی ان میں بھی زوجہ مال تجارت قابل الانتقال اور لائق بیع جانی جاتی تھی اور وصیت کے ذریعے بھی اسکا انتقال ہو سکتا تھا اور زوجہ ایک بلا خیال کی جاتی جسکا ہونا انتظام خانہ داری اور افزوئی نسل کے لیے ضروری تھا۔

رومیوں میں سوائے بیاہتا بیوی کے اور سب بیبیاں بڑی خرابی میں مبتلا رہتیں تھیں، وہ کچھ حقوق نہ رکھتی تھیں بلکہ وہ اپنے متلون مزاج شوہروں کی کنیزی کیا کرتی تھیں اور انکی اولاد ناجائز کہلانے کی وجہ سے ترکہ پدری سے بلکل محجوب جانی جاتی تھی۔[3]

رومی قانون وراثت کا اہم پہلو یہ ہے کہ اسلام سے قبل یہ واحد قانون ہے جس میں عورت کے وراثت کے حق کو تسلیم کیا گیا اور بیٹی، بہن، ماں اور بیوی کی حیثیت سے اسکو وراثت میں حصہ دیا گیا۔

قانون روما میں بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ شریک میراث تھیں البتہ شادی شدہ بیٹیاں جو باپ کے اقتدار پدری کے تحت نہ ہوتی تھیں اور اپنے خاوندوں کی ملک نکاح میں ہوتی تھیں محروم الارث تھیں۔

رومائے اولیٰ میں اگر ماں اولاد کے باپ کی ملک نکاح میں ہوتی تو اپنی اولاد کے ترکہ میں بحیثیت عصبہ شامل ہوتی تھی۔ اگر ملک

---

① کتاب مقدس، احبار۔ باب 25،46

② أحكام التركات والمواريث، ص:16

③ جامع الاحکام:2 / 27

نکاح میں نہ ہوتی تھی تو اسکو اپنی اولاد کی میراث کا کوئی حق نہ تھا158 عیسوی میں ماں کو اولاد کی میراث میں تمام عصبات سے پہلے حق میراث ملا۔ البتہ عصبات میں اخوۃ کو ماں پر ترجیح حاصل تھی۔ اس صورت میں اگر ماں آزاد اقتدار پدری ہوتی تھی تو لازمی تھا کہ اولاد کے 4 سے زیادہ افراد نہ ہوں اور زیادہ ہونے کی صورت میں اس کو یہ حیثیت و درجہ نہ حاصل ہوتا تھا۔ پھر اس سے متعلق قانون میراث کی کچھ اصلاح ہوئی جس میں افراد و اولاد کی شرط اڑادی گئی اور اولاد کی عدم موجودگی میں ماں کو باپ کے مساوی حصہ دیا گیا۔

قانون روما کی رو سے بیوی طبقات ورثاء میں شامل نہ تھی تاہم اسکی ضروریات کی تکمیل کے لیے اسکو کچھ حصہ دیا جاتا تھا جسکو dowry کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے البتہ زیادہ مفلوک الحال بیوہ کو خاوند کے ترکے میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

قانون روما میں مردوں کی طرح عورت کی وراثت بھی اسکے ورثاء میں تقسیم ہوتی تھی البتہ ماں اور اولاد میں توارث حرام تھا یہاں تک کہ ماں نے اپنے باپ سے جو مال حاصل کیا ہوتا وہ اسکی وراثت کے بعد ماں کے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں میں تقسیم ہوتا تھا اور اولاد میں تقسیم نہ ہوتا تھا کیونکہ انکا تعلق ایک دوسرے قبیلے سے ہوتا تھا۔

مختصر اًرومی قانون کے مطابق بھی عورت مکمل طور پر مرد رشتہ داروں پر انحصار کرتی تھی شادی کے بعد وہ اور اسکی جائیداد اسکے شوہر کی ملکیت میں چلی جاتی تھی عورت کو شوہر کی زر خرید ملکیت سمجھا جاتا تھا اور وہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری کاموں میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی مجاز نہ تھی۔

عیسائیت (یورپ) میں عورت کے معاشی حقوق

یورپ کے قانون میں اس بات کی گنجائش صدیوں سے رہی کہ مرد کو عورت کی جائیداد پر تصرف کا اختیار ہے اور عورت کے لیے نان ونفقہ کا بھی یورپ کے قانون میں کوئی ذکر نہ تھا۔ دلچسپ تضاد یہ ہے کہ مرد کو ایک طرف عورت کی جائیداد کا جائز حقدار گردانا جاتا اور دوسری طرف عورت کو حق وراثت سے محروم کرنے کا حق رکھتا تھا۔ عورت کسی معاملے میں آزاد اور خود مختار نہ تھی اسے خود کمانے اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کی اجازت نہ تھی۔

پسند کی شادی تو ایک طرف، ماں باپ لڑکیوں کو اپنی ملکیت سمجھتے۔ شادی تجارت بن چکی تھی اکثر والدین منہ مانگی قیمت پر اپنی لڑکیاں بیچ ڈالتے۔

عورت نہ صرف کوئی جائیداد ہی نہیں خرید سکتی بلکہ کسی قسم کا معاہدہ یا وصیت کرنے کا بھی اسے حق نہیں تھا راہبہ بن جانے کے بعد ایک عیسائی عورت کامل طور پر تارک الدنیا ہو جاتی ہے جسے عام دنیا کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے عام سوسائٹی کی نظر میں اسکا وجود عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔

عیسائیت کے قانون وراثت میں عورت کے حقوق نہایت محدود تھے اور ملکیت میں اس سے زیادہ محدود۔ وہ خود اپنی محنت پر بھی اختیار نہ رکھتی تھی بلکہ اسکی ہر چیز کا مالک اسکا شوہر تھا معاشی حیثیت سے عورت کو بالکل بے بس کر کے مرد کے قابو میں دے دیا گیا۔

عورت کو صرف راہبانہ زندگی گزارنے پر عیسائیت نے پاکیزہ مانا ہے لیکن اس طرح عورت کو اس کے معاشی کردار ادا کرنے سے مکمل طور پر روک دیا گیا۔ اسے نہ تو کسی قسم کا معاشی حق دیا گیا نہ ہی خود کو محکومیت سے بچانے کے لیے معاشی موقع میسر آنے دیا گیا۔ بلکہ اس کی حیثیت مرد کی محکوم کی ہے کہ وہ جس طرح چاہے عورت سے سلوک کرلے۔

عیسائیت میں واضح طور پر کسی معاشی نظام کا بھی فقدان ہے:

عیسائیوں کی مذہبی زندگی عورت کے لیے تو کجا مرد کے لیے بھی کسی خاص معاشی نظام یا سیاسی جماعت یا معاشی زندگی کے لیے کسی قسم کا لائحہ عمل پیش نہیں کرتی۔[1]

جس مذہب عیسائیت میں مردوں کے لیے معاشی نظام کا فقدان ہے وہ مردوں کے محکوم طبقہ عورت کو کیسے کسی بھی طور پر معاشی آزادی یا کوئی حقوق دے سکتے ہیں مذہب کی بنیاد صرف رہبانیت ہے اور یہی چیز محکوم طبقہ عورت کے لیے اختیار کرنا مکمل طور پر لازم رہا ہے۔

عیسائیت میں دولت سے نفرت کی جاتی ہے اور عیسائیت میں یہ حکم ملتا ہے کہ دولت مند آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

سینٹ پال خدائی سلطنت کی تلاش میں بھوک، پیاس، فقر وفاقہ، محنت ومشقت، شب بیداری، سردی اور برہنگی کو برداشت کرتا تھا۔[2]

کیونکہ عیسائیوں کے ہاں جسم کی خواہش روح کے مخالف ہے اور روح کی خواہش جسم کے اور یہ ایک دوسرے کے خلاف ہے۔[3]

کلیسائی حلقوں میں بہت دنوں تک تجارت کی مخالفت کی رو جاری تھی ہر طرح کا کاروبار عرصہ تک حرام رہا رفتہ رفتہ ضروریات زندگی، گیسوں او شراب وغیرہ کی اجازت ملی۔

کوئی بھی معاشرہ ہو اس میں ذات پات کی تفریق کا اثر لازمی طور پر وہاں کی معاشی زندگی پر بھی پڑتا ہے اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کی بادشاہت اور انسان کی برابری کا نظریہ پیش کیا لیکن انجیل کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھائی چارے اور برابری کا دائرہ خاص بنی اسرائیل کے لوگوں تک ہی محدود تھا مثلاً انجیل متی میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔[4]

ان تمام تر سماجی تحدیرات کا اثر مردوں کے ساتھ ساتھ عورت کے معاشی حقوق پر بھی لامحالہ ضروری ہے لہذا عورت کے معاشی مسائل کو حل کرنا یا اسکے لیے خود معاشی کردار ادا کرنے کے لیے کوشش کرنا یہ سب بہت دور کی سوچ اور ناقابل عمل تصور تھا۔

برطانوی قانون عام (Commen Law) کے مطابق شادی کرتے وقت عورت کی جو حقیقی جائیداد ہوتی ہے وہ اس کے شوہر کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ وہی اس کے تمام منافع کا مالک ہوتا ہے اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ برطانوی عدالتوں نے بیوی کی جائیداد کی شوہر کی طرف بغیر اس کی اجازت کے منتقلی سے منع کیا لیکن اس کے باوجود اس کی جائیداد کو خرچ کرنے کا حق مرد کے پاس ہی رہا۔ عورت کی ذاتی جائیداد پر بھی شوہر کا مکمل حق باقی رہا۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں حالات تبدیل ہونا شروع ہو گئے اور 1870 میں Married Women's Property Act (شادی شدہ خواتین کی جائیداد کا ایکٹ) بنایا گیا پھر 1882 اور 1887 میں اس میں کچھ ترامیم کی گئیں جن کے ذریعے سے عورت کو جائیداد کی ملکیت کا حق دیا گیا۔

---

① کتاب مقدس یوحنا: ص 12، 13، 16

② کتاب مقدس، پولوس کا دوسرا خط مرثیوں کو: ص 11، 12

③ انجیل متی، باب: 10 نمبر 5

④ انجیل متی، باب: 10 نمبر 5

3

فصلِ سوم

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

کسی انسان کی معاشرہ میں قدرو منزلت اس کی معاشی حیثیت سے ہوتی ہے جس کے پاس مال و جائیداد ہے، اس کی سبھی قدر کرتے ہیں اور جس کے پاس یہ نہیں ہے، اس کو محکوم بنالیا جاتا ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کے باقی تمام سماجوں اور نظاموں نے عورت کو معاشی حیثیت سے بہت کمزور رکھا اور پھر اس کی یہ معاشی کمزوری اس کی بے بسی، مظلومیت اور بیچارگی کا سبب بن گئی عورت کی اسی مظلومیت کا مغربی تہذیب نے مداوا کرنا چاہا، مگر عورت کو گھر سے باہر لا کر فیکٹریوں اور اداروں کے کام پر لگا دیا اس طرح اس کا گھر سے باہر نکل کر کمانا دوسری بہت سی خرابیوں کا باعث بن گیا۔

عورت کو یہ یقین دلایا گیا کہ معاشرہ میں کام کرنے سے نہ صرف اس کا سماجی مرتبہ بلند ہو گا بلکہ اسے خود اختیاریت بھی حاصل ہو گی اور اس طرح قومی فی کس آمدنی میں اضافہ ہو گا۔ جس سے مجموعی طور پر معیار زندگی بلند کیا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف مذہب اسلام (انسانیت کو جس نظام سے روشناس کراتا ہے وہ خالق کائنات کی حاکمیت اعلی پر استوار ہے وہ حاکم اعلی جو تمام معاملات کا نگران، مدبر، قانون ساز اور ہر طرح کے وسائل کا تنہا مالک اور منعم ہے۔) عورت کو اپنے معاشرے کا سب سے قابل احترام فرد قرار دیتا ہے۔ ماں کی حیثیت سے اس کے قدموں تلے جنت ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے والدین کے لئے جہنم کی آڑ بن سکتی ہے۔ مرد کی اچھائی کا سرٹیفکیٹ یہ ہے کہ وہ اپنی گھر والی سے اچھا ہو۔ اسلام کے احکام کی روشنی میں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ دونوں کے باہمی اشتراک سے تمدن اور معاشرت کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے اور منصفانہ بنیادوں پر اٹھانے کے لیے معاشرے کے ہر فرد کے حقوق اور ذمہ داریوں کا واضح تعین کر دیا گیا ہے۔ یہ تعین فطری، طبعی، اور نفسیاتی تقاضوں کے عین مطابق ہے اسلامی معاشرے میں عورت اخلاقی اقدار کی محافظ ہے اور آئندہ نسل کی موزوں نشو و نما کی ذمہ دار بھی۔ ان عظیم الشان ذمہ داریوں کے مقابلے میں دوسری ہر خدمت کمتر اور ہیچ ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔ تم سب راعی ہو اور تم سب سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جو نگرانی میں دیے گئے ہیں۔[1]

اندرون خانہ ذمہ داریاں ادا کرنے والی خاتون کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو خاتون اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر میں بیٹھی ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گی۔[2]

قرآن پاک عورت کے اصل دائرہ عمل کی طرف راہنمائی فرماتے ہو کہتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾[3]

---

① صحيح البخاري : كتاب النكاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها، 5200

② سنن ابوداؤد : كتاب الأدب، باب في فضل من عال يتيما، 5149

③ سورة الأحزاب، 33 : 33

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو۔

عورت کا دائرہ کار گھر کو بناتے ہوئے اسلام نے اسے بچوں کی پیدائش اور تربیت کی بھاری ذمہ داری دی ہے اور اس ذمہ داری کو بطور احسن ادا کرنے کے لئے اس کو معاشی فکر سے آزاد رکھا ہے اور اس کی معاشی ضروریات کا مکمل بندوبست کیا ہے۔

عورت چار روپ میں ہوتی ہے اور ان چاروں حیثیتوں میں کسی نہ کسی مرد رشتہ دار کو اس کا کفیل بنایا ہے:

- عورت اگر بیٹی کے روپ میں ہے تو باپ اس کا معاشی طور پر کفیل ہے۔ اس کا نان ونفقہ، رہن سہن اور ضروریات کو پورا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے۔ باپ کو یہ ذمہ داری ادا کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے کچھ خوش خبریاں بھی بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً فرمایا:

«مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ»[1]

جس باپ نے دو یا تین بیٹیوں کی پرورش کی اور اچھی تعلیم وتربیت کی اور ان کی اچھی جگہ شادی کی تو اس کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

- عورت اگر بہن کے روپ میں ہے اور اس کا باپ موجود نہیں ہے تو بھائی اس کا کفیل ہو گا۔ کیونکہ وہ قائم مقام باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شادی میں بھی اگر لڑکی کا باپ موجود نہ ہو تو بھائی اس کا ولی تصور کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے ایسی لڑکی کی کفالت کی ذمہ داری بھی اسلام نے بھائی پر عائد کی ہے۔
- عورت اگر بیوی کے روپ میں ہے تو اس کی تمام تر معاشی ذمہ دای اس کے شوہر پر ہے۔ وہ اس کو حق مہر دینے کے علاوہ اس کا نان ونفقہ کا بھی ذمہ دار ہے۔
- عورت اگر ماں کے روپ میں ہے تو بیٹے پر ماں کی معاشی ذمہ داری ہے۔ بیٹا جنت کے حصول کا مستحق صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ اس ذمہ داری کو بطریق احسن ادا کرے گا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ عورت پر اس کی زندگی گزارنے کے لئے کسی قسم کی معاشی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تمام مالی ضروریات کو پورا کرنا اس کے مرد رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے۔ باوجود اس کے کہ اسلام نے اس کو معاشی فکر سے آزاد کر دیا ہے، پھر بھی اس کی معاشی حالت مزید مستحکم کرنے کے لئے وراثت، جائیداد، مہر جیسے حقوق مقرر کیے۔

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

اسلام نے جو معاشی حقوق عورت کو دیے ہیں وہ صرف قانون کی حد تک ہی نہیں ہیں بلکہ ترغیب وترہیب کے ذریعے ان کو ادا کرنے کا جذبہ بھی مردوں میں پیدا کیا ہے۔

پرورش کا حق

بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اسلام کے نزدیک ہر ایک کو پرورش کا حق حاصل ہے لڑکا اور لڑکی کے درمیان فرق کو اسلام نے سخت ناپسند

① سنن ابوداؤد: کتاب الادب، باب في فضل من عال يتيما، 5147

کیا ہے لڑکی پرورش اور تربیت کو کار ثواب بتاتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ»[1]

جو کوئی بیٹیوں (کی کثرت) کے ساتھ آزمایا گیا اور اس نے ان کی اچھی دیکھ بھال کی تو وہ اس کے لیے آگ سے پردہ بن جائیں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ»[2]

کہ جو شخص دو بچیوں کی ان کی جوانی کو پہنچنے تک پرورش کرے گا قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر اپنے انگشتائے مبارک کو ملالیا۔

تعلیم کا حق

اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے ایک لمبے عرصے تک علم کا میدان صرف مرد کے لئے تھا لیکن اسلام نے خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلائی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ»[3]

جس نے اپنی تین بیٹیوں کو پالا، پوس کر مؤدب بنایا، ان شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو ایسے شخص کیلئے جنت ہے۔

نکاح کا حق

اسلامی معاشرے کا امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے عورت کو نکاح کا حق دیا اگرچہ لڑکی کے لئے سرپرست اور ولی کی شرط لگائی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ نکاح اس کی اجازت سے ہی ہو گا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ»[4]

بیوہ کا نکاح اس کے حکم کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا باکرہ تو شرم و حیا کی وجہ سے بولے گی نہیں اس سے اجازت کیسے لی جائے گی آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا سکوت ہی اس کی اجازت ہے۔

① صحيح البخاري : كتاب الأداب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، 5995

② صحيح المسلم : كتاب البر والصلة والآداب ، باب فضل الإحسان إلي البنات، 2631

③ سنن ابوداؤد : كتاب الأدب، باب في فضل من عال يتيما ، 5147

④ صحيح البخاري : كتاب النكاح، باب ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاها، 5136

حق وراثت

اسلام نے مختلف طریقوں سے عورت کی مالی حیثیت کو مستحکم کیا، تاکہ وہ بالکل دست نگر نہ بن جائے اس کے لئے وراثت میں حصہ مقرر کیا۔ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا نفقہ صرف اس کے شوہر پر ہی واجب نہیں بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بھائی، بیٹے یا دوسرے اولیاء پر اس کی کفالت واجب ہوتی ہے کیونکہ عورت کی کفالت کا ذمہ اسی کے وارث مردوں پر ہے اس لیے وراثت میں اس کا حصہ مرد کی نسبت کم ہے۔[1]

احکم الحاکمین نے زیر دستوں کی کفالت کے مقصد اور فتنوں کے انسداد کے لئے اسے بھی مرد کے برابر حق وراثت بخشا جس کی صراحت اس حکم ربانی میں موجود ہے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾[2]

کہ مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں اور عورت کے لئے ان سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی چھوڑ دیں۔ اس (متروکہ) میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ بہر حال ایک حصہ قطعی ہے۔

لڑکیاں جو اب تک میراث سے محروم تھیں ان کو اسلام نے میراث دی، اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملے گا۔ جو جنگ نہیں کر سکتیں اور حصہ بھی اتنا زیادہ ہے قرآن مجید میں لڑکی کے حصہ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔[3]

﴿يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَٰحِدَةً فَلَهَا ٱلنِّصْفُ﴾[4]

کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیداً حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا اگر اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں اور وہ دو سے زائد ہوں تو ان کے ترکہ سے دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی ہے تو اس کا حصہ نصف ہے۔

اس طرح خاوند کی میراث میں بیوہ کو حصہ اسلام نے دیا۔ جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے ٹھیک اسی طرح بیوی کو شوہر کا وراث گردانا گیا ہے کوئی نہیں ہے جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے۔

﴿وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾[5]

---

① مسلمان خواتین اور ان کے حقوق از شاہد عتیق الرحمن: ص 15

② سورة النساء، 4 : 7

③ اسلام کا نظام عفت و عصمت: ص 53، 54

④ سورة النساء، 4 : 11

⑤ سورة النساء، 4 : 12

اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر آٹھواں حصہ ہے اور تقسیم تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرضے کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔

گو قرآنی احکام وراثت میں عورت کا حصہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے تاہم ابن عباس نے بھی اس کی توضیح کر دی ہے:

بخاری شریف میں روایت ہے:

«حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتْ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ»[1]

کہ محمد بن یوسف ورقاء، ابن ابی نجیح، عطا رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ابتدائے اسلام میں کل مال بیٹے کو ملتا تھا اور ماں باپ کو وہ ملتا تھا جس کی وصیت کی جاتی تھی۔ اللہ تعالی نے جو چاہا اسے منسوخ کر دیا اور مرد کے لئے عورت سے دوگنا مقرر فرمایا۔ ماں باپ کے لئے چھٹا حصہ اور تہائی حصہ مقرر فرمایا۔ بیوی کے لیے آٹھواں یا چوتھائی مقرر فرمایا اور خاوند کو نصف یا چوتھائی عطا کیا۔

وراثت میں عورت کا قانونی حق ہے اور یہ حق اسلام نے اس کو دے کر اس کو معاشی تحفظ دیا ہے کوئی بھی عورت کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔

حق مہر

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق میں ایک حق مہر ہے۔ نکاح کے ساتھ سب سے پہلی چیز جو وابستہ ہے وہ مہر ہے مہر وہ رقم یا چیز ہے جو مرد اپنی منکوحہ کو بلا کسی معاوضے کے بطور ہدیہ دیتا ہے یہ وہ مقرر حق ہے جو نکاح کے لئے لازمی چیز ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾[2]

کہ انہیں ان کے مقررہ حق مہر ادا کر دو۔

مہر کی دو اقسام ہیں:

1. مہر معجل 2. مہر موجل

مہر معجل وہ ہے جس کے ادا کرنے کا عند الطلب وعدہ کیا گیا ہے۔

مہر موجل وہ ہے جس کی ادائیگی کا فورا وعدہ نہ ہو۔

محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں:

---

(1) صحيح البخاري : كتاب الوصايا، باب لا وصية لوارث، 2747

(2) سورة النساء، 4 : 24

مہر عورت کا ایک حق ہے جو نکاح کے وقت ادا کرنا چاہیے اور اگر کسی وجہ سے نکاح کیوقت نہ دیا جاسکے تو نکاح کے بعد ادا کرنے کی فکر بہر حال ہونی چاہیے اس لیے کہ یہ ایک قرض ہے اور قرض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر لوگ اس لیے نکاح کے وقت بھاری مہر رکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ ہے لیکن اسلامی مزاج اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔[1]

﴿وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾[2]

جہاں تک مہر کی مقدار کا تعلق ہے تو آنحضور کی سنت مبارکہ سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے اس کی کوئی آخری حد مقرر نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے:

«عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ»[3]

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر اپنی بیویوں کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نش کو جانتے ہو میں نہ کہا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا: نصف اوقیہ اور سب ملا کر پانچ سو درہم ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس کے لئے چالیس اوقیہ کی انتہائی مقدار مقرر کرنا چاہی مگر ایک عورت نے کو ٹوک کر کہا کہ وہ قرآن کی رو سے مہر کی مقدار مقرر نہیں کرسکتے اور یہ دلیل سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا تھا۔[4]

عورت کا مہر مرد پر واجب ہوتا ہے تاکہ بوجہ طلاق وہ اپنی گزر بسر کرسکے اس کے علاوہ جو کچھ مرد تحفے کے طور پر اپنی بیوی کو دے اس کو بھی وہ علیحدگی کی صورت میں واپس نہیں لینا چاہیے۔[5]

مہر ایک ایسا حق ہے جو بیوی کی طرف سے خاوند پر لازم ہے اس کی ادائیگی عورت کے لئے معاشی تحفظ ہے۔

نان ونفقہ

نفقہ سے مراد کھانا، کپڑے اور مکان ہے۔ قوام ہونے کی صورت میں مرد کا کمانا اور اہل وعیال کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرنا ہے نیز قرآنی آیت سے مہر کے ساتھ ساتھ نفقہ مہیا کرنا بھی مرد کے فرائض میں شامل ہے عورت کا یہ حق کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ وہ خود دستبردار ہوجائے یا سرکشی کی مرتکب ہو۔

---

① اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ از محمد یوسف، اصلاحی: ص111

② سورۃ النساء، 4 : 4

③ صحیح مسلم : باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن وخاتم حدید وغیر ذلك، 1426

④ حقوق زوجین از سید ابوالاعلی مودودی: ص199

⑤ امام غزالی کے تعلیمی نظریات از نواب سر محمد یامین: ص130

﴿ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ﴾[1]

اس آیت میں مرد کی فوقیت عورت پر ثابت ہوتی ہے اور اس کی وجہ اس آیت کے اگلے صفحے میں بتادی گئی ہے کہ

﴿وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ﴾[2]

مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

تدبر القرآن میں تفسیر یوں ہے کہ

عربی سے 'قائم' کے بعد 'علی' آتا ہے تو اس کے اندر نگرانی اور محافظت کا مفہوم بھی ہے اور کفالت و تولیت کا بھی اور یہ دونوں باتیں کچھ لازم و ملزوم سی ہیں۔[3]

نفقہ کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ یہ مالی حیثیت کے مطابق دیا جاتا ہے:

﴿عَلَى ٱلۡمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلۡمُقۡتِرِ قَدَرُهُۥ﴾[4]

کہ وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔

مزید اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَعَلَى ٱلۡمَوۡلُودِ لَهُۥ رِزۡقُهُنَّ وَكِسۡوَتُهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ لَا تُكَلَّفُ نَفۡسٌ إِلَّا وُسۡعَهَا﴾[5]

اور ماں اور بچے کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری اس (یعنی باپ) پر ہے وہ یہ خرچ معروف طریق سے دے، مگر کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

اگر خاوند نفقہ کی ادائیگی میں بخل سے کام لے تو عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی اولاد کی کفالت کے لئے خاوند کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر نفقہ لے سکتی ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں عدالت کے ذریعے سے وصول کر سکتی ہے۔[6]

حدیث شریف میں آتا ہے:

«عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوْ اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»[7]

---

① سورة النساء، 4 : 34

② سورة النساء، 4 : 34

③ تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی:2 / 63

④ سورة البقرة، 2 : 236

⑤ سورة البقرة، 2 : 233

⑥ عورت انسانیت کے آئینہ میں:ص149

⑦ سنن ابوداؤد : كتاب النكاح ، باب في حق المرأة علي زوجها، 2142

حکیم بن معاویہ قشیری رحمہ اللہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مار اور اسے برا بھلا نہ کہو اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کر۔

خاوند کے لئے لازم ہے کہ وہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام کرے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾[1]

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔

اسلام نے عورت کو روزی کی دوڑ دھوپ سے آزاد کر دیا ہے تاکہ وہ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ گھر میں رہ کر خانگی زندگی کے فرائض سر انجام دے اور یہ ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے کہ وہ کمائے اور اپنے بیوی کے لئے کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرے۔[2]

حق ملکیت

ایک مسلمان عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہ کر اجتماعی زندگی بسر کرنے کے باوجود اپنی زر و دولت، مال و متاع اور املاک و جائیداد کی خود مختار مالک ہوتی ہے۔ اور شرعی حدود کے اندر رہ کر اپنی مرضی کے مطابق اپنے تصرف میں لا سکتی ہے اور مرد کو اس کے تصریفات میں دخلیل ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔[3]

اسلام میں عورت کا مقام کے مصنف لکھتے ہیں:

تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے اور اس کو حق ملکیت بھی حاصل ہے اور اس تصرف پر اختیار بھی ہے۔[4]

اسپر مسٹر جسٹس آفتاب حسین Status of Islam میں لکھتے ہیں:

Islam placed women and man on the same footing in economic independence, property rights and legal Process. She might follow any legitimate profession, Keep her earnings, inherit property and dispose of her belonging at Will.[5]

اسلام نے مرد اور عورت کو معاشی آزادی، مالی حقوق اور قانونی طریق کار میں مساوی درجہ دیا ہے۔ وہ کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ اپنی آمدنی کی مالک بن سکتی ہے۔ وراثت میں حصہ پا سکتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے۔

---

① سورۃ الطلاق، 65 : 6

② اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ: ص 207

③ عورت انسانیت کے آئینہ میں: ص145

④ اسلام میں عورت کا مقام از ڈاکٹر اسرار احمد: ص 17

⑤ Status of women in Islam, Dr. Juhs aftab hussain P. 464

اسی طرح مزید مسٹر جسٹس آفتاب حسینStatus of woman in islam میں لکھتے ہیں:

The property of a woman as well as her earnings before or after her marriage are exclusively her own and her husband or any other guardian does not have any interest in or seizing over it.[(1)]

عورت کی جائیداد اور اس کی کمائی خواہ شادی سے پہلے کی ہو یا بعد کی وہ صرف اسی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کے شوہر یا کسی اور سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی تصرف کر سکے۔

مسٹر جوزف گننٹ "Woman in Muslim Rural Society" میں لکھتے ہیں:

The economic benefits she can derive from them in the same way. Rosenfeld claims that neither the mother- in- law nor the daughter. In- law have property, while Canaan says that a woman can acquire property and be protected in her ownership by law. Canaan also stresses that objects the bride bring. With her from her father's house her portion of the dowry; her wedding presents (nugat) remain her own property. No one, not even her husband, may touch them.[(2)]

عورت ان سے مالی مفادات حاصل کر سکتی ہے۔ روزن فیلڈ دعوے سے کہتے ہیں کہ نہ ساس اور نہ بہو کوئی بھی ملکیت نہیں رکھ سکتی۔ لیکن قانون کہتا ہے کہ عورت جائیداد حاصل کر سکتی ہے اور قانونی طور پر اس کی ملکیت کو تحفظ حاصل ہے بلکہ قانون یہ کہتا ہے کہ عورت جو مال اپنے باپ کے گھر سے بطور جہیز لائے یا جو کچھ اسے شادی کے موقع پر تحفے ملیں وہ سب کچھ اس کی ملکیت ہے۔ کوئی دوسرا، حتی کہ شوہر بھی اس کے مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

اس سلسلے میں مزید اصلاح الدین ناسک،'افکار سیاسی مشرق و مغرب' میں لکھتے ہیں کہ

عورت کو املاک رکھنے کا حق ملا ہے، اسے معاہدے کا حق بھی ہے، نیز وصیت ہبہ اور تجارت بھی کر سکتی ہے۔[(3)]

سید امیر علی اپنی کتاب Muhammadan law میں مزید فرماتے ہیں:

When she has obtained actual possession over her husband's property under her claim for dower she cannot be dispossessed from it, unless the dower is paid to her or is paid up from the income of property.[(4)]

جب عورت کو شوہر کی طرف سے حق مہر مل گیا اور قبضہ ہو گیا تو اب اسے اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ہر حال میں حق

---

① Status of Women in Islam, P.201

② Women in Rural society, P.173

③ افکار سیاسی مشرق و مغرب از صلاح الدین ناسک: 245، 246

④ Muhammadan law, vol 2, P.408, 409

مہر ملے گا اور شوہر کی جائیداد یا مال سے اس کی ادائیگی ہو گی۔

اسلام میں عورت کے پاس جو کچھ بھی مال ہے، اس کی ملکیت، قبضہ و تصرف کے پورے پورے حقوق اس کو حاصل ہیں، وہ اپنے مال کی خرید و فروخت رہن وہبہ کر سکتی ہے۔ چاہیے تو اسے کسی تجارت میں لگا سکتی ہے۔[1]

جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ باپ کو حاصل ہے، نہ شوہر کو اور نہ کسی اور کو مداخلت کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر وہ اپنے باپ، بھائی یا شوہر کے ساتھ کاروبار میں بھی شریک ہے تو اسے کاروبار کے شریک کی حیثیت سے اپنے حصے اور طے شدہ معاہدے کے مطابق منافع ملنا چاہیے مشترکہ کاروبار یا کاروبار میں ملازمت کی صورت میں فریقین کے درمیان معاملات واضح طور پر طے ہونے چاہیے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ یہ معاہدہ تحریری شکل میں ہو تاکہ کسی تنازعے کی صورت میں اسے خوش اسلوبی سے طے کیا جاسکے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک انتقال کر جائے تو وراثت کی تقسیم میں پیچیدگی نہ پیدا ہو۔

شوہر یا عورت کے کسی رشتہ دار کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی آمدن اپنے اکاؤنٹ میں داخل کریں یا اسے خرچ سے روکیں یا خود خرچ کریں یا اپنے خاندان کے اخراجات پورے کرنے کے لئے استعمال کریں کیونکہ اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری شوہر اور باپ کی ہے خواہ بیوی اس سے زیادہ دولتمند ہی کیوں نہ ہو۔ شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے وسائل کے مطابق معیار زندگی کی آسائشیں فراہم کرے۔ اگر وہ اس کی کفالت کی ذمہ داری ادا نہیں کرتا تو بیوی چاہے تو اس بنیاد پر خلع کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

عورت کسی بھی دستاویز پر دستخط کر سکتی ہے اور یہ دستخط بھی اتنے ہی معتبر ہوں گے جتنے کہ کسی مرد کے ہو سکتے ہیں اگر وہ گھر کے مردوں کو مطلع کیے بغیر اپنی ذاتی جائیداد یا مکان فروخت کر دیتی ہے یا خریدتی ہے تو یہ سودا بالکل جائز اور مکمل ہے۔

پاکستانی آئین بھی عورتوں کو جائیداد کی مالک بننے کا حق دیتا ہے۔

پاکستانی آئین 1973ء کے مطابق تمام شہریوں کو جائیداد کی خرید و فروخت کی آئینی اور قانونی حدود میں پوری آزادی حاصل ہے اور اس پر اس وقت تک پابندی نہیں لگائی جاسکتی جب تک اس سے عوامی مفادات مجروح نہ ہوں۔ اس کے علاوہ قانونی جواز کے بغیر کسی فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا اگر حکومت قومی مفاد کے لئے کسی مرد کی جائیداد اپنے قبضے میں لیتی ہے تو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کریگی اور اگر پارلیمان شہریوں کی زیادہ سے زیادہ جائیداد کا قانون بنائے تو زائد جائیداد حکومت اپنی تحویل میں لے سکتی ہے لیکن اس میں مرد و عورت کی کوئی قید نہیں ہے۔[2]

یہ گویا وہ آزادی ہے، جو اس کے کمانے کے لئے صلاحیت اور جذبہ و جوش فراہم کرتی ہے، اس کے بغیر فرد میں کام کا جذبہ پیدا کرنا خلاف فطرت ہے۔[3]

اسلام دولت کی انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔[4]

---

① پردہ: ص245 ، 246

② آئین پاکستان 1973، بنیادی حقوق

③ رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب از اسد گیلانی: ص 358

④ اسلام میں عدل اجتماعی از نجات اللہ صدیقی: ص 276

ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ﴾[1]

جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں، تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔

اقربون سے بات بتلائی کہ جس طرح مردوں کو مستحکم وارث سمجھا جاتا ہے، اسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔[2]

﴿وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا﴾[3]

کہ اگر تم نے کسی عورت کو نکاح کے وقت ڈھیر مال بھی دیا ہو، تو طلاق دیتے وقت اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

اگر کوئی شخص محض اپنی طبعی خواہش اور خوشی کے لئے موجودہ بیوی کو چھوڑ کر، دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں اگر وہ اس کو ڈھیروں مال بھی دے چکا ہے، تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس سے دیئے ہوئے مال کا کوئی حصہ طلاق کے معاوضہ میں واپس لے، یا واجب الادا مہر کو معاف کر دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾[4]

کہ عورتوں کو بھی معروف کے مطابق وہی حقوق حاصل ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ"[5]

کہ عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ نہیں دیا کرتے تھے۔ حتی کہ حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنا کلام نازل کیا اور ان کے لیے ترکہ میں حصہ مقرر کرنے کے احکامات نازل فرمادیئے۔[6]

بیوی کا مال اس کی ملکیت میں موجود رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اہل وعیال اور شوہر پر خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے۔ زینب ثقیفہ رضی اللہ عنہا یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کرو، اگرچہ زیور سے کرو...... دو صحابیات نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ بیوی خاوند پر اس

---

① سورة النساء، 4 : 7

② معارف القرآن از مفتی محمد شفیع: 2 / 311

③ سورة النساء، 4 : 20

④ سورة البقرة، 2 : 228

⑤ سنن أبو داؤد : كتاب الطهارة ، باب الرجل في الرجل يجد البلة في منامه ، رقم الحديث، 236

⑥ صحيح البخارى : كتاب اللباس ، باب ماكان االنبي يتجوزمن اللباس ، رقم الحديث، 5843

حال میں کہ اس کی پرورش میں یتیم بچے بھی ہیں، صدقہ کر سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنے والی عورتوں کو دو اجر ملیں گے ایک قرابت داری کا اور دوسرا اجر صدقہ کا۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مال شادی کے بعد بھی اس کی ملکیت ہے ورنہ نبی ﷺ فرما دیتے کہ یہ مال تمہارے شوہر کا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے دوہرے اجر کی نوید سنائی۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

اسلام ایسے قواعد و ضوابط بھی ترتیب دیتا ہے، جو اس کا فائدہ جماعت کو بہم پہنچانے کے علاوہ ان متوقع نقصانات کا بھی سد باب کرتا ہے۔ جو فرد (یعنی عورت) کی آزادی مطلق اور اس کو عطا کردہ حق ملکیت کے نتیجہ میں سامنے آسکتے ہیں۔[2]

مگر انگلستان جیسے مہذب ملک کا یہ حال ہے کہ، عورت اپنے نام پر کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی۔ اس کی ذاتی جائیداد جو نکاح سے قبل حاصل کی ہو، وہ بھی شوہر کی ملکیت میں آتی ہے اور اسے اختیار ہوتا ہے' کہ اسے جیسا چاہے استعمال کرے۔ عورت کو اتنا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نام سے یا اپنی ذات خاص کے لئے ضروریات زندگی خرید کرے' یا منگوا بھیجے۔[3]

مگر اس کے برعکس اسلام میں عورت کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے، بیوی خواہ کتنی ہی مالدار ہو، اس کا شوہر اس کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا' اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اس قدر مستحکم ہو گئی ہے، کہ بسا اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

مال میں تصرف کا حق

معقول حد کی اندر اپنی ضروریات پر خرچ کرنے اور حلال طریقوں سے کمائی ہوئی دولت کا حصہ جو بچ جائے اسلام نے اس میں مرد کی طرح عورت کو بھی تصرف کرنے کا پورا اختیار دیا ہے جیسا انفاق کا مطالبہ مردوں سے ہے ویسا ہی عورتوں سے بھی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ﴾[4]

کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

جو لوگ (مرد و عورت) اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے سے جی چراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خطرات سے بچا رہے ہیں دراصل وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے جہنم میں جھونک رہے ہوتے ہیں۔ اجتماعی خطاب کے علاوہ کئی مقامات پر مؤنث کا صیغہ استعمال کر کے بھی قرآن میں عورتوں کی ملکیت میں تصرف کے حق کو واضح کیا گیا ہے مثلاً

---

① صحيح البخاري : كتاب الزكاة ، باب الزكاة علي الزوج والايتام في الحجر ، رقم الحديث، 1466

② اسلام کا عدل اجتماعی: ص 281،280

③ تفسیر ثنائی، جلد اول: ص 293

④ سورة البقرة، 2 : 195

الف: خیراتی کاموں پر خرچ

عورت اپنی مرضی سے خیراتی کاموں پر خرچ کر سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ ٱلْمُصَّدِّقِينَ وَٱلْمُصَّدِّقَٰتِ وَأَقْرَضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾[1]

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں، ان کے لیے یہ بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔

ب: ہدیہ کرنا

کسی کو ہدیہ اپنی مرضی سے دے سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا﴾[2]

اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنے مہر راضی خوشی چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھالو۔

گویا وہ رقم جو بیوی کو مہر کی صورت میں ملنی ہوتی ہے اس میں سے اگر وہ چاہے تو کچھ رقم تحفتاً اپنے ہی شوہر کو دے سکتی ہے۔ بہر حال یہ بیوی کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ ایسا کرے یا نہ کرے۔

ج: قرضہ دینا

کسی کو قرضہ بھی دے سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾[3]

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت میں یاأیہا الذین آمنوا کہہ کر دونوں کے لیے ایک جیسا معاملہ بنا دیا گیا ہے۔

د: مال کے متعلق وصیت کرنا

اپنے مال کے متعلق وصیت کر سکتی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾[4]

اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔

---

① سورة الحديد، 57 : 18

② سورة النساء، 4 : 4

③ سورة البقرة، 2 : 282

④ سورة النساء، 4 : 12

ھ: زکوٰۃ کی ادائیگی

زکوٰۃ کی ادائیگی مرد و عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَأَقِمْنَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتِينَ ٱلزَّكَوٰةَ﴾[1]

نماز قائم کرتی رہو اور زکوۃ ادا کرتی رہو۔

عورت پر زکوٰۃ کی اس فرضیت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عورت معاشی طور پر خود کفیل ہو سکتی ہے اس آیت سے اسلامی شریعت کے اس خوبصورت اصول کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں عورت انفرادیت نہیں کھوتی اور ہر لحاظ سے علیحدہ شخصیت اور تشخص کی حامل ہوتی ہے۔ ورنہ اگر سارا مال شوہر ہی کا ہوتا تو بیوی کو بھی یہ نہ کہا جاتا کہ وہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ ظاہر ہے کہ مال اس کا اپنا ہو گا تو وہ اس پر زکوٰۃ ادا کرے گی ورنہ اس کے تو نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

مال عورت کی ملکیت میں ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ مال معروف کے مطابق خرچ بھی کر سکتی ہے کیونکہ اگر اسے مال پر تصرف کا حق نہیں تو پھر مال پر ملکیت رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ اور بات ہے کہ زوجین کو باہمی تعاون اور حسن معاشرت کا خیال رکھتے ہوئے مال کو ناحق ضائع نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ایسے مقام پر ضائع کرنا چاہیے جو اہل خانہ کی محرومی اور تنگی کا باعث بنے۔ مرد عورت کا ذاتی مال اس کی رضامندی کے بغیر خرچ نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ نے اپنی زوجہ کا مال اس کی رضامندی کے بغیر استعمال نہیں کیا۔

«حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ سُمَيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهُ اعْتَلَّ بَعِيرٌ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ وَعِنْدَ زَيْنَبَ فَضْلُ ظَهْرٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْنَبَ أَعْطِيهَا بَعِيرًا فَقَالَتْ أَنَا أُعْطِي تِلْكَ الْيَهُودِيَّةَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَهَا ذَا الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرٍ»[2]

اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ مسند احمد میں بیان کیا گیا ہے:

«حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي شُمَيْسَةُ أَوْ سُمَيَّةُ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هُوَ فِي كِتَابِي سُمَيَّةُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ بِنِسَائِهِ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ نَزَلَ رَجُلٌ فَسَاقَ بِهِنَّ فَأَسْرَعَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَاكَ سَوْقُكَ بِالْقَوَارِيرِ يَعْنِي النِّسَاءَ فَبَيْنَا هُمْ يَسِيرُونَ بَرَكَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ جَمَلُهَا وَكَانَتْ مِنْ أَحْسَنِهِنَّ ظَهْرًا فَبَكَتْ وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ دُمُوعَهَا بِيَدِهِ وَجَعَلَتْ تَزْدَادُ بُكَاءً وَهُوَ يَنْهَاهَا فَلَمَّا أَكْثَرَتْ زَبَرَهَا وَانْتَهَرَهَا وَأَمَرَ النَّاسَ بِالنُّزُولِ فَنَزَلُوا وَلَمْ يَكُنْ يُرِيدُ أَنْ يَنْزِلَ قَالَتْ فَنَزَلُوا وَكَانَ يَوْمِي فَلَمَّا نَزَلُوا ضُرِبَ خِبَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَخَلَ فِيهِ قَالَتْ فَلَمْ

---

① سورة الاحزاب، 33: 33

② سنن أبو داؤد : كتاب السنة ، باب ترك السلام علي أهل الأهواء، 4602

أَدْرِ عَلَامَ أُهْجَمُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَشِيتُ أَنْ يَكُونَ فِي نَفْسِهِ شَيْءٌ مِنِّي فَانْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا تَعْلَمِينَ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَبِيعُ يَوْمِي مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ أَبَدًا وَإِنِّي قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِي لَكِ عَلَى أَنْ تُرْضِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِّي قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَأَخَذَتْ عَائِشَةُ خِمَارًا لَهَا قَدْ ثَرَدَتْهُ بِزَعْفَرَانٍ فَرَشَّتْهُ بِالْمَاءِ لِيُذَكِّيَ رِيحَهُ ثُمَّ لَبِسَتْ ثِيَابَهَا ثُمَّ انْطَلَقَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَتْ طَرَفَ الْخِبَاءِ فَقَالَ لَهَا مَا لَكِ يَا عَائِشَةُ إِنَّ هَذَا لَيْسَ بِيَوْمِكِ قَالَتْ ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ فَقَالَ مَعَ أَهْلِهِ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الرَّوَاحِ قَالَ لِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ يَا زَيْنَبُ أَفْقِرِي أُخْتَكِ صَفِيَّةَ جَمَلًا وَكَانَتْ مِنْ أَكْثَرِهِنَّ ظَهْرًا فَقَالَتْ أَنَا أُفْقِرُ يَهُودِيَّتَكَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْهَا فَهَجَرَهَا فَلَمْ يُكَلِّمْهَا حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ وَأَيَّامَ مِنًى فِي سَفَرِهِ حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ وَالْمُحَرَّمَ وَصَفَرَ فَلَمْ يَأْتِهَا وَلَمْ يَقْسِمْ لَهَا وَيَئِسَتْ مِنْهُ فَلَمَّا كَانَ شَهْرُ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ دَخَلَ عَلَيْهَا فَرَأَتْ ظِلَّهُ فَقَالَتْ إِنَّ هَذَا لَظِلُّ رَجُلٍ وَمَا يَدْخُلُ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ هَذَا فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَدْرِي مَا أَصْنَعُ حِينَ دَخَلْتَ عَلَيَّ قَالَتْ وَكَانَتْ لَهَا جَارِيَةٌ وَكَانَتْ تَخْبَؤُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ فُلَانَةُ لَكَ فَمَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَرِيرِ زَيْنَبَ وَكَانَ قَدْ رُفِعَ فَوَضَعَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ أَصَابَ أَهْلَهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ»[1]

یہاں قرین قیاس لگتا ہے کہ آپ ﷺ کی ناراضگی کا سبب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودن کہنا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹا کہنے پر بھی تنبیہ فرمائی۔[2]

آپ ﷺ امیر قافلہ بھی تھے اور بطور شوہر انتظامی اعتبار سے فائق درجہ رکھتے تھے۔اس کے باوجود بیوی کی ملکیت سے استفادہ اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا حالانکہ آپ ﷺ امیر قافلہ ہونے کی حیثیت سے ایسا کر سکتے تھے۔جبکہ سفر میں احکام ایک حد تک متغیر بھی ہو جاتے ہیں۔

شوہر کی عدم رضامندی اور تصرف کا حق

گھریلو امور میں اللہ تعالیٰ نے انتظامی اعتبار سے مرد کو فوقیت عطا کی ہے۔شوہر عورت کے مال سے تصرف اس کی رضامندی کے ساتھ کر سکتا ہے۔عورت شوہر کا مال اس کی اجازت اور رضامندی سے خرچ کر سکتی ہے۔یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے بلند درجہ کی کیا حدود ہیں؟ کیا وہ عورت کو اس کا ذاتی مال خرچ کرنے سے روکنے کا اختیار رکھتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا»[3]

---

① مسند احمد : كتاب باقي مسند الانصار ، باب حديث صفية أم المؤمنين، 26908

② سنن أبو داؤد : كتاب الأدب ، باب في الغيبة، 4875

③ سنن النسائي : كتاب العمري ، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، 2540

عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے عطیہ دے۔

ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

«لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍهبة فِي مَالِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا إِذَا هُوَ مَلَكَ عِصْمَتَهَا» (1)

کسی خاتون کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے ہبہ کرے، کیونکہ وہ (خاوند) اس کی عصمت کا مالک ہے۔

سنن ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ أَمْرٌ فِي مَالِهَا إِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا» (2)

کسی خاتون کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرے، کیونکہ اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک ہے۔

ان احادیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کی زیر نگرانی عورت کو اپنا مال بھی شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں لیکن بنظر غائر اس کا جائزہ لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت، شوہر کا مال اس کی مرضی کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی۔ اگر اپنا مال بھی وہ اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتی تو اس کے حق ملکیت کا فائدہ؟ کیا محض مال کی اضافت اس کی طرف ہو گی؟ اس کے علاوہ عورتوں کے اپنے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے کا جواز بھی ملتا ہے؟

امام خطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک یہ ممانعت حسن معاشرت اور شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے (عدم جواز کے لئے نہیں) سوائے مالک بن انس رحمہ اللہ کے جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر عورت شوہر کی مرضی کے بغیر مال لائے تو اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔ امام خطابی رحمہ اللہ کہتے اس بات کا احتمال ہے کہ یہ حکم غیر رشیدہ کے لئے ہو۔ (3)

علماء کے درمیان اس معاملے میں اختلاف ہے بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ خواہ عورت رشیدہ ہو وہ اپنے مال سے شوہر کی اجازت کے بغیر تحفہ یا عطیہ نہیں دے سکتی۔

امام لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وہ ایک تہائی مال یا اس سے کم و بیش میں شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ نہیں کر سکتی جبکہ طاؤس اور امام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ وہ ایک تہائی مال اجازت کے بغیر ہبہ کر سکتی ہے اور اس سے زیادہ اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ اگر سفیہ نہ ہو تو وہ جتنے مال سے چاہے اجازت کے بغیر عطیہ دے سکتی ہے۔ اگر وہ کم عقل ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ (4)

---

① سنن ابن ماجه : كتاب الأحكام ، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، 2388

② سنن أبو داؤد : كتاب اليسوع ، باب في عطية المرأة بغير إذن زوجها، 3546

③ معالم السنن : 3 / 148

④ عون المعبود : 3 / 317

ابن یحییٰ رحمہ اللہ (کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے) اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیوی خیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے زیور صدقہ کرنے کے لئے آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرے۔ کیا تو نے کعب رضی اللہ عنہ سے اجازت لے لی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اس نے کہا کیا تو نے خیرہ کو اپنے زیور صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے؟ پس کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صدقہ قبول کر لیا۔ (1)

یہ ضعیف حدیث ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء نے اس سے حرمت مراد نہیں لیا۔

"قال الخطابي عند أكثر الفقهاء هذا علي معني حسن العشرة واستطابة نفس الزوج بذلك إلا أن مالك بن أنس قال ترد ما فعلت من ذلك حتى يأذن الزوج وقد يحتمل أن يكون ذلك فى غير الرشيد"(2)

علماء کے یہاں جواز کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں بکثرت روایت موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو صدقہ کی ترغیب دی اور وہاں موجود خواتین نے اپنے زیور اتار کر صدقہ کئے۔ اس صدقہ کو قبول کیا گیا اور شوہر کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عیدین کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے بعد عورتوں سے خطاب کیا:

«فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ بِأَيْدِيهِنَّ يَقْذِفْنَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ»(3)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو وعظ و نصیحت کی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، میں انہیں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ بڑھا رہی تھیں اور بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال رہی تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ عنہ گھر کو چل دیئے۔

بعض روایات میں خواتین کے صدقہ کیے گئے زیوروں کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

«فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتْ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ»(4)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو وعظ کیا اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو خواتین بالیاں اور انگوٹھیاں اتار رہی تھی اور بلال رضی اللہ عنہ

---

① سنن ابن ماجة : كتاب الأحكام ، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، 2389

② معالم السنن: 3 / 148

③ صحيح البخاري : كتاب الجمعة ، باب العلم الذي بالمصلي، 977

④ صحيح البخاري : كتاب العلم ، باب عظة الإمام النساء، 98

کپڑے میں جمع کر رہے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

«فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ»(1)

کہ وہ اپنے جھمکے اور انگوٹھیاں بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

ان سب روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صدقہ کے لئے ترغیب وہیں دی گئی جس کے جواب میں عورتوں نے اپنے زیور صدقہ کر دیئے۔ ان زیورات کو بطور صدقہ قبول کیا گیا۔ کسی عورت کا صدقہ واپس کرنے کی تفصیل نہیں ملتی۔ اور نہ ہی خواتین نے اس سے قبل صدقہ کرنے کی اجازت لی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء کا مؤقف ہے کہ عورت اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتی ہے۔ خواہ اس کی جائیداد ہو یا محنت سے حاصل ہونے والی آمدن ہو۔

احمد جاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومن ثم كان تصرف المرأة فى أموالها بغير إذن زوجها فى نظر الإسلام صحيحا ولكنه يكرهه لأنه قد يضر بالعلاقة بين الزوجين"(2)

شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ عورت کے مال پر تصرف کی حدود بیان کرتے ہوئے فتوی دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوی اپنے مہر اور مملوکہ مال کی حقدار ہے۔ وہ مال اس کا کمایا ہوا ہو۔ اس کے نام ہبہ شدہ ہو یا اسے وراثت میں ملا ہو۔ بہر حال وہ اس کا مال ہے اور اس کی ملکیت ہے وہ اس میں مکمل تصرف کا حق رکھتی ہے۔ اگر عورت اپنے کل مال یا اس کے ایک حصے پر خاوند کا تصرف قبول کرلے تو اس کے لئے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ عورت خوش دلی سے ایسا کرے۔ اگر عورت عاقلہ اور رشیدہ ہے تو اس کی اجازت کے بعد اولاد یا کسی اور سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن خاوند کو چاہیے کہ وہ عورت کے انکار کی صورت میں اس سے بدسلوکی نہ کرے۔ نہ اسے تنگ کرے نہ کسی طرح کا نقصان پہنچائے۔ کیونکہ وہ اپنے حق کی زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ عورت اپنے مال کی مالک ہے اور وہ اس میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔ اس سے کسی تحفۃ دے سکتی ہے، صدقہ کر سکتی ہے۔ اپنا قرض اتار سکتی ہے۔ اپنے کسی عزیز یا غیر عزیز جس سے بھی وہ چاہے اپنے کسی حق مثلاً قرضہ یا وراثت سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ اس پر خاوند کو کسی بھی صورت میں اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگر عورت عاقلہ رشیدہ ہو خاوند اس کی مرضی کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر عورت کوئی ایسا کام کرتی ہے جس سے مرد کے کسی حق کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو تو وہ اسے کام سے کسی شرط کے تحت روک سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی اپنی اپنی تنخواہ ایک

---

① صحيح البخاري : كتاب تفسير القرآن ، باب اذا جاءك المؤمنات، 4895

② فقه النساء : ص 499

دوسرے کو تقسیم کرنے پر اتفاق کر لیں۔ خاوند اسے گھریلو کام کاج سے دستبرداری کی اجازت اور اسے لانے لے جانے کے عوض کچھ وصول کرے۔[1]

حسن معاشرت کا تقاضا

حسن معاشرت، خیر خواہی اور انتظامی تدبیر کے لئے بہتر یہی ہے کہ زوجین کے درمیان مال کے خرچ میں موافقت پائی جائے تاکہ سوء مفاہمت کہیں دلوں کی دوری کا باعث نہ بن جائے۔ تاہم ایک مسلمان شوہر کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کی قوامیت کا ایک سبب عورت پر اپنا مال خرچ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ﴿وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ﴾[2] ذکر کیا گیا ہے۔

یعنی خرچ شدہ مال کی اضافت مرد کی طرف کی گئی اور مطلق مال ''أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالٍ'' نہیں کہا گیا۔ اگر وہ اپنا مال خرچ کرنے کی بجائے عورت کا مال ہی اس پر خرچ کرے تو قوامیت کا 'کسبی سبب' ختم ہو جائے گا۔ یہ جاننا نہایت اہم ہے کہ اگر ایک عورت ملازمت اختیار کرے تو اس صورت میں حقوق و فرائض کی نوعیت کیا ہو گی۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام کی رو سے ملکیت جائیداد، کاروباری معاملات اور تجارتی لین دین میں عورت اور مرد کی حیثیت برابر کی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا جب کوئی عورت اپنے کام کے عوض کچھ آمدنی حاصل کرتی ہے تو یہ تمام رقم اس کی ملکیت ہے اگر عورت غیر شادی شدہ ہے تو اس کے والد اس رقم پر دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح شادی شدہ عورت کی آمدنی پر شوہر کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب ایک شادی شدہ عورت ملازمت کے لئے باہر جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی بعض گھریلو ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا۔ اس صورت میں شوہر کا یہ حق ہے یا وہ یہ دعوی کر سکتا کہ بیوی اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ گھریلو ذمہ داریوں کی عدم ادائیگی کے عوض ادا کرے۔ عورت کی شادی ہو جانے کے بعد بھی اسلام، عورت کی انفرادی حیثیت بر قرار رکھتا ہے۔ وہ محض شوہر کی ذات کا ایک حصہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ عورت کو اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانی ہوتی ہیں۔ تاہم اسلام، مسلمان مردوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی طرح دیکھ بھال اور خبر گیری کریں۔

ملازمتوں میں مرد کے مساوی حقوق اور کاروبار میں عمل آزادی کا حق

اسلام نے عورت کو کاوربار اور پیشہ و عمل کی آزادی دی ہے۔ عالمی ایجنڈا برائے حقوق نسواں کا اہم مطالبہ عورتوں کے لیے مردوں کے مساوی ملازمت کے حصول کا ہے کہ محض جنس کی بنیاد پر کسی فرد کو ملازمت دینے سے انکار نہ کیا جائے کیونکہ یہ عورتوں کا حق ہے کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں۔

اسلامی نقطہ نظر سے ہم دیکھیں تو اسلام عورت کے معاشی حقوق کو تسلیم کرتا ہے اسے ناگزیر حالات میں ملازمت کی اجازت دیتا ہے مگر بنیادی طور پر وہ عورت کو معاشی ذمہ داری سے سبکدوشی عطا کرتا ہے جس کے تحت وہ عورت پر بعض پابندیاں بھی عائد کرتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خاندان کے نظام میں کوئی خلل اور انتشار پیدا نہ ہو اور اس کے استحکام میں فرق نہ آئے پھر یہ کہ عورت باعفت

---

① فتاویٰ برائے خواتین: ص 360-366

② سورۃ النساء، 4 : 34

وعصمت زندگی گزار سکے اور اسے ایسے حالات میں نہ ڈالا جائے کہ اس کے لیے اخلاقی حدود کو قائم رکھنا دشوار ہو جائے۔

عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو اول تو عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے۔ جب بھی کمانے کی خاطر باہر نکلے گی جگہ جگہ اس کو مرد سے پالا پڑے گا، لہٰذا ہر مشقت والی ڈیوٹی سے وہ خود بخود نکلتی جاتی ہے۔ پیچیدہ اور دقت طلب کاموں میں اس کی ناکامی اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ پر خطر مہمات کے لئے، دشمن سے مقابلہ کے لئے کبھی اس کا انتخاب نہیں ہوتا، وہ پائلٹ اور کپتان نہیں بنتی، بھاری گاڑیاں وہ نہیں چلا سکتی، ہلکی پھلکی ملازمت اس کو دی جاتی ہے، مثلاً سیلز گرل، ٹائپسٹ، کلرک، سیکرٹری، ٹیچر، نرس، ڈاکٹر وغیرہ۔ پھر ان ہلکی پھلکی ملازمتوں میں بھی اس کی قوت کار مرد کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے ماہواری، حیض ونفاس وغیرہ کے مراحل سے وقتاً فوقتاً گزرنا پڑتا ہے اور اگر کام کر بھی لیتی ہے تو تب بھی مرد کے مقابلے میں اس کو تنخواہ کم ملتی ہے، حتی کہ وہ ممالک جنہوں نے مساوات مرد وزن کو بطور اصول اپنے ہاں رائج کر رکھا ہے وہ بھی مرد و عورت کی تنخواہ میں فرق کرتے ہیں۔

عورت کی معاشی جد وجہد عورت کے اپنے حق میں ہے یا خلاف ہے؟

عورت نے باہر نکل کر مردوں کی طرح کمانے کی کوشش تو ضرور کی مگر عملاً یہ طاقتور اور کمزور کا مقابلہ تھا۔ مرد اپنی قوت وصلاحیت کی وجہ سے آگے ہی رہا، حتی کہ وہ کام جو عورت مدتوں سے گھر میں کرتی چلی آئی ہے، ان میں بھی مرد کی کارکردگی عورتوں سے بہتر ہے، مثلاً مرد باورچی ہو، درزی ہو، دھوبی ہو، ان میدانوں میں بھی اس کی مہارت عورت سے زیادہ ہے۔ پہلے کی طرح آج بھی ہر جگہ قیادت مرد ہی کی ہے، گھر میں بھی اور گھر سے باہر بھی۔ تمام عہدے اور ذمہ دار پوسٹیں اسی کے پاس ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں پر وہی چھایا ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود آج عورت کی معاشی پوزیشن پہلے سے کچھ اچھی ہو گئی ہے مگر کس قیمت پر؟ دین واخلاق کی قربانی دے کر، دامن عفت وعصمت کو داغدار کرنے کے بعد! کیونکہ سارے ذرائع معاش تو مردوں کے پاس ہیں اور عورت اس کے کاروبار کی پبلسٹی کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ ہر معمولی سے معمولی چیز پر بھی عورت کی دل کش تصویر ضرور موجود ہو گی۔ کھلے بازار میں بیٹھ کر مرد کے لئے اس کی مصنوعات نازو ادا سے فروخت کرے، ہوٹلوں اور کلبوں میں مہمانوں کا استقبال کرے، ان کی خاطر تواضع کرے، ہوائی جہاز میں ائیر ہوسٹس بنے، بیمار مردوں کی اپنی دلکش مسکراہٹ سے تیمارداری کرے۔

ہر روز بن سنور کر تو آتی ہے اس طرح
سسرال جیسے جاتی ہے سج کر کوئی دلہن

عورت کی معاشی جد وجہد معاشرہ کے لئے مفید ہے یا نقصان دہ؟

عورت کے باہر جا کر کمانے سے خاندان کا ادارہ برباد ہوتا ہے، بچے پریشان اور بوڑھے ضعیف والدین الگ حیران۔ گھر ہوٹل بن کر رہ گئے۔ مرد کما کر گھر آیا، رات گزار کر چلا گیا۔ بعینہ عورت کما کر گھر آئی۔ تھکی ماندی بستر پر جا پڑی پھر اٹھ کر جلدی جلدی گھر کی صفائی کی، برتن صاف کیے، کھانا بنایا، بچوں کو کھلایا، اور پھر ملازمت کے لئے نکل کھڑی ہوئی دوسری طرف معاشرے میں ہر جگہ مرد و عورت کے اکھٹا رہنے سے بے حیائی وفحاشی کا ایک طوفان امڈ آیا۔

جبکہ اسلام نظام زندگی کے فرائض وواجبات کی تعین میں فطری راستہ اختیار کرتا ہے۔ مرد و عورت کو وہی فرائض سپرد کرتا ہے جو ان کی فطری صلاحیتوں کے عین مطابق ہوں یہی وجہ ہے کہ اسلام گھر میں رہنے والی عورت کی فضیلت بتاتا ہے اس بات سے انکار نہیں

کہ عورت ملازمت کر سکتی ہے نہ ہی کسی کاروبار میں شرکت کی کوئی پابندی ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ وہ گھر میں رہے کیونکہ اس پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس میں اس کو گھر میں رہنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

> ساری برکتیں خاندان کو صرف عورت کی بدولت حاصل ہوئی ہیں اگر عورت کو اس کی جگہ سے ہٹا کر کسی کارخانہ یا دفتر میں بھیج دیا جائے تو خاندان کے اندر اس کے سبب سے جو جگہ خالی ہو گی اس کو آپ کسی اور طرح سے پر نہیں کر سکتے۔ دفتروں اور کارخانوں کے لئے آپ کو ہر ساخت اور قابلیت کے لاکھوں، کروڑوں آدمی مل سکیں گے لیکن گھر کے اندر جو جگہ وہ خالی کرے گی اس کو بھرنے کے لئے آسمان کے نیچے اس کے سوا کسی اور کو پیدا نہیں کیا گیا۔[1]

گھریلو اور تولیدی امور کا معاوضہ

عورتوں کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے حقوق نسواں کے عالمی ایجنڈا کا ایک اور مطالبہ خاتون خانہ کے گھریلو امور اور تولیدی خدمات کے معاوضے کے بارے میں ہے۔ مغربی نقطہ نگاہ کے مطابق گھریلو امور کی بنا پر ملنے والی تنخواہ سے عورت کو معاشی آزادی مل جائے گی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشی حیثیت بھی مضبوط ہوتی جائے گی ایسی صورت میں اگر زندگی کے کسی مرحلے پر مرد اس کو طلاق بھی دے دیتا ہے تو طلاق کی صورت میں بھی اس کے لئے کوئی معاشی خطرہ نہیں ہے جبکہ خاندان کو اقتصادی تقاضوں پر تولنے کی بجائے اسلام کا اپنا ایک نظریہ ہے اور وہ اسی نظریہ کی روشنی میں طے پائی ہوئی تہذیب رکھتا ہے اسلام عورت کو گھریلو ملازمہ نہیں بلکہ گھر کی ملکہ قرار دیتا ہے اس نے کسب معاش کی ذمہ داری یعنی مشکل ترین کام مرد کے سپرد کیا جبکہ اس کے مال سے گھر کا انتظام و انصرام احسن طریقے سے چلانے کا فریضہ عورت پر عائد کیا۔ مرد کو سربراہ خاندان ہونے کے ناطے تمام قسم کے گھریلو اخراجات بشمول خاتون خانہ کے اخراجات پورے کرنے کا پابند بنایا ہے۔

﴿ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ﴾[2]

اسلام نے اگر عورت کو گھر کی ذمہ داری سونپی ہے تو اسے معاشی حوالے سے بے دست پا نہیں چھوڑا۔ حدیث رسول ہے:

«عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوْ اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبْ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»[3]

حکیم بن معاویہ قشیری رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ

> میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو کھانا کھائے تو اسے بھی کھلا، اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنا اور اس کے منہ پر نہ مار اور اسے برا بھلا نہ کہہ اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی اختیار نہ کر۔

---

① پاکستانی عورت دوراہے پر از امین احسن اصلاحی: ص 86

② سورة النساء، 4 : 34

③ سنن ابوداؤد : كتاب النكاح ، باب في حق المرأة علي زوجها، 2142

قابل غور بات یہ ہے کہ ان سب حقوق کی موجودگی میں عورت معاوضہ کی صورت کتنامال اور حاصل کریگی اور اسے اس کے نقصانات کیا کیابرداشت کرنے پڑیں گے۔ اسلام میں اس قسم کے فضول مطالبات کی قطعاً گنجائش نہیں۔

محمد عطاء اللہ صدیقی اسلام نظام معاشرت کو اجاگر کرتے ہوئے اس مطالبہ کے بارے میں کہتے ہیں:

> کوئی بیوی گھریلو کام یا اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت نہ اس خیال سے کرتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تنخواہ دار ملازم ہے اور نہ ہی کوئی شوہر اپنی کمائی اپنی بیوی کے حوالے اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ اسے اس کی گھریلو خدمات کا معاوضہ سمجھتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کو ایک مالک اور مزدور کے تعلق سے مشابہ قرار دینا بذات ایک مکروہ اور لغو سوچ ہے۔[1]

اور بالفرض ایسا ہو جائے تو گھر کا وجود کہاں باقی رہے گا جو کہ اسلام کے نظام اجتماعی وسیاسی میں اصل مرکزی نقطہ ہے۔

عورت کی ممتا سے گھر منور ہوتا ہے۔ رفیق سفر کی حیثیت سے خاندان میں اس کی وفاداری اور جانثاری کی بدولت اس کی آنے والی نسلیں صبر ووفا اور ایثار قربانی کا سبق سیکھتی ہیں جبکہ ممتا کی جگہ اجرت اور وفاداری کی جگہ معاوضہ کے آجانے سے نہ خاندان رہے گا اور نہ آنے والی نسلیں انسانیت کے جوہر سے آشنا ہو سکیں گی۔

المختصر اسلام عورت کو کاروبار اور پیشہ وعمل کی مکمل آزادی دیتا ہے۔ اس کے لئے تجارت، زراعت، لین دین، صنعت وحرفت، ملازمت، درس وتدریس، صحافت وتصنیف، سب ہی جائز کاموں کی اجازت ہے اس کے لیے وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ صرف اس کو یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی اصل ذمہ داری گھر ہے اور اپنے گھر کی قربانی دے کر معاشرتی ادارے کو مضبوط کرنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔

پاکستانی عورت کے معاشی حقوق

کیا پاکستانی عورت اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہے اس بات کا جائزہ لینے کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔

- لڑکیوں میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے، اور مختلف وجوہ مثلاً شوق، وقت گزاری، ضرورت، مجبوری کے سبب ملازمت کرنے کے رجحان میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔
- بڑھتے ہوئے معاشی مسائل، ضروریات زندگی بشمول بچوں کی تعلیم کی مہنگائی کے سبب بہت سارے خاندان ''ہر فرد کمائے'' کے اصول پر منظم ہوتے جارہے ہیں۔
- عورتوں کے معاشی حقوق یعنی ملکیت، جائیداد، وراثت وغیرہ عملاً روبہ عمل نہیں ہیں لہٰذا عورتوں میں غربت او بے بسی کا احساس نشوونما پا رہا ہے۔ زمینوں کی ملکیت کے بارے میں 1995ء کے سروے کے مطابق خواتین کی زمین کی ملکیت ایک ہزار میں سے 36 ہے جس کا مطلب ہے زمین کے ہزار مالکان میں خواتین صرف 36 ہیں ان میں سے بھی صرف ایک چوتھائی خواتین ہی گھر کے مردوں کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے زمین کی خرید وفروخت کا حق یا اہلیت رکھتی ہیں۔ وراثت میں کچھ نہ کچھ حصہ پانے والی خواتین کی تعداد 33 فیصد کے لگ بھگ ہے۔

---

① خاتون خانہ کی محنت کا معاوضہ از محمد عطاء اللہ صدیقی، ماہنامہ خواتین میگزین، جلد 2، شمارہ 4، ص 38

- بتدریج ہمارا نظام کفالت تحلیل ہوتا جارہا ہے۔ بھائی اپنی بہنوں، بیٹے اپنی ماؤں اور شوہر اپنی بیویوں کی کفالت سے ہاتھ اٹھاتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ خراب صورت حال ان لڑکیوں کی ہے جو شادی نہ ہونے کے سبب بھائیوں یا ریٹائرڈ باپ کے در پر ہیں اور اپنا بوجھ اٹھانا ان کی مجبوری ہے۔
- معذور، نشہ باز یا نکمے مردوں کی زیر کفالت خاندان کی عورتیں یا وہ عورتیں جن کے کفیل نہیں ہیں، اپنی ضرورت کے لئے مختلف نوکریاں یا کام کر رہی ہیں۔
- رجسٹرڈ، فی میل لیبر فورس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد اس نان رجسٹرڈ فی میل لیبر فورس کی ہے، جو بغیر کسی تحریری معاہدے کے فیکٹریوں، کارخانوں سے انتہائی قلیل اجرت پر کام کرتی ہے اور یوں اپنے اہل خانہ کو کسی ایک وقت پیٹ بھر کھانا کھلا پاتی ہے۔
- مشترکہ خاندانی نظام تقریباً ختم ہو رہا ہے، چنانچہ کفالت کا جو نسبی سلسلہ اسلام ہمیں دیتا ہے اس کا تو تذکرہ ہی نہیں۔ جہاں کفالت کا نظام باقی ہے وہاں بھی تنہا کفیل کا نظام چل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہونے والا کوئی بھی حادثہ گھر کی خاتون یا خواتین کو میدان معاش میں لے آتا ہے۔
- مہر، نان ونفقہ جیسے حقوق کے حصول میں پیچیدگیاں اور دشواریاں ہیں۔ ناکام شادیوں کے نتیجے میں 'ماؤں کی کفالت میں خاندان' (Mother based families) وجود میں آرہی ہیں، جو اپنا اور اپنے بچوں کا بوجھ تنہا اٹھا رہے ہیں۔
- گذشتہ ساٹھ برسوں میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین سرکاری و نجی ملازمتوں میں آئی ہیں۔ برسہا برس کی ملازمت کے بعد وہ آمدن ان کی ضرورت بن چکی ہے، چنانچہ وہ تمام تر مسائل کے باوجود ملازمت کرنے کے حق میں ہیں۔
- دیہی علاقوں میں کھیت، اینٹوں کے بھٹے، جانوروں کی دیکھ بھال، گھروں میں بنائی جانے والی اشیاء وغیرہ وغیرہ وہ مقامات اور کام ہیں، جن میں بڑی تعداد میں خواتین کام کر رہی ہیں۔ دیہی علاقوں کی 80 فیصد سے زائد عورت ورکنگ ویمن ہے۔ کیا وہ شوقیہ کام کرتی ہے؟ یا غیر ملکی پروپیگنڈے کے اثرات کے تحت اپنا معیار زندگی بلند کرنا چاہتی ہے؟ سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کبھی بھی نہیں ہے۔ دیہی علاقے کی عورت اپنی خانگی ذمہ داری کے ساتھ روایتی طور پر ایک غیر منظم اور بلا معاوضہ لیبر فورس ہے۔ کیا اس کو اس روایتی کردار سے نجات دلانا ممکن ہے یا اس صورت حال میں اصلاح کی گنجائش ہے۔ ہر دو حوالوں سے یہ معاملہ قابل غور ہے۔
- ہنر مند کاریگر عورت جو اپنے گھروں میں (ہوم بیس ورکر کے طور پر) بہت کام کر رہی ہے، مگر مڈل مین محض اس کی مجبوری کا سودا کرتا ہے، کسی لیبر پالیسی یا لیبر قانون میں اس کی دست گیری کا تذکرہ نہیں ہے۔
- کارکن اور مزدور عورت جو جگہ جگہ جھاڑو دیتی یا سڑک کوٹتی، وزن اٹھاتی ہے، اب تو بازاروں میں سبزی پھل اور مصالحوں کا ٹھیلا لگاتی ہے ہمارے معاشرے کی ایک حقیقت ہے۔ وہ فیشن یا اونچی سوسائٹی میں داخل ہونے کے لئے یا گھر سے باہر کی دنیا کی چکا چوند سے متاثر ہو کر یہ محنت نہیں کر رہی، بلکہ رزق حلال کی تلاش نے اسے یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ کیا معاشی جدوجہد میں مصروف اس عورت کو نظر انداز کیا جانا ممکن ہے۔

- خواتین اساتذہ، خواتین ڈاکٹرز، خواتین سماجی ورکز، خواتین گارمنٹس انڈسٹری ورکز، خواتین انڈسٹریل
- مزدور ورکز، خواتین پیرامیڈیکل اسٹاف، لیڈی ہیلتھ وزیٹر، خواتین کا محکمہ ترقی و بہبود و وزارت وغیرہ وغیرہ جیسے ناگزیر شعبہ جات میں خواتین کو انتہائی نامساعد اور غیر فطری ماحول میں کام کرنا پڑ رہا ہے، عدم تحفظ ہر اعتبار سے ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔
- سرکاری سطح پر ملکی ترقی کو اقتصادی ترقی، اقتصادی ترقی کو خواتین کی ترقی اور خواتین کی ترقی کو خواتین کے ملازمت کی ایک ایسے نظریے سے منسلک کر دیا گیا ہے کہ اب معاشی ترقی اور خواتین کی بہبود (ویمن ڈویلپمنٹ) کا کوئی منصوبہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کس طرح عورتوں کی تعداد کو مردوں کے مساوی بلکہ نئی مجوزہ اصلاحات کے مطابق ترجیحاً خواتین کو ملازمتوں کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ہر جگہ یہی ایجنڈا زیر بحث ہے۔
- ایک اور حقیقت یہ ہے کہ حکومت نامعلوم وجوہ کی بنا پر اپنے ذخیرہ معلومات (ڈیٹا) کی درستگی پر آمادہ نہیں۔ گذشتہ پندرہ برسوں میں دیہات کی خواتین بڑی تعداد میں معاشی جدوجہد میں شامل ہو چکی ہیں۔ مگر سرکاری سطح پر ہنوزان کو بھی اقتصادیات کے عضو معطل اور غیر پیداواری عنصر کے طور پر شمار کیا جارہا ہے، جس کے نتیجے میں غلط اعداد و شمار پر پالیسیاں مرتب کی جارہی ہیں۔
- ویمن ورکنگ فورس کے حالات کار میں بہتری کی کسی بھی تجویز یا منصوبے پر غور کرنے کے بجائے نامساعد حالات اور مفلوج قوانین کے ساتھ ہی توجہ محض فی میل لیبر فورس میں اضافے پر مرتکز ہے۔
- ریاست خواتین کے معاشی حقوق کے تحفظ میں قطعی ناکام ہے۔ اس ضمن میں نہ مردوں کو بحیثیت کفیل پابند کرنے میں فعال ہے، اور کفیل نہ ہونے کی صورت میں کسی ریاستی ادارے کو نہ یہ ذمہ داری سونپ رہی ہے۔ نظام کفالت کی بحالی حکومتوں کے اہداف میں شامل ہی نہیں ہے۔
- حکومت اس ضمن میں اپنی مخصوص نظریاتی، معاشرتی، سیاسی، معاشی ضروریات کے بجائے امداد دینے والے ملکوں، بین الاقوامی اداروں اور امدادی ایجنسیوں کی ترجیحات پر کام کر رہی ہے۔

ریاست کی حکمت عملی کیا ہو؟

نظام کفالت کی بحالی اور قانونی اور معاشرتی اصلاح کی تحریکوں اور ترغیبات کے ذریعے جب تک یہ نظام اپنی پوری جزئیات کے ساتھ بحال نہ ہو، اس عبوری مدت میں ویمن لیبر فورسز کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے ضروری کاروائی کی جائے۔

- خواتین کے معاشی حقوق کی یقینی فراہمی، موجودہ قوانین کو متحرک کیا جائے۔
- معاشی جدوجہد کرنے والی خواتین کے لئے بہتر حالات کار کی فراہمی۔
- مخصوص قومی، معاشی اور معاشرتی ضروریات کے تحت ترجیحات کا تعین اور واضح پالیسی کے ذریعے معیشت میں خواتین کا رول متعین کرتے ہوئے دوہری ذمہ داری کی مناسبت سے بہتر سہولیات کی فراہمی۔
- تعلیم یافتہ، ہنر مند، تجربہ کار، ذہین، محنتی اور غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل خواتین کو مؤثر انداز میں اپنی صلاحیت کار کو استعمال

کرنے کی حکمت عملی ترتیب دی جائے۔

- خواتین کی ملازمت کے اوقات کار متعین کرتے ہوئے ان کی خانگی ذمہ داریوں کا خیال رکھا جائے۔
- مردوں کے مقابلے میں یہ اوقات کار نسبتاً کم اور لازمی سروسز کے اداروں میں شفٹوں کی تعداد زیادہ رکھی جائے۔
- عورتوں کے لیے سرکاری ملازمتوں میں عمر کی حد بڑھائی جائے تاکہ وہ اپنی خانگی زندگی کے انتہائی مصروف اور اہم ابتدائی دس سال گزارنے کے بعد بھی ان ملازمتوں کے لئے اہل ہوں۔
- خواتین ورکرز کے تمام آئینی و قانونی حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے، جس کے تحت اداروں میں علیحدہ واش روم، ریسٹ روم، ڈے کیئر سنٹر، زچگی کی چھٹیاں وغیرہ وغیرہ جیسی سہولیات انہیں حاصل ہوں۔
- ورکنگ ویمن کے لئے مختلف بڑے روٹس پر مخصوص اوقات میں علیحدہ ٹرانسپورٹ سروس فراہم کی جائے۔
- مختلف اداروں میں خواتین کے ساتھ ہونے والے ذہنی، جسمانی تشدد ولا قانونیت کے خلاف چارہ جوئی کے لئے فوری انصاف فراہم کرنے والی خصوصی لیبر کورٹس قائم کی جائے یہ لیبر کورٹس گشتی بھی ہوں۔
- فیکٹریوں اور دیگر اداروں میں زیر تربیت کارکن کی آڑ میں ویمن لیبر فورس سے بیگار لینے کا جو سلسلہ جاری ہے اس کا فوری خاتمہ کرتے ہوئے اس ضمن میں موجودہ قانون کو متحرک کیا جائے۔
- لیبر کوڈ، فیکٹری آرڈیننس، سوسائیٹیز ایکٹ وغیرہ میں موجود تحفظات کی خلاف ورزی کرنے والے اداروں کے خلاف کاروائی کی جائے۔
- نجی اداروں کو فی میل لیبر فورس کے حوالے سے قواعد وضوابط کا پابند بنایا جائے۔
- مختلف کارخانوں میں بغیر کسی تحریری معاہدے کے خواتین سے گھروں پر کام کروایا جاتا ہے، معاوضہ کی شرح درجن اور سیکڑے کے حساب سے انتہائی قلیل مقدار میں ادا کی جاتی ہے۔ یہ سستی لیبر کی بدترین مثالیں ہیں۔ اس استحصال کے خاتمے کے لیے تمام اداروں کے لئے اپنے باقاعدہ (Formal) اور بے قاعدہ (Informal) ملازمین کو ظاہر کرنا اور ان کا ریکارڈ رکھنا لازمی قرار دیا جائے۔
- گھروں میں کام کرنے والی ہاؤس ورکرز اور اپنے گھروں میں رہ کر مختلف کام کرنے والی ہوم ورکرز کی رجسٹریشن کو یونین کونسل کی سطح پر ممکن بنایا جائے، تاکہ معاشرے میں موجود ورکنگ ویمن کا ڈیٹا مکمل کیا جا سکے اور اس میں ضروری قانون سازی کی جا سکے۔ نیز ان ورکرز کو تحفظ فراہم ہو۔
- دیہی علاقوں میں کھیتوں، اینٹوں کے بھٹوں، منڈیوں اور حویلیوں میں کام کرنے والی خواتین ملازمین کو سرکاری سطح پر لیبر فورس میں شمار کیا جائے اور قانون سازی اور پالیسی سازی میں ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

4

فصلِ چہارم

دساتیر پاکستان میں عورتوں کے حقوق

دساتیر پاکستان میں عورتوں کے حقوق

جب ہم عورت کے معاشی حقوق کو پاکستان کے حوالے سے دیکھتے ہیں کو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ عورتوں سے پیدائش سے لے کر جوانی تک جنس کی بنیاد پر امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ پاکستان میں مردوں کی اکثریت ابھی تک اسلامی مساوات اور انصاف کے بنیادی اصولوں سے براہ راست متصادہے۔ ارض پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس خداد ملکیت کو آئینی اعتبار سے تین ادوار سے گزرنا پڑا۔ پہلے دور میں خواتین کو آئینی حقوق سے متعلق وہ آئینی تحفظات نہیں ملتے جو اسلامی مملکت ہونے کے اعتبار سے پاکستان کا خاصا ہونا چاہیے۔ 1960ء کا عشرہ خواتین کے حقوق کے اعتبار سے زیادہ بار آور ثابت ہوا۔ 1973ء کے آئین اسلامی بنیادوں پر استوار کیا گیا تو عورتوں کو بھی وہی حقوق دینے کی کوشش کی گئی جو مذہب اسلام نے انہیں وصیت کیے تھے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ عورتوں کو دساتیر پاکستان کے حوالے سے مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہیں:

1. مساوات مردوزن
2. معاشرتی، سیاسی اور مجموعی حقوق و تحفظات، تعلیمی حقوق
3. فلاح و بہبود
4. معاشی حقوق

مساوات مردوزن

1956ء کی دفعہ نمبر 5 اور 1962ء کے آرٹیکل نمبر 6 کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ

تمام شہری قانون کے لیے برابر اور مساوی قانونی حفاظت کے حق دار ہیں اور ان کے ساتھ ہر لحاظ سے یکساں سلوک کرنا چاہیے۔

1973ء کے آئین میں مساوات مردوزن کا تصور زیادہ واضح صورت میں موجود ہے۔ آرٹیکل نمبر 25 سے معلوم ہوتا ہے کہ

تمام شہری قانون کی نظر میں برابر اور قانون کے مساوی تحفظ کے مستحق ہیں۔ محض جنس کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔[1]

فلاح و بہبود

عورتوں کے حقوق اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے خواتین کی مختلف غیر سرکاری تنظیموں کی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں انہی کی کوششوں کے نتیجے میں دساتیر پاکستان میں عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے آرٹیکل نمبر 38 میں ضمانت دی گئی کہ

مملکت معیار زندگی بلند کر کے، مفاد عامہ کے منافی چند لوگوں کے ہاتھوں میں دولت اور وسائل پیداوار اور تقسیم کے نامناسب ارتکاز کو روک کر اور آجر و ماجور اور زمیندار و مزارع کے مابین حقوق کے منصفانہ تصفیہ کی ضمانت دیکر بلا لحاظ جنس، ذات، عقیدہ یا نسل

---

(1) دستور پاکستان 1956ء: 62، دستور پاکستان 1962ء: 3، دستور پاکستان 1973ء: 12

عوام کی فلاح و بہبود حاصل کرلے گی۔[1]

تعلیمی، معاشرتی، سیاسی اور عمومی حقوق تحفظات:

1962ء کے آئین کے تحت عورتوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ بلا تخصیص جنس سرکاری اداروں میں تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ آرٹیکل نمبر 12 کے مطابق:

> کوئی قانون کسی شہری کو نسل، مذہب، ذات یا جائے پیدائش کی بنا پر کسی ایسے تعلیمی ادارے میں شریک ہونے سے محروم نہیں کرے گا۔ جو ملک کے ریونیو سے امداد حاصل کرتا ہے۔[2]

1973ء کا آرٹیکل نمبر 22 بھی اس طرح کا حق دیتا ہے۔

1962ء کے آئین کا آرٹیکل نمبر 16 عورتوں کے معاشرتی حقوق کے حوالے سے یہ بیان کرتا کہ

> تمام اشخاص کو جو پاکستان کی سروس میں ہوں انہیں لازمی معاشرتی بیمہ کے ذریعے یا اور طرح سے معاشرتی تحفظ فراہم کیا جانا چاہیے۔[3]

چونکہ اس دور میں خواتین زیادہ تر ملازم پیشہ نہ تھیں اس لیے یہ معاشی تحفظ محدود پیمانے پر خواتین کو حاصل تھا۔ اور 1973ء کے تیسرے آئینی دور میں داخل ہوتے ہی عورتوں کے معاشرتی حقوق کی ضمانت زیادہ بہتر طور پر ملتی ہے کہ

> مملکت شادی، خاندان، ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔[4]

اسی طرح 1973ء کے دستور پاکستان میں عورتوں کے سماجی تحفظ اور سماجی انصاف کے فروغ اور سماجی برائیوں کے خاتمہ کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ آرٹیکل نمبر 37 کی شق 6 ملاحظہ ہو۔

> منصفانہ اور نرم شرائط کار: یہ یقین کرتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں کو ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جائے جو ان کی عمر یا جنس کے لحاظ سے ناموزوں ہوں اور ملازم عورتوں کو زچگی سے متعلق مملکت مراعات فراہم کریگی۔[5]

تعلیمی اور معاشرتی حقوق کی طرح عورتوں کے سیاسی حقوق کو بھی تسلیم کیا گیا اور تینوں آئین میں عورتوں کو درج ذیل سیاسی حقوق دیے گئے ہیں:

1. ہر شہری کو آزادی تقریر و اظہار کا حق دیا گیا۔
2. بلدیاتی اداروں کو فروغ اور متعلقہ علاقوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل بلدیاتی اداروں میں عورتوں کو خصوصی نمائندگی دی گئی۔
3. قومی اسمبلی میں عورتوں کو مخصوص نشستیں دی گئیں۔

---

① دستور پاکستان 1973 : 16

② دستور پاکستان 1962 : 6

③ دستور پاکستان 1962 : 8

④ دستور پاکستان 1973 : 15

⑤ دستور پاکستان 1973 : 16

4. قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے اقدامات کیے گئے۔

پاکستان کے دساتیر میں عورتوں کو جو عمومی حقوق حاصل ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. آزادی نقل و حرکت وسکونت کے بارے میں 1973ء کے آئین میں آرٹیکل نمبر 3 کے مطابق

عام تفریح گاہوں یا مجمع ہونے کی جگہوں میں جو صرف مذہبی اغراض کے لئے مختص نہ ہوں آنے جانے کے لئے کسی شہری کے ساتھ محض نسل، مذہب، جنس، سکونت یا مقام پیدائش کی بنا پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔[1]

2. استحصال کے خاتمہ کے بارے میں 1973ء کے آئین میں آرٹیکل نمبر 3 کے مطابق

"مملکت استحصال کی تمام اقسام کے خاتمے اور اصل بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کا یقین دلائے گی کہ ہر کسی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر کسی کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے۔"[2]

3. دساتیر پاکستان میں غلامی اور بیگار کی تمام صورتوں اور انسانوں کی خرید کو منسوخ قرار دیا گیا۔

دساتیر پاکستان میں عورتوں کے معاشی حقوق

معیشت کسی قوم کی ترقی و تنزل کا اصل ماخذ ہوتی ہے۔ آزاد اور خود مختار ممالک کا یہ طرہ امتیاز ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے ہر فرد کو بلا تخصیص جنس معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے بھرپور مواقع فراہم کرتے ہیں۔ پاکستان کے دساتیر بھی مختلف ادوار میں عورتوں کے معاشی تگ و دو کے سلسلے میں مختلف طریق پر رہنمائی کرتے ہیں اور انہیں یہ قانونی حق فراہم کرتے ہیں۔ اسی جدوجہد کا ایک پہلو حق ملازمت بھی ہے۔

1956ء کے دستور کے مطابق آرٹیکل نمبر 17 "ملازمتوں میں امتیازات کے متعلق تحفظات" کے زیر عنوان یہ درج ہے کہ

1. کسی ایسے شہری کے خلاف جو پاکستان میں کسی آسامی کے قابل ہو صرف، نسل، مذہب، ذات، جنس، جائے سکونت یا جائے پیدائش کی بنا پر امتیاز نہیں برتا جائے گا بشرطیکہ یوم نفاذ دستور سے 15 سال تک آسامیوں کو کسی خاص فرقہ یا علاقے کے افراد کے لئے پاکستانی ملازمتوں میں ان کی مناسب نمائندگی کی خاطر مخصوص کیا جا سکتا ہے نیز بشرطیکہ کسی ملازمت کے مفاد کی خاطر اس میں معینہ آسامیاں یا ملازمتیں کسی جنس کے افراد کے لیے مخصوص کی جا سکتی ہیں۔

2. آرٹیکل نمبر 17 کے شق نمبر 1 میں کوئی امر کسی صوبائی حکومت یا مقامی یا دیگر حاکم کو اس گورنمنٹ یا حاکم کے باعث ملازمت کے بارے میں ایسی ملازمتوں پر تقرری سے قبل متعلقہ صوبہ میں سکونت پذیر ہو لیکن شرائط عائد کرنے میں مانع نہ ہو گا۔[3]

1962ء کا آئین بھی خواتین کو بحیثیت شہری آرٹیکل نمبر 14 میں اس طرح کے حقوق دیتا ہے کہ

کسی شہری کو نسل، مذہب، یا جائے پیدائش یا جائے رہائش کی بنا پر ملازمت دینے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔[4]

---

① دستور پاکستان 1973: ص 12

② دستور پاکستان 1973: ص 16

③ دستور پاکستان 1956: ص 4

④ دستور پاکستان 1962: ص 9

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء کا آرٹیکل نمبر 27 عورتوں کے حقوق کا یوں تعین کرتا ہے کہ

کسی شہری کے ساتھ جو بہ اعتبار دیگر پاکستان کی ملازمت میں تقرر کا اہل ہو کسی ایسے تقرر کے سلسلہ میں محض، نسل، مذہب، ذات، جنس، سکونت یا جائے پیدائش کا بنا پر امتیاز نہیں رکھا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ یوم آغاز سے زیادہ سے زیادہ دس سال کی مدت تک کے طبقے یا علاقے کے لوگوں کے لئے عہدے محفوظ کیے جاسکتے ہیں۔

مزید شرط یہ ہے کہ مذکورہ ملازمت کے مفاد میں مخصوص عہدے پر ملازمتیں کسی ایک جنس کے افراد کے لیے مخصوص کی جا سکتی ہیں۔ اگر مذکورہ عہدوں یا ملازمتوں میں اپنے فرائض اور کارہائے منصبی کی انجام دہی ضروری ہو جو دوسری جنس کے افراد کی جانب سے مناسب طور پر انجام نہ دیے جاسکتے ہوں۔[1]

دساتیر میں عورتوں کے حقوق عمل درآمد کے تناظر میں

مادر وطن پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہاں کے باسیوں کو آزادی تو مل گئی مگر عورتوں کے حقوق کا حصول ایک کھٹن مرحلہ تھا کچھ حقوق تو انہیں آسانی سے حاصل ہو گئے لیکن چند حقوق کی خاطر انہیں بھرپور تحریک چلانا پڑی اس دوران انہیں کافی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ پاکستان کی پہلی مقننہ میں دو خواتین نمائندہ تھیں۔ ایک بیگم جہاں آرا شاہنواز جو کہ مسلم لیگ کی تجربہ کار اور سرکردہ خاتون تھی اور دوسری بیگم شائستہ اکرام اللہ جو کہ مشرقی پاکستان کے سہروردی خاندان سے تھی یہ دونوں خواتین حقوق کی اس جدوجہد میں ہراول دستے میں شامل تھیں۔

1948ء میں عورتوں کے معاشی حقوق کے لئے پہلی باقاعدہ کوششیں کی گئی۔ بجٹ بحث کے دوران شریعت بل پر مشتمل ایک رپورٹ ہاؤس کو پیش کی گئی جسے ایک منتخب کمیٹی نے بنایا لیکن آخری لمحوں میں یہ بل کاروائی سے حذف کر دیا گیا اس پر پنجاب اسمبلی کی خواتین ارکان بہت ناراض ہوئیں اور اس مسئلہ کو مسلم لیگ کی خواتین کمیٹی میں لے گئیں۔ اور ہزاروں خواتین نے اسمبلی ہال کی طرف مارچ کیا اور پرجوش نعرے لگائے۔[2]

بیگم جہاں آرا شاہنواز اور دیگر خواتین کی قیادت میں مسئلہ کو وزیراعظم لیاقت علی خان کے پاس لے جایا گیا اور آخر کار 1948ء کا مسلم شریعت پرسنل لاء مؤثر ہوا۔ اس قانون کے تحت عورتوں کو جائیداد میں وراثت کا حق دیا گیا۔

عورتوں سے متعلق اہم قوانین میں مسلم پرنسل لاء آف شریعت تھا جو 1951ء میں پھر موثر ہوا اور اس کے تحت عورتوں کو زرعی آراضی میں وراثت کا حق دیا گیا اس قانونی حق کے لئے عورتوں نے 1948ء میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔

اس کے علاوہ حکومت نے عورتوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات کیے ’مین پاور ڈویژن‘ میں ایک سیل قائم کیا گیا تاکہ وہ کارکن خواتین کے معیار زندگی کا تجزیہ کرے۔

الغرض پاکستان میں دساتیر کے ذریعے بڑی حد تک عورتوں کی حیثیت اور حقوق کا دھیان رکھا گیا ہے۔ عورتوں کے معاشرتی،

---

① دستور پاکستان 1973 : 13

② "Women,s Role in the Pakistan movement and the formative years paper read in the soyoptomist club, seminar By Anis Mirza, women in public life october 1972 , Lahore, P.4

سیاسی اور معاشی حقوق کے حوالے سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسی شہری کو ذات، جنس اور جائے پیدائش کی بنا پر فوقیت نہیں دی جائیگی۔

دساتیر میں عورتوں کے معاشی حقوق کا اسلامی تعلیمات سے موازنہ

پاکستان کے دساتیر میں عورت کی ملازمت اور حقوق کا ذکر ہے اس سلسلہ میں دساتیر میں درج ہے کہ محض جنس کی بنیاد پر کسی فرد کو ملازمت دینے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ عورت کے معاشی حقوق کو تسلیم کرتا ہے لیکن جدید سوچ اور اسلامی تعلیمات میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اسلام عورت پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالتا کہ وہ حصول معاش کے لیے ملازمت کرے۔

اسلام خاندان کی کفالت کا ذمہ دار تنہا مرد کو بناتا ہے اس لیے کہ معاش کی دوڑ دھوپ اور ضروریات زندگی فراہم کرنی کی ذمہ داری اللہ نے مرد پر ڈالی ہے اس کی مناسبت سے اس کو اللہ نے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوت عطا فرمائی ہے۔

اجتماعی زندگی کی تگ و دو میں بوقت ضرورت عورت نمایاں حصہ لے سکتی ہے مگر عام حالات میں اسے اجتماعیت کے کھلے میدان میں گھل مل کر کام کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اسے چند حدود سے متعین کر دیا گیا ہے تاکہ وہ کھل کر کام کر سکے۔

پاکستان کے دساتیر میں عورتوں کو مردوں کے مساوی ملازمت کا حق دیا گیا ہے تو اسکے کئی نقصان دہ پہلو ہیں اگر عورتوں کو مردوں کے برابر حق ملازمت دے دیا جائے تو مردوں کی بے روزگاری میں اضافہ ہو گا اور وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکے گا۔

اس لیے پاکستان کے دساتیر میں موجود لفظ جنس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام بھی اس چیز کو گوارا نہیں کرتا کہ عورت مردوں کے مساوی معاشی دوڑ دھوپ میں حصہ لے بغیر کسی معاشی مجبوری کے، البتہ اسلام نے عورت کے جو معاشی حقوق تسلیم کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

> مہر، نان نفقہ، وراثت، ملکیت اور اس میں تصرف کی اجازت، کاروبار اور عمل آزادی کا حق، پاکستان میں عورتوں کے معاشی حقوق کے حوالے سے جو جدوجہد جاری ہے اس میں یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اس ضمن میں کی جانے والی جدوجہد کی قیادت کرنے والی خواتین نے اپنی کوششوں میں اس بات کو خاطرہ خواہ حد تک ملحوظ نہیں رکھا کہ ان کا دین (اسلام) جو در اصل عورت کے حقوق و تحفظات کا حقیقی معنوں میں محافظ ہے، ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ جدوجہد دین اسلام میں عورتوں کے دیے گئے حقوق کے تناظر میں کی جاتی۔

پاکستانی عورت واقعی اس بات کی مستحق ہے کہ اسکے حقوق کے لیے آواز اٹھائی جائے لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسکی خستہ حالی کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے اس کا مزید استحصال کیا جائے اور خستہ حالی کی آڑ میں اسے غیر اسلامی سوچ رکھنے والے لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی اجازت دے دی جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ قانونی اعتبار سے عورت کو بڑی حد تک مرد کے برابر حقوق مل چکے ہیں۔

قانونی حیثیت تسلیم کی جا چکی ہے، حق روزگار بھی اسے دیا گیا ہے بحیثیت عورت اسے جن جن مقامات پر خصوصی رعایت کی ضرورت ہوتی ہے اسے وہ مراعات بھی دی جا چکی ہے لیکن یہ امر ہنوز توجہ طلب ہے کہ عورت کو حقیقی معنوں میں باقاعدہ طور پر معاشی و معاشرتی حقوق دیے جانے چاہیے اس وقت بھی پاکستان میں ہزاروں ایسی خواتین ہیں جنہیں نہ تو اپنے معاشی حقوق کا علم ہے اور نہ ہی وہ مناسب وقت پر اس سے مستفید ہوتی ہے۔ اصل مسئلہ ان حقوق و تحفظات کا ایک عام عورت تک پہنچنا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا اسلامی نظام عدل و مساوات قائم کیا جائے جو اسلامی اصولوں کو عملی طور پر نافذ کر سکے۔

③

بابِ سوم

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل

اور اُن کا حل

فصل اول حق میراث سے متعلّقہ مسائل

فصل دوم حق مہر سے متعلّقہ مسائل

فصل سوم حق نان ونفقہ سے متعلّقہ مسائل

فصل چہارم حق سکنیٰ سے متعلّقہ مسائل

1

فصلِ اول

حق میراث سے متعلقہ مسائل

حق میراث سے متعلقہ مسائل

لفظ وراثت مادہ ارث اور ورث سے ہے جو دراصل ایک ہی ہے۔

وراثت ترکہ، ورثہ وہ مال واسباب جو مرنے والا چھوڑ جائے ورثا وارث کی جمع، میراث پانے والے ورثہ پانے والے۔

لفظ وراثت کے دو معنی ہیں: 1. البقاء 2. انتقال: کسی ایک فرد سے دوسرے فرد تک کسی شے کی منتقلی۔ (1)

وراثت: اسم مونث مرد کے مال کا وارث ہونا۔

ورثہ: ترکہ میراث، مرنے والے کا چھوڑا ہوا مال واسباب۔ (2)

ورثہ: اسم مذکر: میراث پانے والے لوگ (وارث کی جمع جو ورثا بھی آتی ہے)۔

ورثہ: اسم مذکر۔ ترکہ مردے کا مال جو حقدار کو پہنچے۔

علامہ علاؤالدین الحصفکی رحمہ اللہ وراثت کی تعریف بیان کرتے ہیں:

"الإرث لغة لقاء شخص بعدالموت آخربحيث يأخذالباقي مايخلفه الميت"

کہ لغت کے اعتبار سے کسی شخص کا کسی دوسرے کی موت کے بعد اس حیثیت میں آجانا کہ وہ اس مال کا کچھ لے گا جو مرنے والے نے پیچھے چھوڑا ہے۔

وراثت کی اصطلاحی تعریف

قانون وراثت علم المیراث کہلاتا ہے۔وراثت کے لیے کسی قانونی اور مخصوص رشتے کا ہونا ضروری ہوتا ہے ۔غلام میراث کا وارث قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسلامی فقہ کی رو سے مسلمان کسی فرد کو وارث مقرر نہیں کر سکتا نہ ہی کسی وارث فرد کو اسکے حق سے عاق کر سکتا ہے۔ اسکے علاوہ میراث میں سب سے پہلے جنازے کے اخراجات پھر قرضے منہا کر لیے جاتے ہیں۔اس کے بعد جو کچھ بچے اسکی ایک تہائی میراث بمطابق وصیت تقسیم کر دی جائیگی۔اور یہ نہ ہوں تو عصبات میں تقسیم ہو گا اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو ذوی الارحام میں تقسیم ہو گی۔

کسی متوفی کے ورثاء میں اسکے ترکہ کی تقسیم کی جانے والی چیز کو وراثت کہیں گے جس میں تقسیم کی جائے وہ وارث یا ورثاء کہلاتے ہیں تقسیم کا اصول وراثت کہلاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ وراثت کی تعریف بیان کرتے ہیں:

---

① اردو دائرہ معارف : 4 / 1 / 28

② جواھر الغات از بشیر احمد صدیقی : ص771

"الورثة الحقيقة هي أن يحصل للإنسان شيء لايكون عليه فيه تبعه ولا عليه محاسبة."

وراثت کے فقہی معنی یہ ہیں کہ انسان کوئی چیز بغیر کسی محنت اور ملکیتی حق کے حاصل کر لیتا ہے۔[1]

بشیر احمد بگوی فرماتے ہیں: وراثت سے مراد وہ تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ جو میت کی اپنی کمائی ہوئی یا اسکے اپنے آباؤ اجداد سے ملی ہو یا اسے کسی اور متعلقہ وغیر متعلقہ شخص سے تحفہ کے طور پر ملی ہو اور میت اسے چھوڑ کر مر جائے تو شرعاً اسکو ترکہ یا ورثہ یا مال وراثت یا میراث کہتے ہیں۔[2]

عبد الرشید السجاوندی وراثت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي العرف والإصطلاح الفريضة ماقدر من السهام في الميراث : العلم الفرائض وهو علم يبحث فيه عن كيفية قسمية المواريث بين مستحقها وفيه قوله الفرائض هو فى الإصطلاح علم بأصول من فقه وحساب يعرف به حق الوراثة من التركة"

کہ فقہ کی اصطلاح اور عرف کے مطابق فریضہ کے معنی وراثت کا متعین حصہ ہیں اور علم الفرائض وہ علم ہے کہ جس میں مستحقین کے درمیان وراثت کی تقسیم کی کیفیت سے متعلق بحث کی جاتی ہے اسکو الفرائض بھی کہا جاتا ہے اور اصطلاحی طور پر اسکے معنی ہیں کہ وہ علم جس میں فقہی اعتبار سے وراثت کے اصول اور اسکی شریعت اور حق کے حساب سے بحث کی جاتی ہے۔ وہ فرائض کہلاتا ہے۔[3]

محی الدین عبد الحمید لکھتے ہیں کہ

شریعت اسلامیہ میں وراثت کا اطلاق کسی شخص کا کسی شے کے مالک کی موت کے بعد اس پر مخصوص اسباب وشرائط کے ساتھ استحقاق پر ہوتا ہے۔[4]

المختصر "وراثت سے مراد وہ منقولہ وغیر منقولہ وسائل ہیں جو کسی مرنے والے کی ملکیت میں ہوتے ہیں اور اسکے مرنے کے بعد اسکے ورثاء کو حاصل ہوتے ہیں۔"

کسی شخص نے اپنی زندگی میں کتنی دولت ہی کیوں نہ کمائی ہو اور اس دولت کو کتنا ہی سنبھال سنبھال کر کیوں نہ رکھا ہو۔ اسکے مرتے ہی سب کچھ اس کے وارثوں کی ملکیت قرار پاتا ہے۔ ورثاء میں بیوی اور اولاد ہی نہیں ماں باپ بھی ہوتے ہیں۔ بعض حالات میں بھائی بہن بھی وراثت میں اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔

---

① مفردات فی غرائب القرآن از راغب اصفهاني : ص519

② کلید وارثت از بشیر احمد بگوی : ص13

③ السّراجي، محمد بن عبد الرشيد السجاوندي : ص 3

④ أحكام المواريث از محي الدين عبد الحميد : ص 5

وراثت کی اہمیت

انسان کو اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ روپے کی صورت میں ہو یا اشیاء کی شکل میں۔ ہر انسان کے پاس چاہے وہ شاہ ہو یا گدا کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے۔ جو اس کی وفات کے بعد مال میراث کہلاتا ہے۔ میراث کی تقسیم کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تقسیم میراث کی ضرورت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی نہیں محسوس کی گئی بلکہ یہودیوں، رومیوں اور ایرانیوں نے بھی اس اہمیت وضرورت کو محسوس کیا اور نظام ترتیب دیے یہ اور بات ہے کہ ان کے نظام تشنہ تکمیل تھے۔ اسلام وراثت کا ایک مکمل اور جامع نظام پیش کرتا ہے۔ وراثت کا علم اہم اور قابل قدر علم ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں خاص طور سے نہایت وضاحت کے ساتھ اسکی تعلیم دی ہے اور ہر ایک وارث کے حصص جدا جدا مقرر فرمائے ہیں اللہ تعالی وراثت کے احکام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴾ [1]

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

پس جب یہ علم اور اسکے مطابق عمل کرنا حسب ارشاد باری تعالی باعث ہدایت اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور اس سے ناواقف رہنے میں ضلالت وگمراہی کا اندیشہ ہے اور اسکے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ دوزخ ہے تو اسکے سیکھنے، سکھانے اور عمل کرنے میں جس قدر فضیلت ہوگی اسکا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔[2]

اس سلسلے میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرائض اور حقدار جسے اللہ تعالی نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو انکی قرابت کی نزدیکی اور اورانکی ضروریات کے مطابق جتنا جسے دلوایا ہے۔ یہ سب اللہ کی حدود ہیں تم ان حدود کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ کے ان احکام کو مان لے اور کسی وراثت کے حصہ کو کم وبیش دلوانے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ کے حکم اور فریضہ جوں کا توں بجالائے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ بہنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو اللہ کے حکم کو بدل دے اور اسکے خلاف عمل کرے اور اللہ کی تقسیم کو عدل نہ سمجھے تو اس شخص کے لیے دردناک عذاب ہے۔[3]

بسا اوقات انسان اپنے ذاتی میلان کی بناء پر ایک دوسرے کو ترجیح دیتا ہے لیکن یہ ترجیح دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے غلط ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کسی کو اپنے ذاتی میلان کی بناء پر نظر انداز کرتا ہے حالانکہ بعد کے حالات ثابت کرتے ہیں کہ ان کا یہ رویہ صحیح نہیں تھا۔ بس روش یہی ہے کہ آدمی جو قدم اٹھائے اپنے ذاتی میلانات کی بجائے شریعت کی ہدایت کے مطابق اٹھائے۔ اسی میں

---

① سورۃ النساء، 4 : 13

② اسلام اور وراثت از نسیم احمد قاسمی: ص20

③ تفسیر القرآن العظیم : 1 / 461

خیر وبرکت ہے۔ جو لوگ شریعت کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں وہ اللہ کے علم و حکمت کی تحقیر کرتے ہیں۔ جسکی سزا بالعموم انہیں دنیا میں ملتی ہے اور آخرت میں تو بہر حال ملنی ہی ہے۔[1]

اس علم کی اہمیت محض عقلی نہیں بلکہ نصوص سے بھی ثابت ہے کہ اس علم کے سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَالْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ »[2]

فرائض اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لیے کہ میں وفات پانے والا ہوں۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

« تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْتَزَعُ مِنْ أُمَّتِي »[3]

فرائض کا علم سیکھو اور سکھلاؤ کیونکہ یہ علم کا آدھا حصہ ہے اور یہ علم بھلا دیا جائے گا اور سب سے پہلے میری امت سے چھین لیا جائے گا۔

اس طرح یہی وہ علم ہے جو انسانوں میں محبت و انس پیدا کرنے کا باعث ہے اس کے ذریعے انسانی تعلقات کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کسی شخص کے مال کو اسکی زندگی سے نکال دیجیے تب اسکے رشتہ داروں کا رویہ اسکے ساتھ ایک دوسرے انداز میں سامنے آتا ہے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسانی تعلقات محض مال پر مبنی ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ان تعلقات کو استوار کرنے میں مال یقیناً اہم کردار ادا کرتا ہے۔

وراثت کی اہمیت کے بارے میں نسیم احمد قاسمی فرماتے ہیں کہ

یہ علم اور اسکے مطابق عمل کرنا حسب ارشاد باری تعالی باعث ہدایت اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور اس سے ناواقف رہنے میں ضلالت و گمراہی کا اندیشہ ہے اور اسکے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ دوزخ ہے، تو اسکے سیکھنے، سکھانے اور عمل کرنے میں جس قدر فضیلت ہوگی اسکا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔[4]

تقسیم وراثت کی حکمت

وراثت کی تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ حقوق انکے حقداروں کو پہنچائے جائیں اور ورثاء اپنے حصوں پر قادر ہو جائیں۔ یہ تقسیم اللہ تعالی کے علم اور حکمت پر مبنی ہے۔ اللہ کا علم پیش و عقب ہر چیز پر حاوی ہے اور غائب و حاضر سب پر محیط ہے کسی کا علم اسکے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا اسوجہ سے اللہ کی اس تقسیم پر نہ تو اپنے علم و فلسفے کے غرلے میں کسی کو معترض ہونا چاہیے اور نہ ہی جوش میں کوئی قدم

---

① تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی : 2 / 261

② سنن الترمذي : كتاب الفرائض عن رسول الله، باب ما جاء في تعليم الفرائض، 2091

③ سنن الدار قطني : كتاب الدار قطني، باب الفرائض والسنن غير ذلك، 4103

④ اسلام اور وراثت از نسیم احمد قاسمی : ص20

اسکے خلاف اٹھانا چاہیے۔[1]

مولانا اشرف علی تھانوی احکام وراثت اور تقسیم وراثت کی حکمت اور وجوہات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اسلام نے میت کی جائیداد میں حقداروں کے حصے اس لیے متعین کیے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں۔ اگر میت کے اقربا اور وولیوں میں سے کل جائیداد کا ایک ہی شخص کو کلی اختیار دے دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائیداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑادیتے ہیں اور اپنے عیش کے سوا دوسروں کے حقوق کی پروانہیں کرتے اور جائیداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ میراث میں حصہ مقرر ہونے کی فلاسفی اللہ تعالی نے قرآن کریم میں یہ بیان کی کہ

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ ٱلْقِسْمَةَ أُو۟لُوا۟ ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينُ فَٱرْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا۟ لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾[2]

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش و اقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔

اس جگہ یتامی کا ذکر اس لیے خصوصیت سے کر دیا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور بڑے بیٹے یا میت کے دوسرے اقرباء سارے مال کو سمیٹ لیتے ہیں لہٰذا ایسا کرنے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔[3]

اہل جائیداد کی مصلحت بیان کرنے کے بعد مولانا خود جائیداد کی تقسیم کی مصلحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جائیداد کے حقوق اور حصے متعین ہونا خود جائیداد کے لیے حفاظت واستحکام کا موجب ہے کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے معین حقوق کی وجہ سے اس مشترکہ جائیداد کی بہتری اور بہبود کے لیے کوشش کریگا۔ پس جس جائیداد کے حقدار زیادہ ہونگے اسی قدر اس کے لیے استحکام کا سبب ہے۔ یہ تو مشترک رہنے کی صورت ہے اگر جائیداد تقسیم کرلیں تو ہر شخص اپنے نفع کے لیے اسکی ترقی کے لیے خاص اہتمام کریگا۔[4]

شریعت کے قوانین میں کچھ چیزیں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شارع نے صرف اس اصول کو بتا دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسکی بعض ضروری تفصیلات بھی فرمادیں جو بلکل فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ چنانچہ اقرب وابعد ہونے کا فیصلہ فطری اور طبعی معیار پر ہی کیا گیا ہے اور جن مواقع پر عقل انسانی اقرب وابعد کا فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کرتی ہے وہاں شریعت نے صراحت فرمادی ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی : 2 / 260

② سورۃ النساء، 4 : 7- 8

③ المصالح العقلية الأحكام النقلية : ص 301 - 306

④ المصالح العقلة الأحكام النقلية : ص 310

مختلف انسانوں کی عقلیں عموماً الگ الگ فیصلہ کرتی ہیں اس صورت میں کس کی عقل کو معیار بنایا جائے۔ پس عقل انسانی سے بالاتر بارگاہ کے فیصلے ہی معیار بنائے جائیں۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے۔ یہ امر سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے کہ وراثت کی بنیاد پر محض احتیاج و افلاس پر یا اس جیسی دوسری وقتی وعارضی چیز پر نہیں ہے ورنہ ہر ضرورت مند رشتہ دار، پڑوسی کو زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ وراثت میں رشتہ کا قرب ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اقرب وابعد رشتہ داروں کی موجودگی میں ترجیح قریب تر رشتہ ہی کو دی جانی چاہیے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو تقسیم میراث کا ضابطہ دیا ہے وہ بلاشبہ انسانوں کے حق میں بہتر اور مفید ہے اس لیے اللہ سبحانہ انسانوں سے زیادہ ان کی مصالح سے واقف ہیں اور ان پر والدین سے بھی زیادہ شفیق ہے اور انسانوں کا اپنے بارے میں سمجھنا کہ وہ اپنی مصالح سے واقف ہیں اور بہتر تقسیم کرسکتے ہیں۔ دعویٰ باطل اور جاہلیت ہے۔ اس قانون میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی نفس سے پیدا ہونے کے اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ عورت، مرد اور بچے، بڑے جس سے کسی کو محروم نہیں کیا گیا ہر فرد کا حصہ اس لحاظ سے مقرر کیا گیا کہ وہ خاندانی اور اجتماعی کفالت میں کس قدر حصہ ادا کرتا ہے اس نظام میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ انسان اپنی اولاد کو باقی تمام اقرباء پر ترجیح دیتا ہے اور اس لیے بھی کہ آنے والی نسل تحفظ نوع کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اسکے ساتھ دیگر قرابتوں کو بھی محروم نہیں کیا گیا بلکہ انکے مطابق انکا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اسلام کا قانون میراث اس بات کا ضامن ہے کہ جب کبھی کسی ایک جگہ دولت کا ارتکاز ہو جائے تو یہ قانون اسکے اجزاء اور حصص بنا کر معاشرے میں پھیلا دے اور ثروت کو اکھٹا ہونے سے روکے جس طرح ان نظاموں میں دولت کا ارتکاز ہوتا رہتا ہے جس میں وراثت اکبر کا اصول جاری ہے۔ اسلام کا قانون میراث معاشرے کی اقتصادی زندگی کی وقتاً فوقتاً تنظیم کرتا رہتا ہے اور بغیر کسی اختیار اور اقتدار کی مداخلت کے از خود اعتدال قائم رکھتا ہے کیونکہ انسان اپنے بخل اور لالچ کی بناء پر اس بیرونی مداخلت کا متحمل نہیں ہوتا مگر چونکہ قانون اسلام کی یہ تقسیم در تقسیم اسکی فطرت، مزاج اور طبیعت سے ہم آہنگ ہے اس لیے انسان اس پر راضی ہو جاتا ہے اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں اور انسانوں کے قانون میں یہی فرق ہے۔[2]

اسلام کا قانون وراثت فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے عائلی محبت کے رشتوں کو استوار کرتا ہے۔ دولت کے غیر منصفانہ ارتکاز کو روکتا ہے اور اجتماعی ربط وضبط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے حقوق کی ضبط و تحدید ہوتی ہے۔ تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو کہ اسکا حصہ کیا ہے تاہم کوئی وجہ پریشانی یا احساس محرومی نہ ابھرنے پائے۔ اگر یہ حصے مقرر نہ ہوتے اور محض شخصی پسند وناپسند پر معاملہ رہتا تو خاندان میں افتراق رہتا اور ایک ہموار عائلی آمدنی کے لیے یہ امر باعث اختلاط ہوتا۔

اسلام کی رو سے اموال افراد کے پاس ملک مجازی ہیں حقیقی مالک خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اموال انسانوں کے پاس محدود مدت کے لیے امانت ہیں اور انسان محض امانت دار ہیں اس لیے اللہ نے ان کی مرضی پر نہیں چھوڑا کہ وہ (جیتے جی اور) مرنے کے بعد اپنی خواہش کے مطابق صرف کریں۔ بلکہ اس کے لیے صریح اور واضح نظام نامہ اور دستور العمل اللہ تعالیٰ نے بطور فرض قطعی تجویز

---

① المصالح العقلية للأحكام النقلية : ص 310

② المصالح العقلية للأحكام النقلية : ص 310

کر دیا ہے جس میں فرد اور جماعت دونوں کا فائدہ ہے۔ (1)

احکام میراث کی حکمت اور وضاحت وبلاغت کے بارے میں اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں کہ یہ احکام جو قرآن مجید کے نصف صفحہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ ایسی فصیح وبلیغ اور مفید ومختصر عبارت میں کیے گئے کہ ان الفاظ کا اختصار ووضاحت اور معانی ومطالب کی حکمت طاقت انسانی سے باہر ہے وہی ذات حکم الحاکمین ہے جس نے حسن انتظام سے مختلف حالات کے مناسب وارثوں کے مختلف حصے تجویز فرمائے۔

مزید لکھتے ہیں:

باوجود یہ کہ ان احکام کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ظاہر ہیں اور کچھ نہ کچھ ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن چونکہ عقل انسانی پوری مصلحت شناسی سے قاصر ہوتی ہے بعض احکام کی حکمتیں بعض لوگوں کے ذہن وخیال میں نہیں آتیں۔ کبھی عین منفعت کو مضرت اور کبھی مضرت کو منفعت سمجھنے لگتے ہیں اس لیے ان احکام کے ذکر سے چند مرتبہ متنبہ کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے عزیز واقرباء میں نفع بخش اور نقصاں رساں کو نہیں جانتے اور کم وبیش حصوں کی حکمتیں اور مصلحتیں نہیں پہچانتے۔ اللہ تعالی ان تمام باتوں سے خوب واقف اور سب سے زیادہ عالم ہے ۔اسی کے فرمانے پر اعتماد رکھو اور سمجھ لو کہ دین ودنیا میں اس سے زیادہ نافع احکام اور مفید صورتیں تجویز نہیں ہو سکتی۔ (2)

چنانچہ ایک موقع پر ارشاد باری ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ وَلِأَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٞ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴾ (3)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دوسری لڑکی کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس میت کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

---

(1) اردو دائرہ معارف اسلامیہ : 4 / 1 / 28

(2) مفید الوارثین از اصغر حسین دیوبندی : ص26

(3) سورۃ النساء، 4 : 11

دیگر مذاہب میں عورت کی وراثت

مختلف مذاہب میں عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا اگر حصہ ملتا ہے تو ایسی صورت میں جب بیٹا باپ یا بھائی موجود نہ ہوتے۔

یہودیت میں عورت کی وراثت

اگر بیٹا ہوتا تو بیٹی کو وراثت میں حصہ نہ ملتا اس صورت میں حصہ ملتا کہ اگر اس کی شادی قبیلے کے کسی فرد سے طے پاتی تو اسکو جائیداد میں سے چھوٹا موٹا حصہ مل جاتا۔ یہودیت میں بیوی کو وراثت میں بلکل حصہ نہ ملتا اسکی باقی معاشی ضروریات پوری کی جاتی لیکن قانونی طور پر جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا۔ نیز ماں نہ بیٹوں کی جائیداد میں سے حصہ لے سکتی تھی نہ بھائیوں کی اور نہ ہی اپنے شوہر کی۔

ہندومت میں عورت کی وراثت

اگر بیٹا موجود ہو، بیٹے کا بیٹا موجود ہو اسکا بھی بیٹا موجود ہو تو پھر بیٹی کو کوئی بھی حصہ نہ ملتا کیونکہ ہندومت میں تو عورت کو خود جائیداد کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اس طرح بیوی اور بہن کا نہ تو کوئی رتبہ تھا نہ انہیں حصہ دیا جاتا۔ ماں کو آٹھویں نمبر پر حصہ مل سکتا تھا اگر بیٹا موجود نہ ہو، بیٹا کا بیٹا موجود نہ ہو، بیٹی موجود نہ ہو تب ماں کو حصہ مل سکتا تھا۔[1]

عیسائیت میں عورت کی وراثت

عیسائیت میں بھی عورت کو وراثت میں بالکل حصہ نہ ملتا بلکہ خود عورت کو جائیداد کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا اسلام نے عورت کو اس کا حق دلوایا اور عورت کو بحیثیت بیٹی، ماں، بیوی اور بہن وراثت میں حصہ دلوایا اور جاہلیت کے دور کا خاتمہ ہوا۔

Chinese اور لاطینیوں کے ادوار کو بھی دیکھا جائے تو عورت کو وراثت میں بحیثیت بیٹی بیوی یا ماں و بہن کوئی حصہ نہ ملتا کیونکہ ہر مذہب میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل رہی ہے۔

قبل از اسلام عربوں کی وراثت میں عورت کا حصہ

اسلام سے پہلے عرب میں عورتوں کو وراثت میں بالکل حصہ نہ ملتا تھا کیونکہ وہاں سوسائٹی کا یونٹ پدر نسلی اور پدر سرداری پر قائم تھا۔ قبائلی جانشینی بھی جدی مرد رشتہ دار تک محدود تھی۔ یہ نظام قبائلی وراثت کو قبیلے میں ہی رکھنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔[2]

ایک پر ستم طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ مرنے والے کا مال صرف وہی مرد لیتے تھے جو پورے مرد جوان ہوں میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوں۔ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو میراث نہ ملتی تھی مفلس و بیکس بیوہ اور معصوم یتیم واجب الرحم لڑکے اور لڑکیاں روتے چلاتے رہ جاتے اور جوان قوی مالدار چچا اور بھائی آکر سب مال پر قبضہ کر لیتے آخر اہل عالم کی حرکات دیکھ کر غیرت خداوندی کو جوش آیا رحمۃ اللعالمین مبعوث ہوئے اسلام کا نور پھیلنا شروع ہوا اور میراث کی تقسیم کا حکم آپہنچا۔

---

① Status of women in Islam,P:189

② جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین : ص 182

ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت دو باتوں میں ایک دوسرے کے ہوتے اول: نسب دوم: سبب۔[1]

نسب کی بنیاد پر وراثت کے استحقاق کی وجہ سے وہ نابالغوں اور عورتوں کو وراثت قرار نہیں دیتے تھے۔ صرف ان لوگوں کو وراثت کا حقدار سمجھتے تھے۔ جو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائیوں میں حصہ لے سکیں اور مال غنیمت سمیٹ سکیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے پھر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِ ﴾

سبب کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث ہونے کی دو صورتیں تھیں اول حلف اور معاہدہ دوم تبنی

شیبان رضی اللہ عنہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا ایک شخص دوسرے شخص سے عہد و پیماں باندھتے ہوئے کہتا تھا کہ میرا خون تیرا خون ہے، میری قبر تیری قبر ساتھ میں، تیرا وارث میں، تو میرا وارث، تو جرم کرے گا تو جرمانہ میں بھروں گا۔

اور ایک صورت یہ تھی کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنالیتا تھا۔ جب وہ شخص مر جاتا تو اسکی میراث اسکے منہ بولے بیٹے کو مل جاتی تھی پھر ایک اور سبب جسکی بنا پر میراث کو واجب قرار دیا گیا تھا وہ ہجرت تھی اللہ تعالی نے ان سب طریقوں کو منسوخ قرار دے دیا۔

ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسلام میں کسی حقیقی وارث کو نظر انداز نہیں کیا جاتا ہر ایک کا حصہ میراث میں ہے اور طے شدہ اصولوں کے تحت دیا جاتا ہے۔[2]

زمانہ جاہلیت میں تقسیم میراث کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب تفسیر فتح القدیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: "کان أهله جاهلیة لا یورثون البنات ولا الصغار حتی یدرکوا"

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت نہ تو عورتوں کو میراث دیتے تھے اور نہ بالغ ہونے سے پہلے لڑکوں کو۔[3]

اسلام میں عورت کی وراثت کا آغاز

اسلامی تاریخ اور تفسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مکہ معظمہ میں رہے۔ میراث ان کے درمیان طریقہ جاہلیت کے مطابق تقسیم ہوتی رہی۔ مدینہ میں بھی کچھ دیر اسی پر عمل رہا پھر سورۃ النساء نازل ہو گئی جس میں میراث کے اصول اور ورثاء کے حصے و حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ اسکے مطابق مسلمانوں کے درمیان وراثت تقسیم ہونے لگی۔

اس طرح رفتہ رفتہ زمانہ جاہلیت کے طریقہ کا خاتمہ ہو گیا۔

---

① أحكام القرآن از أبو بكر جصاص : 3 / 2 / 14

② أيضا

③ فتح القدير از امام شوكانى : 1 / 394

ابھی لوگوں کے درمیان طریقہ جاہلیت کے مطابق میراث تقسیم ہو رہی تھی کہ اس اثناء میں ایک تکلیف دہ واقعہ پیش آگیا جسکی تفسیر مفسرین نے اسطرح نقل کی ہے:

ایک انصاری صحابی ثابت بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا انہوں نے ایک زوجہ اور دو بیٹیاں چھوڑیں حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصیتوں کو اپنے مال کا کارپرداز اور وصی بنایا تھا انہوں نے حسب رواج کل مال اوس کے چچازاد بھائیوں خالد اور عرفطہ کو دے دیا۔ زوجہ اور بیٹیاں روتی رہ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ پہنچا تو آپ کو شدید افسوس ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم صادر نہ کیا کیونکہ ابھی تک وراثت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو تسلی دیکر واپس لوٹا دیا کہ صبر کرو جب تک اللہ کی طرف سے حکم آجائے یہاں تک کہ ارشاد نازل ہوا۔

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [1]

ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔(جو ماں باپ ارو خویش واقارب چھوڑ کر مریں)خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس قصہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک دوسرا واقعہ پیش آگیا کہ سعد بن ربیع جنگ احد میں شہید ہوئے تو انکے بھائی نے حسب دستور قدیم کل مال پر قبضہ کر لیا ،زوجہ اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں ۔اس مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالی اسکا فیصلہ فرما دیں گے۔ یہ تو واضح ہو چکا تھا کہ میراث میں عورتوں کا حصہ بھی ہے صرف حصہ اور مقدار معین ہونے کا انتظار تھا حتی کہ میراث کا سب سے آخری اور قطعی فیصلہ اور شرعی حکم [2] نازل ہو گیا اسطرح اسلام کے اس پر حکمت اور سب سے آخری قاعدہ میراث کے مطابق جو سب سے پہلی میراث تقسیم ہوئی ہے وہ یہی سعد بن ربیع کی میراث تھی۔

اسلامی شریعت میں وراثت

وراثت کے احکام سورہ نساء میں بصراحت وارد ہوئے ہیں ان آیات میں کہیں تو اللہ نے محکم انداز میں حکم دیا جیسے ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ﴾ [3]

کہیں موقع کی مناسبت سے ترغیب کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے یتیم و مسکین کے ساتھ بھلے مانسوں کا سا سلوک کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ میت کے ترکہ میں سے کچھ انہیں بھی دیا جائے۔

کہیں ترغیب کی غرض سے لوگوں کو ڈرایا کہ وہ اپنے بارے میں سوچ لیں کہ اگر وہ بھی بے آسراء اولاد چھوڑ جاتے تو مرتے وقت انہیں اپنی اولاد کے بارے میں کیا اندیشے لاحق ہوتے ارشاد ربانی ہے۔

① سورۃ النساء، 4 : 7

② سورۃ النساء، 4: 11- 12

③ سورۃ النساء، 4 : 7

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلْيَتَٰمَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِى بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَٰحِدَةً فَلَهَا ٱلنِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (1)

جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دوسری لڑکی کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس میت کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

اس طرح کتب حدیث میں وراثت کے بارے میں نبی ﷺ کے بہت سارے ارشادات ملتے ہیں۔

اسلام نے میراث کا ایک مستحکم اور عادلانہ نظام قائم کیا اور اس طرح ان گوناگوں مظالم کا خاتمہ کیا جو عرب اور دیگر قوموں میں رائج تھے۔

مرد و عورت کے حصوں کے تناسب میں فرق کی حکمت

اسلام نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی میراث میں حصہ دار بنایا ہے اگرچہ مرد عورت کے حصوں کے تناسب میں فرق ہے لیکن اس فرق کی بھی کئی حکمتیں ہیں مختلف مفسرین اور صاحب فکر و دانش نے مرد و عورت کے حصوں کی کمی بیشی کی حکمت اور مصالح کو بیان کیا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دے دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا۔ یہاں ان دونوں کے حصوں میں فرق رکھا اس لیے مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں ہیں۔ مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور دیگر اخراجات کی کفالت اور کسب اور اسی طرح کی مشقتیں تو انہیں انکی حاجت کے مطابق عورتوں سے دگنا دلوایا۔(2)

---

① سورۃ النساء، 4 : 10-11

② تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر : 1 / 459

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے مطابق اسکی حکمت اور وجوہات یہ ہیں کہ ''عورت کے اخراجات کم ہیں کیونکہ اسکا خرچ اسکا شوہر برداشت کرتا ہے اور مرد کے اخراجات زیادہ ہیں کیونکہ اسے اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس لیے زیادہ مال اسکے لیے فساد کا باعث ہو سکتا ہے جبکہ مرد میں زیادہ عقل ہوتی ہے اور مال کو خرچ کرنا جانتا ہے وہ زیادہ لوگوں سے ملتا ہے جبکہ عورتوں کا واسطہ کم لوگوں سے پڑتا ہے۔ (1)

پھر سماجی کاموں کے لحاظ سے بھی مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں مثلاً وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے ملک اور وطن کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک وطن کے دفاع کے لیے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔

مشرقین اور معاندین کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اس نے میت کے ترکہ میں سے مردوں کی بہ نسبت عورت کو کم حصہ دیا جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام عدم مساوات کی تعلیم دیتا ہے جسکے مطابق مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔

اس خیال کی تردید کرتے ہوئے سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> اسلام کا یہ فیصلہ کہ ترکہ میں عورت کے مقابلے میں مرد کو دگنا حصہ ملے گا جنسی مخالفت عدم مساوات پر مبنی نہیں ہے بلکہ مرد و عورت کی عائلی زندگی اور ان دونوں کی ذمہ داریوں پر نگاہ رکھی جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام کا یہ حکم اعتدال و توازن کا شکار ہے۔ اسلامی معاشرے میں اور اسلامی نظام میں مرد جب کسی عورت سے شادی کرتا ہے تو اسپر اسکی بیوی اور اسکے بچوں کی پوری کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شائد ہی کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے جس میں عورت اپنی ذات پر خرچ کرنے کی ذمہ دار ہو اور شادی سے پہلے اور شادی کے بعد اس کی کفالت کی ذمہ داری مردوں پر عائد ہوتی ہے نہ اس پر اپنا نفقہ واجب ہوتا ہے نہ شوہر اور بچوں کا کوئی مالی بوجھ اس پر ڈالا گیا ہے۔ (2)

عورت کو ترکہ میں سے جو حصہ ملتا ہے وہ شائد کبھی کسی اتفاقی اور ہنگامی ضرورت میں کام آتا ہو تو آجاتا ہو ورنہ اکثر رکھا رہتا ہے اور بینک بیلنس بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا شائد بے جا نہ ہو گا کہ شریعت نے ترکہ میں اسکا حصہ مقرر کر کے اس کی محض دلجوئی اور قدر افزائی فرمائی ہے اور معاشرے میں اسکا مقام بلند کیا ہے اسکے علاوہ وہ نکاح کرتی ہے تو اپنا حق مہر لیتی ہے شوہر کی وفات کے بعد اسکے ترکہ میں حصہ لیتی ہے ان پہلوؤں کے سامنے آجانے کے بعد عورت کو اگر چوتھائی حصہ بھی ملا کرتا تب بھی شائد ظلم کا اطلاق اس پر درست نہ ہوتا۔

لہٰذا اسلام میں وراثت کی تقسیم مساوات کی بنیاد پر نہیں بلکہ عین عدل کی بناء پر ہے۔

میراث کے چند اہم اصول

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ

---

① تفسير في ظلال القرآن : 4 / 260

② تفسير الكبير لإمام رازي:5/ 168

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾ (1)

ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ ارو خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

جس طرح مردوں کے لیے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے حصہ مقرر ہے اسطرح عورتیں چھوٹی ہوں یا بڑی ان کا وراثت میں حصہ مقرر ہے خواہ چھوڑی ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو یہ حصہ بھی قطعی طور پر مقرر ہے۔

اسلام سے قبل عورت کا حق یا تو تسلیم ہی نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی گیا تو مردوں سے اسکا وصول کرنا اور اسکا محفوظ رکھنا کسی کی قدرت میں نہ تھا اسلام نے پہلے تو عورتوں کو حقوق دلائے پھر حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا۔

عرب نے تو اصول بنالیا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو اور دشمنوں کا مقابلہ کرے اس کا مال غنیمت جمع کرے اسطرح لڑکا بھی اگر نابالغ ہو تا تو وہ بھی مستحق وراثت نہ سمجھا جاتا۔

استحقاق میراث کا اسلامی ضابطہ

﴿ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ ﴾ ان دو لفظوں نے وراثت کے دو بنیادی اصول بتائے ہیں ایک رشتہ جو اولاد اور ماں باپ کے درمیان ہے اور جسکو لفظ (والدان) سے بیان کیا گیا ہے دوسرے عام رشتہ داری جو لفظ اقربون کا مفہوم ہے اور صحیح یہ ہے لفظ اقربون ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری پر حاوی ہے خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوتے ہیں لفظ اقربون سب پر حاوی ہے والدین کو انکی اہمیت کے پیش نظر بطور خاص جدا کر دیا گیا پھر اس لفظ نے یہ بھی بتادیا کہ مطلق رشتہ وراثت کے لیے کافی نہیں بلکہ رشتہ میں اقرب شرط ہے کیونکہ اگر اقربت کو معیار شرط نہ بنایا جائے تو ہر مرنے والے کی وراثت پوری دنیا کی تمام انسانی آبادی پر تقسیم ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ سب آدم وحوا کی اولاد ہیں دور قریب کا کچھ نہ کچھ رشتہ سب میں موجود ہے لہذا قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں ابعید کو حصہ نہ دیا جائے اور اگر کچھ رشتہ دار ایسے ہوں جو بیک وقت سب کے سب اقرب قرار دیے جائیں اگرچہ وجوہ اقربت ان میں مختلف ہوں تو پھر یہ مستحق وراثت ہوں گے۔

لفظ (اقربون) نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ جس طرح مردوں کو مستحق وراثت سمجھا جاتا ہے اسطرح عورتوں اور بچوں کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جس طرح لڑکا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے اسی طرح لڑکی بھی انہی سے پیدا ہوئی ہے پھر قرآن کا اسلوب دیکھیے کہ (للرجال والنساء) کو جمع کرکے مختصر لفظوں میں ان کے حق کا بیان ہو سکتا تھا اسکو اختیار نہیں کیا بلکہ مردوں کے حق کو جس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس تفصیل و تشریح کے ساتھ عورتوں کا حق جداگانہ بیان فرمایا تاکہ دونوں کے حقوق کا مستقل اور اہم ہونا واضح ہو جائے۔

نیز اسی لفظ (اقربون) سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ قرابت کے معیار سے

---

① سورۃ النساء، 4 : 7

ہے اس لیے ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب یا حاجت مند ہوں انکو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعد کے زیادہ مستحق ہو گا۔[1]

متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہے سب میں وراثت کا حق ہے ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ﴾ فرما کر ایک دوسری جاہلانہ رسم کی اصلاح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض قوموں میں بعض اقسام مال کو بعض خاص وارثوں کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا جیسے گھوڑے، تلوار وغیرہ اور اسلحہ یہ سب چیزیں نوجوان مردوں کا حق تھا دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کر دیا جاتا قرآن نے واضح کہا کہ چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہر چیز میں وارث کا حق ہے کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں کیونکہ میراث کے حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔

﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ اسی لفظ مفروضاً سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ وراثت کے ذریعہ جو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوئی ہے ملکیت جبری ہے نہ اس میں وارث کا قبول کرنا شرط ہے نہ اس کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے بلکہ اگر وہ زبان سے بصراحت یوں بھی کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصے کا مالک ہو چکا دوسری بات یہ کہ مالک بن کر شرعی قاعدے کے مطابق کسی دوسرے کو ہبہ کر دے یا بیچ ڈالے یا تقسیم کر دے۔

میت کے رشتہ داروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو شرعی ضابطہ کے تحت میراث میں سے حصہ نہ ملے گا لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرائض کی تفصیلات کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا عام طور پر رشتہ دار خواہشمند ہوتا ہے کہ اسکو بھی میراث میں سے حصہ ملے اب یہ قرآنی نظام کی خوش اسلوبی ہے کہ ایک طرف عادلانہ ضابطہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو محروم کیا جائے دوسری طرف محروم ہونے والے کی حسرت اور دل شکنی بھی گوارا نہیں کی۔

﴿وَإِذَا حَضَرَ ٱلْقِسْمَةَ أُوْلُواْ ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينُ فَٱرْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾[2]

اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔

اسی میں مرنے والے کا محروم الارث پوتا بھی آ گیا کہ اسکے چچا پھوپھیوں کو چاہیے کہ اسکو اپنے اپنے حصے سے کچھ دے دیں۔[3]

مختلف حیثیتوں سے عورت کی وراثت

بیٹی کا حصہ اور میراث کا بیان

بیٹی کبھی محروم نہیں ہوتی اگر اسکا بھائی یعنی میت کا بیٹا ساتھ ہوتا ہے عصبہ بن جاتی ہے ورنہ ذوی الفروض رہتی ہے اس لیے اس

---

① تفہیم القرآن از مولانا مودودی : ص 309-311

② سورة النساء، 4 : 8

③ معارف القرآن از مولانا مفتی شفیع : ص312 - 313

کے تین حل ہیں۔

اگر صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو میت کے ترکہ میں اسکو نصف ملے گا اور اگر کوئی اور وارث بالکل نہ ہو تو باقی نصف بھی مل جائیگا۔[1]

اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اس دو ثلث کو باہم تقسیم کریں خواہ کتنی ہی بیٹیاں ہوں دو ثلث میں شریک رہیں گی اور برابر تقسیم ہو گا۔

اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہے تو اس صورت میں بیٹی کا حصہ مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس سے نصف ہر بیٹی کو ملے گا خواہ وہ ایک بیٹی ہو یا چار اب وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر ہو گئی ہیں۔

نوٹ: اگر کسی عورت نے انتقال کیا اور اسکے دو شوہروں سے اولاد موجود ہے تقسیم وراثت کے وقت یہ بالکل نہ دیکھا جائے گا کہ بیٹا پہلے شوہر سے یا دوسرے سے یا بیٹیاں پہلے شوہر کی ہیں یا دوسرے کی نہ ہی ایسے ہو گا کہ ایک زوجہ کی اولاد نصف مال پر قبضہ کر لے اور دوسرے کی اولاد نصف لے لے بلکہ جتنی اولاد کی تعداد ہو گی اسقدر حصے ملیں گے۔[2]

ماں کا وراثت میں حصہ

والدہ کو چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ملتا اور نہ کسی دوسرے وارث کی وجہ سے کبھی محروم ہوتی ہے اسکے تین حال ہیں۔

اگر میت کے بیٹا، بیٹی پوتی، پرپوتی موجود ہوں تو میت کی والدہ کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اگر میت کے دو بہن بھائی موجود ہوں تب بھی 1/6 ہو گا یہ بھائی بہن خواہ کسی قسم کے ہیں حقیقی، علاتی یا اخیافی جب ایک سے زیادہ ہوں تو والدہ کو چھٹے حصے سے زائد نہ مل سکے گا خواہ صرف بھائی ہوں، بہنیں ہوں یا دونوں ملے جلے ہوں۔

اگر مرد کا انتقال ہوا ہے اور اسکی زوجہ اور باپ دونوں موجود ہیں یا عورت کا انتقال ہوا ہے اور اسکے شوہر اور باپ دونوں موجود ہیں تو شوہر یا زوجہ کا حصہ شرعی مقرر شدہ نکال لینے کے بعد جو مال باقی رہے اس میں سے 1/3 والدہ کا حصہ ہے۔

اگر مذکورہ بالا وارثوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میت کی والدہ کو کل مال میں سے 1/3 ملے گا یعنی والدہ کو 1/3 ملنے کی تین شرائط ہیں:

میت کے بیٹا بیٹی، پوتا، پوتی، پرپوتی نہ ہوں

میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن کسی قسم کے نہ ہوں

میت کا شوہر اور باپ دونوں اکٹھے زندہ نہ ہوں کوئی ایک زندہ ہو تو مضائقہ نہیں

نوٹ: اگر بجائے باپ کے شوہر یا زوجہ کے ساتھ میت کا دادا ہو تو والدہ کا حصہ کم نہیں ہوتا۔

---

① سورة النساء، 4 : 11

② شرائع الإسلام از نجم الدين جعفر الحلي: 2 / 183-185

بیوی کا وراثت میں حصہ

زوجہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں:

اگر شوہر کے بیٹا بیٹی یا پوتا، پوتی، پڑوتا یا پڑوتی موجود نہ ہو تو کل ترکہ میں زوجہ کو 1/4 ملے گا۔

اگر شوہر کے بیٹا بیٹی یا پوتا، پوتی موجود ہو تو زوجہ کو صرف 1/8 حصہ ملے گا۔

بہن کی حیثیت سے عورت کا وراثت میں حصہ

میت کے کوئی اولاد نہ ہو اور ایک بیٹی ہو تو 1/2 اسکو ملے گا۔

اولاد نہ ہو لیکن ایک سے زیادہ بہنیں ہوں 2/3 ملے گا۔

اگر میت کے بیٹی، پوتی یا پڑپوتی موجود ہو تو اس صورت میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد بقیہ میت کی ہمشیرہ کو ملے گا۔

اگر میت کے حقیقی بھائی موجود ہوں تو بہن انکے ساتھ ملکر عصبہ ہو جائے گی اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا اسکو یہ بھائی بہن باہم تقسیم کر لیں ہر ایک بھائی کو دوگنا، بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

لیکن ہمشیرہ حقیقی عصبہ بن کر بھائی کے شریک اس وقت ہو گی کہ وہ بھائی حقیقی ہو اگر وہ بھائی صرف باپ میں شریک ہے تو ہمشیرہ حقیقی اس سے مقدم ہو کر بعد ذوی الفروض کے باقی ماندہ کو لے لے گی اور وہ محروم رہ جائیگا۔

اگر میت کے باپ دادا، پر دادا، پوتا وغیرہ موجود ہوں تو بہن کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔[1]

وراثت میں اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ

قدوری کی عبارت:

"أن تترك المواة زوجا وأم جده واخوة من امروخامن أب ولم فلزوج النصف وللأم السدس ولاولادالام الثلث ولاشئى لاخوة للاب مالام"

قدوری نے جو مسئلہ نقل کیا ہے اس میں سلف کے مابین اختلاف ہے اگر کوئی عورت مر جائے اور پیچھے شوہر، ماں، سگے بہن بھائی اور اخیافی بھائی بہن چھوڑے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا فتوی یہ ہے کہ اسکی نصف میراث شوہر کو، 1/6 ماں کو اور 1/3 اخیافی بہن بھائیوں کو دیا جائیگا اور سگے بہن بھائیوں کو نہ ملے گا اسی فتوی کو علمائے احناف نے لیا ہے اور یہی ان کا حق بہ قول ہے خلاف اسکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب ہے 1/3 میراث سگے اور اخیافی بہن بھائیوں میں برابر برابر تقسیم ہو گی۔ حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ اخیافی بہن بھائی ذوی الفروض ہیں اور سگے بھائی عصبات ہیں اور ذوی الفروض کا حق عصبات پر مقدم ہے لہٰذا جب ذوی الفروض سے کچھ نہ بچے تو عصبات کو کوئی حق نہ پہنچے گا۔ دوسرے گروہ کا استدلال یہ

---

(1) سورة النساء، 4 : 176

ہے کہ ماں جائے ہونے میں جب سگے اوراخیافی بہن بھائی یکساں ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ برابر کے حصہ دار نہ ہوں۔[1]

پوتی کی میراث

پوتیوں کے حقوق عام طور پر بیٹیوں کی طرح ہیں اور انکی چھ حالتیں ہیں:

اگر بیٹی نہ ہو اور ایک پوتی ہے تو نصف کی حقدار ہے۔

اگر بیٹی نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ثلث (2/3) کی حقدار ہو نگی۔

اگر ایک بیٹی ہو اور ایک یا زیادہ پوتیاں ہوں تو ایک سدس (1/6) کی حقدار ہو نگی۔

اگر دو بیٹیاں ہوں یا زیادہ تو پوتیاں وراثت سے محروم رہیں گی۔

اگر پوتیوں کے ساتھ کوئی بھائی، بھتیجا بھی ہو تو بقیہ ایک ثلث ماں ان میں باقاعدہ ذکر و انثی تقسیم ہو گا۔ اور اس صورت میں وہ عصبہ کہلائیں گی۔

اگر میت کا بیٹا موجود ہو تو اس صورت میں پوتیاں محروم رہیں گی۔

جدہ نانی و دادی کی میراث

جدہ (نانی و دادی) کی میراث کی تین صورتیں ہیں:

ایک دادی ہو یا ایک ہی طبقے کی چند دادیاں ہوں اور میت کے ماں باپ نہ ہوں تو ان کو چھٹا حصہ ملے گا اسی طرح ایک نانی یا ایک ہی طبقے کی چند نانیاں ہوں اور میت کی ماں نہ ہو تو ان کو چھٹا حصہ منفرداً یا مشترکاً دیا جائیگا۔

میت کا ایک دادا ہو تو تب بھی حقیقی دادی کو حصہ ملے گا مگر دادا کے اوپر کی دادیاں محروم ہو جائینگی۔ اور اگر میت کی ماں ہو تو نانی دادی سب محروم رہیں گی۔

اگر کوئی اوپر کی دادی ایسی زندہ ہو کہ وہ دوسرے رشتے سے نانی بھی ہو اور اسکے طبقے میں کوئی دوسری دادی ہو جو نانی نہ ہو تو امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں چھٹے حصے میں مساوی طور پر شریک ہو نگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک قرابت والی کو ایک حصہ اور دو قرابت والی کو دو حصے دیے جائینگے۔[2]

پاکستان میں عورت کی وراثت کی عملی صورتحال

اسلام اور قانون عورت کی حق وراثت، حق جائیداد اور حق ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر پاکستان میں عملی صورتحال اس سے مختلف ہے عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا اسے جائیداد کا مالک بننے سے روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں تاجر برادری میں عام طریقہ ہے کہ بیٹوں کو باپ کے کاروبار میں شریک دار بنالیا جاتا ہے کوشش یہی رہتی ہے کہ کاروبار اور کارخانے تو اولاد نرینہ کو ملیں، رہیں بیٹیاں تو انکو جہیز دے دو۔ زمین، املاک اور دوسرے اثاثے جائیداد کے مالکوں کی زندگی ہی میں اولاد نرینہ

---

① رسائل ومسائل از سید ابوالاعلیٰ مودودی: 2 / 192-193

② سراجی: ص 9

کو منتقل کر دیے جاتے ہیں۔خاص کر زرعی اراضی سوائے اسکے کہ حالیہ زرعی اصلاحات نے زیادہ سے زیادہ زمین کی ملکیت کی ایک حد مقرر کی ہے اور اس سے بڑی بڑی اراضی والے خاندان کی عورتوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ سرکاری حد سے زیادہ زرعی زمینوں کو حکومت کے حوالے کرنے سے بچانے کے لیے انکو خاندان کی عورتوں کے نام کر دیا جاتا ہے۔[1]

جاگیر دار اور زمیندار تو حیلے بہانے سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح سے کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور پھر انکی دیکھا دیکھی عام لوگوں نے بھی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے۔[2]

ایک اندازے کے مطابق کہ پاکستان کی 85 فیصد عورتیں وراثت سے محروم رہتی ہیں صرف 10 فیصد عورتوں کو انکا شرعی حق ملتا ہے یا وہ خود حاصل کرتی ہیں بقیہ تمام عورتوں کو مختلف حیلے بہانوں سے جائیداد سے محروم کر دیا جاتا ہے ان سے حق بخشوالیا جاتا ہے یا انکی جائیداد مرد اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔

پنجاب اور سندھ کے شہروں میں تو جہیز کے نام پر باپ نے جو الگ سے ان کے لیے انتظام کیا ہوتا ہے وہ جائیداد کے مقابلہ میں انہیں شادی کے موقع پر ہی دے دیا جاتا ہے خاص طور پر اچھی اردو بولنے والے خاندانوں میں بھاری جہیز وراثت کے نام پر ہی دیے جاتے ہیں پھر ان صوبوں میں ''حق بخشوانا'' لڑکیوں کی شادی نہ کرنا اور قرآن سے شادی کر دینا تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے بہت عام ہے بعض اوقات جائیداد کی وجہ سے عورتوں کو خفیہ طور پر قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔[3] ایک مقامی اخبار کے مطابق صرف ایک ہی دن میں صوبہ سندھ کے گاؤں وارہ میں کاروکاری کے سلسلہ میں دو عورتوں کو قتل کر دیا گیا۔ خیر پور ناتھن شاہ میں جائیداد کی وجہ سے شوہر نے بیوی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سکرنڈ میں جائیداد کے لیے عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گوٹھ ماڑی لاشاری میں جائیداد ہتھانے کے لیے ایک لاشاری نامی شخص نے اپنی ایک خاتون رشتہ دار پروین پر فائر کر کے اسے ہلاک کر دیا۔[4]

پھر قرآن سے شادی جیسا مکروہ فعل متبرک اور مقدس خیال کیا جاتا ہے اس فعل کی آڑ میں جاگیر دار اور وڈھیرے خاندان میں کسی مناسب مہر کی عدم دستیابی کی صورت میں اپنی لڑکیاں قرآن سے بیاہ دیتے ہیں اور اس شادی کے نام پر لڑکی سے نکاح کا حق بخشوالیا جاتا ہے پھر ساری عمر وہ راہبہ کی طرز کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

پنجاب میں خصوصاً عورتوں کو زمین کی ملکیت میں حصہ نہیں دیا جاتا صرف مرد ہی وراثت کے حقدار ہوتے ہیں عملاً لڑکی سے کہا جاتا ہے کہ وہ لکھ کر دے دے کہ وہ وراثت کی دعویدار نہیں ہے اسکا حصہ اسکے بھائی کو دے دیا جائے۔ وہ اسکی تلافی دوسرے ذرائع سے کر دیتے ہیں پھر زمین کے معاملات میں عورت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے بھائی اپنی بہنوں کو کچھ رقم اور دوسرے اثاثے دے دیتے ہیں جنکی قیمت انکے اصل حق وراثت سے کہیں کم ہوتی ہے۔

---

① پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت از رشیدہ پاٹیل: ص 270

② مسلمان عورت اور یورپی سازشیں: ص 19

③ اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت : ص 86

④ روزنامہ 'جنگ' کراچی: 26 اگست 1999ء

پھر وراثت کی تقسیم کرتے ہوئے گھر کے سامان، فرنیچر جیسی ملکیت کو تقسیم کرتے ہمیشہ یہ سامان اضافی حصہ کے طور پر مرد ورثاء کو دے دیا جاتا ہے۔عموماً شادی شدہ لڑکی کو کبھی علیحدہ سے حصہ نہیں ملتا اور وہ اس لیے کہ یہ مال اسکے خاوند اور سسرال کے لیے ہی فائدہ بخش ہو گا۔

مشاہدے میں آیا ہے کہ لڑکی کو شادی کرتے وقت مال منقولہ تو دے دیا جاتا ہے۔غیر منقولہ جائیداد کوئی شاذونادر ہی دیتا ہے جب تک کہ تقسیم کے وقت لڑکی اپنے حق کے لیے دعوی کرکے حتی المقدور شدومد سے اس دعوے کی پیروی نہ کرے گویا حصہ بقدر جثہ کے بمصداق عورت متعلقہ جائیداد میں سے اپنا حصہ بزور ہی وصول کر سکتی ہے۔[1] زمیندار لوگ حصہ دینے سے بچانے کے لیے زمین کو تقسیم در تقسیم ہونے سے بچانے کا عذر پیش کرتے ہیں اور جدی پشتی طریقہ تقسیم پر اصرار کرتے ہیں۔

جاگیر دار خاندانوں میں لڑکیوں کی شادیاں چچایا تایازاد بھائیوں سے کی جاتی ہے تاکہ وراثت کے ذریعے انکی زمینیں خاندان سے باہر نہ جاسکیں کبھی کبھی لڑکی کو ایسے ہم نژاد سے بیاہ دیا جاتا ہے جو عمر میں اس سے چھوٹا ہوتا ہے یا بالکل بھی صحیح جوڑ نہیں ہوتا۔

صوبہ سرحد میں تو لڑکوں کی موجودگی میں عورتیں زمین کی وارث نہیں بن سکتیں اور باپ کی طرف سے بیٹیوں کے لیے غیر منقولہ جائیداد حاصل کرنے کا کوئی رواج نہیں ہے پھر بیواؤں کے لیے الگ سے وراثت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے عموماً نہیں جائیداد میں وارث کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جاتا۔[2] صوبہ بلوچستان میں ہزارہ جاتوں اور نو آباد لوگوں میں لڑکیوں کو جائیداد میں حصہ دیا جاتا ہے لیکن اسکا تمام کنٹرول چچاؤں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔پھر ان علاقوں میں عورتیں باپ کی جائیداد میں حصہ لے سکتی ہے لیکن عملاً سماج اسے قبول نہیں کرتا تو اسے اپنے حصے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔بیواؤں کی جائیداد ہتھیانے کے لیے انہیں سسرال میں ہی کسی سے دوبارہ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔[3]

عورت کو جائیداد کے حق سے محروم کرنے کے لیے کئی مرد بستر مرگ پر انہیں طلاق دے جاتے ہیں۔

پاکستان میں رسم ورواج کے تحت عورتوں کو جائیداد سے محروم رکھنے کے لیے حیلے تراشے جاتے ہیں مردوں کا کہنا ہے کہ باپ دادا کی جائیداد کی تقسیم کرنا مشکل کام ہے بیٹیوں کو اگر جائیداد دی جائے تو انکے شوہر جو غیر بھی ہوسکتے ہیں انکے علاقے یا گاؤں میں آکر زمین کا انتظام سنبھالنے سے علاقے کے سماجی اور سیاسی توازن میں ہلچل پیدا ہوتی ہے۔

عورتوں کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے شوہر کے قتل کا جھوٹا الزام بھی لگادیا جاتا ہے۔قانون کے مطابق کفن دفن اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد وراثت میں سب سے پہلے ادائیگی بیوہ کے مہر کی ہونی چاہیے۔مگر عام طور پر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ مہر کی ادائیگی کو کوئی خاص وقعت اور اہمیت نہیں دی جاتی اسطرح بیوہ کو اسکے قانونی حق سے محروم کر دیا جاتا ہے بیوہ کو جائیداد پر اپنا حق وصول کرنے کا دارومدار رسم ورواج کے علاوہ اس بات پر بھی ہے کہ دونوں خاندانوں کی مالی اور سماجی حیثیت کیا ہے۔

پاکستان کے جن گھرانوں میں عورتوں کو جائیداد کا حق دیا بھی جارہاہے تو اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر لڑکی شادی

---

① پنجاب کی عورت از ارشاد احمد پنجابی: ص151

② اسلامی قانون اور مظلوم پاکستانی عورت: ص86

③ أیضا : ص87

سے انکار کر دے اور ساری عمر یونہی گزارنے کا وعدہ کرلے تو پھر اسے جائیداد دے دی جاتی ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد جائیداد واپس خاندان میں آجائے سندھ میں تھر کے علاقے میں اگر کوئی شخص صرف بیٹیاں چھوڑ کر مر جائے تو عموماً بیٹیاں اسکی جائیداد کی مالک بن جاتی ہیں سندھ میں کینجھر جھیل کے علاقے میں لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں تو وہ مکمل جائیداد کی وارث بن سکتی ہیں۔

عام طور پر متوفی کے اثاثے مرحوم کے مرد ورثاء کی نگرانی اور قبضے میں ہوتے ہیں اور خواتین ورثاء کو ان اثاثوں کے وجود یا جگہ کا پتہ نہیں ہوتا۔ اثاثے عموماً بغیر کسی عدالتی کاروائی کی طرف رجوع کیے تقسیم کر لیے جاتے ہیں جب ورثاء میں جھگڑے اٹھتے ہیں تو اہتمام ترکہ کی نالش دائر کی جاسکتی ہے لیکن اثاثوں سے ناواقفیت، اسٹامپ ڈیوٹی مقدمہ بازی کے خرچ اور طوالت اور وہ جو عدالت تک جانے سے عورت پر انگلیاں سی اٹھنے لگتی ہیں اسکی وجہ سے بھی خاتون کو جسے حصے سے محروم رکھا گیا ہے عدالت تک جانے سے باز رکھتے ہیں۔[1]

سپریم کورٹ آف پاکستان نے قرار دیا کہ بہنوں کو وراثت میں حصہ نہ دینا ہمارا معاشرتی المیہ ہے۔ مرد ورثاء مختلف طریقوں سے انکی جائیداد اپنے نام کرا لیتے ہیں۔[2]

خواتین کی بہت کم تعداد ہے جہاں جائیداد ان کے نام ہو اگر کہیں کسی عورت کے نام جائیداد نظر آتی ہے تو اسکے پس پردہ کچھ اور مقاصد ہوتے ہیں۔ کبھی ٹیکس سے بچنے کے لیے کبھی کسی فراڈ پر پردہ ڈالنے کے لیے جائیداد بیوی کے یا بیٹی کے نام کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس پر عورت کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

بینک اکاؤنٹس بھی بہت کم عورتوں کے پاس ہوتے ہیں۔ اکثر رشتوں کے نام پر عورتوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی جائیداد کا حصہ لینے کا اعلان کر دے تو اکثر اس سے قطع تعلق کر لیا جاتا ہے۔ جائیداد حاصل کرنے کا مطالبہ بھی عورت کی طرف سے نہیں بلکہ اسکے سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے دباؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عموماً جائیداد کی خرید و فروخت اور منتقلی میں عورت کا عملی دخل نظر نہیں آتا۔ اگر کسی عورت کو جائیداد میں کافی زیادہ حصہ ملتا ہے تو شادی کی صورت میں شوہر اس پر قابض ہو جاتا ہے۔[3]

کچھ دولت مند گھرانوں میں جہاں بیٹی کی بہتری کی فکر ہو یا ڈر ہو کہ سسرال اس کے لیے مسئلے پیدا کریگا۔ بیٹی کو جائیداد کے بدلے میں والدین سے عمر بھر تحفے ملتے رہتے ہیں یہ اسکے جائیداد کے حصے کے برابر یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں ان تحفوں میں مکان یا گاڑی یا فیکٹری میں حصہ بھی ہو سکتا ہے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لڑکی کا خاندان اس کے شوہر کی نوکری یا کاروبار وغیرہ میں مدد کرے ۔ اکثر کسی لڑکی کو شادی کے موقع پر جائیداد کا حصہ دیا جائے تو عموماً یہ زبانی اقرار ہوتا ہے اسمیں جائیداد کا قبضہ لڑکی کو نہیں ملتا جسکا مقصد یہی ہے کہ والد یا والدہ کے انتقال کی صورت میں لڑکی کو یہ جائیداد واقعی مل جائے۔

پاکستان میں 1962 کے قانون شخصی میں پہلی مرتبہ کھلے لفظوں میں عورتوں کے لیے وراثت کے اسلامی حقوق قانوناً قابل

---

① پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت: 270-271

② روزنامہ 'پاکستان' : 7 فروری 2006ء

③ عورت کا المیہ از فاخرہ تحریم : ص 136

حصول اور قابل نفاذ قرار دیے گئے لیکن رواج کو اسکے مظبوط مورچے سے آسانی سے نہیں نکالا جاسکتا۔

عملاً اگر عورتوں کے حقوق کا تجزیہ کیا جائے تو عہد نبوی اور دور خلفاء راشدین میں خواتین اپنے حقوق سے پوری طرح متمتع ہوئیں آہستہ آہستہ اسلام کے دیگر احکام کی طرح خواتین کے حقوق اور مراعات پر بھی زد پڑی اور دوبارہ عورت پر وہ حالات عود کر آنا شروع ہوگئے جو اسلام سے پہلے تھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو مسلم معاشرے میں بہت احترام وشرف ملا لیکن شاہی طبقے اور چند خاص طبقوں کو چھوڑ کر عام خاتون جہالت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ برصغیر کی خاتون کی حالت تو ہندو معاشرے کے زیر اثر اور بھی پتلی ہوگئی ہے۔ لہذا بیوی ہو یا بہن عملاً وراثت سے محروم کر دی گئی ہے۔ [1]

عورت کے حق وراثت سے متعلق عملی تجاویز

عورت کے حق وراثت کی ادائیگی کے سلسلے میں بہت سے اقدامات کی ضرورت ہے مثلاً

وراثت کی تقسیم میں اللہ کے قانون کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے یہ پابندی لگائی جائے کہ کسی فرد کے انتقال کے فورا بعد وراثت تقسیم ہو جائے اور اس معاملے میں تاخیر کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

وراثت سے عورت کا قانونی حق اسکو دلوایا جائے۔ اس سلسلے میں چیک اینڈ بیلنس سسٹم کو مضبوط بنایا جائے اور جو لوگ عورت کو یہ حق دینے کے سلسلے میں اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انکے خلاف مناسب قانونی چارہ جوئی کی جائے سرکاری سطح پر وراثت کی صحیح تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔

یہ مہم چلائی جانی چاہیے کہ خواتین کو وراثت میں ضرور حصہ دیا جائے وہ کم ہو یا زیادہ۔ جس طرح دوسرے موضوعات کو اٹھایا جاتا ہے اس طرح اس موضوع پر بھی سنجیدگی سے توجہ کی ضرورت ہے سیمینارز، دینی مجالس، مضامین، ادب اور میڈیا کے مختلف فورم پر اس موضوع پر گفتگو ہونی چاہیے تاکہ ایک طویل عرصے سے نظر انداز کردہ موضوع کہ جسکا احساس زیاں بھی ختم ہو چکا ہے بیدار ہو سکے۔

نصاب تعلیم میں اس نقطہ کو خاص طور پر نمایاں کیا جائے کہ وراثت لڑکیوں کا شرعی حق ہے اور اس کی بروقت ادائیگی میں ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی اور معاشرے کی سلامتی ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت میں خیال رکھا جائے کہ وہ ابتداء ہی سے نماز، روزہ کے ساتھ ساتھ وراثت کے مسئلہ اور اس کی بروقت ادائیگی کی اہمیت سے آگاہ ہوں۔ اس نکتہ کو شادی کے موقع پر بیان کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں رسمی اور غیر رسمی دونوں طریقہ سے عوام کو اس حوالے سے آگاہی فراہم کی جائے۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جہیز کی حوصلہ شکنی اور وراثت کے حق کی ادائیگی کو اجاگر کیا جائے۔ اس بات کو بھی نمایاں کیا جائے کہ وراثت کے حق کی ادائیگی سسرال میں لڑکی کی الگ حیثیت اور مقام میں بھی اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

ائمہ کرام اپنے خطبوں خصوصا نماز جمعہ کے موقع پر دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ تقسیم وراثت کے فریضہ کی ادائیگی پر بھی زور دیں

---

(1) جدید تحریک نسواں اور اسلام: ص 304

۔سماجی تنظیمیں آسان زباں میں وراثت کے قوانین اوراس ترکہ کی تقسیم کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مختلف اقدامات کریں۔

ذرائع ابلاغ ان افراد کی مثالوں کو نمایاں طور پر پیش کریں جنہوں نے اس حق کی درست ادائیگی کو یقینی بنایا ہو۔

سکولوں اور کالجوں میں مہینہ میں کم ازکم ایک دن عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں جیسے وراثت وغیرہ کو زیر بحث لانے کے لیے مختص کیا جائے۔

خواتین کو وراثت کے حق کے حصول کے دوران عام طور پر پیش آنے والی مشکلات کے خاتمے کے لیے الگ سے عدالتیں یا عدالتی بنچ قائم کیے جائیں جن تک ہر حق دار کی رسائی ممکن ہو اور وہ ایک مخصوص عرصہ کے اندر فیصلہ سنانے کے پابند ہوں۔دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان مسائل کو بھی فیملی کورٹس کے دائرہ اختیار میں شامل کیا جائے۔

وراثت سے متعلق مقدمات میں کورٹس فیس کو کم سے کم مقرر کیا جائے۔

المختصر عورت کو وراثت کا حق دلانے کے لیے معاشرے کے تمام اداروں (میڈیا، حکومت، علمائے دین، NGOS، عدالتیں) کی سخت محنت وکوشش اور اس کے لیے ایک طویل منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

2

فصلِ دوم

حق مہر سے متعلقہ مسائل

حق مہر سے متعلقہ مسائل

عورت کے معاشی حقوق میں، مہر کا حق انتہائی نمایاں اہمیت کا حامل ہے، تاہم فی زمانہ اس حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جن کی بناء پر عورت اس حق سے عملاً محروم ہو چکی ہے۔ زیر قلم فصل میں مہر کے لغوی و شرعی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے اس کی حکمت و افادیت کو اجاگر کیا جا رہا ہے، نیز اس کے تاریخی پس منظر پر بھی مختصراً روشنی ڈالی جائے گی آخر میں مہر سے متعلقہ مسائل کے حل کے باب میں بعض تجاویز بھی پیش کی جائیں گی۔

لغوی تعریف

"صداق المرأة وهو يدفعه الزوج إلى زوجته بعقد الزواج والجمع مهور ومهورة"[1]

کہ لغت میں مہر سے مراد وہ رقم ہے جو شوہر بیوی کو نکاح کے وقت دیتا ہے۔ مہر کی جمع مہور اور مہورۃ ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نحلة فريضة واجبة[2] اسی طرح أي فريضة أو عطية کے الفاظ بھی ہیں۔[3]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أي أعطوهن مهورهن"[4]

یعنی ان کو ان کے مہر ادا کرو۔

محمد بن احمد جزی و جلال الدین حقانی اپنی کتاب التسهيل لعلوم التنزيل میں فرماتے ہیں:

"نحلا أي عطية منكم لهن أو عطيه من الله"[5]

"نحلة" کے معنی ہیں تمہاری طرف سے یا اللہ کی طرف سے عطیہ۔

امام محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأعطوا النساء مهورهن عطية واجبة وفريضة لازمة"[6]

---

① الموسوعة الفقهية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية : 39 / 151

② الجامع لأحكام القرآن : 3 / 24

③ جامع البيان فى تفسير القرآن لإبن معين الدين محمد بن عبد الرحمن الحسنى والحسينى : ص117

④ روح المعانى : 4 / 198

⑤ كتاب التسهيل لعلوم التنزيل : 1 / 130

⑥ جامع البيان فى تفسير القرآن : 3 / 161

کہ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ یہ واجب اور لازمی فریضہ ہے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وقيل للأولياء لأنهم كانوا يأخذون مهور بناتهم" (1)

کہ یہ اولیاء (سرپرستوں) کو کہا گیا ہے کیونکہ وہی اپنی بیٹیوں کے مہر وصول کرتے تھے۔

محمد بن احمد جذی وجلال الدین حقانی تحریر کرتے ہیں:

"وقيل للأولياء لأن بعضهم كان يأكل صداق ولية، وقيل نهي عن شغار" (2)

یہ اولیاء (سرپرستوں) سے کہا گیا کیونکہ وہ عورتوں کے مہر کھاتے تھے اور یہ کہا گیا کہ اس سے شغار (نکاح کی قسم) مراد ہے۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وآتوا النساء صدقاتهن نحلة أولياء النساء وذلك أنهم كانوا يأخذون صدقاتهن" (3)

کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دو یعنی عورتوں کے اولیاء (سرپرستوں) کو، کیونکہ وہی ان کے مہر وصول کرتے تھے۔

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كان الرجل إذا مات له قريب ألقى ثوبه على امرأته وقال أنا أحق بها من كل أحد" (4)

کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کا قریبی رشتہ دار اس کی بیوی پر کپڑا ڈال دیتا اور کہتا کہ میں ہر کسی سے بڑھ کر اس کا حقدار ہوں۔

امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كان الرجل في الجاهلية إذا مات كان أولياء أحق بزوجته من وليها يتزوجها أو ينكحها لغيره وربما ألقي أحد من أوليائه عليها ثوبا" (5)

کہ دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے اولیاء، اس کی بیوی کے وارث اور حقدار بن جاتے۔ وہ خود اس سے شادی کرتے یا کسی اور سے کر دیتے اور کبھی کوئی سرپرست اپنا کپڑا اس پر ڈال کر اس کا وارث بن جاتا۔

اسلام نے جاہلیت کے ان طریقوں کو ختم کیا۔ اسلام نے مہر کو بلا شرکت غیرے تنہا عورت کا حق قرار دیا اور اس حق پر ہونے والی تمام زیادتیوں کو ایک ایک کر کے ختم کیا، اس نے صاف لفظوں میں حکم دیا: ﴿وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (6)

---

① تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل، المجلد الأول، الجزء الرابع: ص290

② كتاب التسهيل لعلوم التنزيل، الجزء الأول: ص130

③ جامع البيان فی تفسير القرآن، المجلد الثالث، الجزء الرابع: ص162

④ تفسير الكشاف، المجلد الأول: ص513

⑤ أحكام القرآن، المجلد الأول: ص316

⑥ سورة النساء، 4 : 4

عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔

علامہ ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: "إن المهر لها وهي المستحقة له لا حق للولي فيه"[1]

کہ مہر عورت کے لیے ہے اور اسی کا حق ہے۔ کسی ولی (سرپرست) کا حق نہیں ہے۔

مہر اس کی ملکیت ہے، وہی اس کی مستحق ہے، اس کے سرپرست کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وآتو ا النساء، أي اعطوا النساء اللاتي أمر بنكاحهن صدقتهن جمع صدقة' واصدق واكن آتوا كل واحدة من النساء صداقا"[2]

کہ عورتوں کو (مہر) دو یعنی عورتوں کو نکاح کے وقت ان کے مہر دو۔ صدقات جمع ہے صدقہ کی یا صداق کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر عورت کو اس کا مہر دو۔

محمد جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدقاتهن أي مهورهن كانت في الجاهلية لا تعطى النساء من مهورهن شيئا ﴿فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾[3]

صدقات سے مراد حق مہر ہیں۔ جاہلیت میں عورتوں کو حق مہر نہیں دیا جاتا تھا۔ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ حصہ معاف کر دیں تو تم بھلے طریقے سے کھا سکتے ہو۔

مفتی محمد شفیع تحریر کرتے ہیں:

اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے۔ اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ جس طرح تمام حقوق کو خوشدلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ اس طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اگر وہ بالکل اپنے اختیار اور رضامندی سے کوئی حصہ معاف کر دیں تو وہ تمہارے لیے جائز ہے۔[4]

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حلت نکاح کو ادائے مہر سے مشروط کرنے سے غرض دو باتوں کا اظہار ہے۔ مہر کے وجوب کی تائید دوسرے ادائے مہر کے افضل وادنیٰ قرار دینے کے بعد ادائیگی کی ترغیب۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾[6]

---

① أحكام القرآن للجصاص : 2 / 50

② روح المعاني : 4 / 199

③ تفسير القاسمى المسمى محاسن التأويل : 3 / 35

④ معارف القرآن : 2 / 297-298

⑤ تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل : ص 291

⑥ سورة النساء، 4 : 25

اور ان کے حق مہر دستور کے مطابق ان کو ادا کرو۔

سید عبد الدائم رحمۃ اللہ اس کی توضیح میں رقمطراز ہیں:

دستور کے مطابق مہر کی ادائیگی میں کمی نہ کی جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ شرعی حکم کے مطابق مہر دیا جائے۔ [1]

قاضی خاں نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ

"أما المهور بدل البضع وقد ملك بضعها فيطالب به" [2]

حق مہر صحبت کے حق کا بدل ہے کہ اس کے بعد وہ اس کا مالک ہو کر اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

اصطلاحاً شافعیہ کے ہاں مہر کی تعریف یہ ہے:

"هو ما وجب بنكاح أو وطئ وتفويت بضع قهرا"

کہ وہ مال جو نکاح یا مباشرت یا فسخ کی وجہ سے ادا کرنا واجب ہو اسے مہر کہتے ہیں۔ [3]

المختصر مہر اس رقم یا مال کو کہتے ہیں جو حقوق زوجیت پر معاوضہ کے طور پر دیا جاتا ہے یہ کوئی متعین رقم نہیں ہے بلکہ مرد کی استطاعت کے لحاظ سے جو نکاح کے وقت طے ہو جائے ادا کرنی پڑتی ہے اسی طرح عورت کی معاشی حیثیت مستحکم ہو جاتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ شَيْـًٔا﴾ [4]

اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم ان کو جو کچھ دیا ہوا ہو ان سے واپس لو یعنی وہ چیزیں جو بطور تحفہ وغیرہ دی گئی ہوں۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى صَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لاَ يُؤَدِّيَهُ إِلَيْهَا فَهُوَ زَانٍ ، وَمَنِ ادَّانَ دَيْنًا وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لاَ يُؤَدِّيَهُ إِلَى صَاحِبِهِ فَهُوَ سَارِقٌ» [5]

جس نے مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کی یہ تھی کہ مہر ادا نہیں کرے گا وہ دراصل زانی ہے اور جس نے قرض لیا اور نیت یہ تھی کہ وہ قرض ادا نہیں کرے گا وہ دراصل چور ہے۔

تاہم بیوی کو معاف کرنے کا حق ہے، چاہے کچھ حصہ معاف کرے یا پورا معاف کرے۔ مگر یہ اسکا معاف کرنا اپنی آزادانہ مرضی سے ہو۔ اگر جبر سے معاف کرایا جائے تو فقہا کے نزدیک شوہر اس کو ادا کرنے کا پابند ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

﴿إِلَّآ أَن يَعْفُونَ﴾ [6]

---

① تفسیر مظہری از سید عبد الدائم: 3 / 41

② فتاوی قاضی خان: ص 176

③ الموسوعة الفقهية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية: 39 / 151

④ سورة البقرة، 2 : 229

⑤ مجمع الزوائد: 4 / 236

⑥ سورة البقرة، 2: 237

مگر یہ کہ عورتیں معاف کر دیں۔

نیز فرمایا: ﴿فَإِن طِبۡنَ لَكُمۡ عَن شَيۡءٖ مِّنۡهُ نَفۡسٗا فَكُلُوهُ هَنِيٓـٔٗا مَّرِيٓـٔٗا﴾ (1)

اگر عورتیں دل کی خوشی سے اس کا حصہ معاف کر دیں تو تم اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت نے مہر معاف کر دیا مگر بعد میں پھر اس کا مطالبہ کر دیا۔ ایسی صورت میں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کہیں اس نے جبر کی بنا پر تو معاف نہیں کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ انہوں نے قاضیوں کو لکھا:

عورتیں رغبت سے بھی اور خوف سے بھی مہر دے دیتی ہیں۔ اگر عورت مہر دینے کے بعد پھر رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا تَرَٰضَيۡتُم بِهِۦ مِنۢ بَعۡدِ ٱلۡفَرِيضَةِ﴾ (2)

کہ اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ حق مہر مقرر ہونے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے اسکے بارے میں کوئی بات طے کر لو۔

چنانچہ عورت اور مرد کی رضامندی سے مہر میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور زیادتی بھی، ادائیگی جلد بھی ہو سکتی ہے اور تاخیر سے بھی، معافی بھی ہو سکتی ہے اور تبدیلی بھی۔ یہ تمام کمی وبیشی تو دونوں کے باہمی اعتماد پر ہے سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مرد عورت سے فائدہ اٹھانے سے پہلے یہ مہر اس کو ادا کر دے۔

قرآن میں آتا ہے:

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمۡ أَن تَبۡتَغُواْ بِأَمۡوَٰلِكُم مُّحۡصِنِينَ غَيۡرَ مُسَٰفِحِينَۚ فَمَا ٱسۡتَمۡتَعۡتُم بِهِۦ مِنۡهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةٗ﴾ (3)

کہ ان (محرم اور شوہر والی عورتیں) کے سوا جتنی عورتیں، انہیں مال کے ذریعے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ پاکدامنی مقصود ہو نہ یہ کہ آزادانہ شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر تم ان سے ازدواجی زندگی کا لطف اٹھاؤ۔ اس کے بدلے ان کو فرض کے طور پر مہر ادا کرو۔

حق مہر کی افادیت وضرورت اور حکمت واہمیت

معاشرتی زندگی میں اسلام نے مرد وعورت کے درمیان ایک متوازن تقسیم قائم کی ہے۔ اسلام کے مطابق گھر کو سنبھالنے کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت کے اوپر ہے اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر ہے تقسیم کار کا یہ اصول جن نصوص

---

① سورة النساء، 4: 4

② سورة النساء، 4: 24

③ سورة النساء، 4: 24

سے نکلتا ہے ان میں سے ایک قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ﴾ (1)

کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد نے اپنے مال سے خرچ کیا۔

نکاح کے وقت ایک مرد مہر کے نام سے جو رقم اپنی بیوی کے حوالے کرتا ہے اس کا تعلق اسی خاص پہلو سے ہے چونکہ مرد اصولی طور پر عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہے اس لیے جب وہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ عورت کے تمام ضروری اخراجات کی کفالت کرے گا۔ مہر اس کی ایک علامت ہے۔ مرد اپنی بیوی کو مہر کے طور پر ایک علامتی رقم ادا کر کے عمل کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی مالی کفالت کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ مہر کی اصل حیثیت یہی ہے۔

عبد الرحمن الجزیری مہر کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو في الأصل ماخوذ من الصدق لأن فيه اشعارا برغبة الزوج في الزواج يبذل المال"(2)

کہ صداق دراصل لفظ صدق سے ماخوذ ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ شوہر اپنا مال خرچ کر کے شادی میں اپنی رغبت کا اظہار کرتا ہے۔ (یعنی وہ مجبور ہو کر یا کسی دباؤ کے زیر اثر نہیں کر رہا)

مہر مقرر کرنے میں نکاح کی پائیداری بھی مقصود ہے اور نکاح کی اہمیت و عظمت تعلقات قائم کرنے کے عوض مال دیے بغیر ظاہر اور واضح نہیں ہوتی، کیونکہ مال جس قدر انسان کو عزیز ہوتا ہے اور جس قدر انسان مال کا حریص ہوتا ہے اتنی کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کی اہمیت مال صرف کیے بغیر واضح نہیں ہوتی اور اس اہمیت و عظمت کی بنا پر اولیاء واعزہ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔

پھر مہر کی ادائیگی کا اہم منشا یہ ہے کہ عورت مالی حیثیت سے اتنی مضبوط ہو کہ وہ بوقت ضرورت اپنے حقوق کی مدافعت کر سکے اور روپیہ پیسہ کی کمی کے باعث عدالتی کاروائی کرنے سے نہ رہے۔(3)

محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

عورت کے معاشی تحفظ کی خاطر اسلام نے شوہر کو اس کا قانونی طور پر پابند کیا ہے کہ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی کو مناسب حق مہر ادا کرے۔ حق مہر کی یہ رقم باہم معاہدے سے طے ہوتی ہے جس کا مقصد بیوی کی معاشی حالت کو بہتر بنانا ہے تا کہ وہ اپنے حقوق کا

---

(1) سورة النساء، 4: 34

(2) كتاب الفقه على المذاهب الاربعة عبد الرحمن الجزيرى : 4 / 94

(3) كتاب الهداية: 2 / 353

صحیح طور پر تحفظ کر سکے۔[1]

اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ آج کل جو خواتین کمارہی ہیں ان کو مہر کی کیا ضرورت ہے یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ مہر کی اپنی افادیت ہے جو بہر حال بر قرار ہے چاہے عورت صاحب مال ہو یا خود کماتی ہو بہر صورت نکاح کی شکل میں مرد کے لیے اسے مہر ادا کرنا ہو گا۔ مرد نے چونکہ مہر دینا ہوتا ہے اس نے پیسہ صرف کرنا ہے، لہذا وہ عورت کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ قابل قدر سمجھتا ہے کہ مہر دینے کے بعد ہی مجھے اس پر زوجیت کے حقوق حاصل ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر مرد عورت کو طلاق دے گا تو ایک تو اس کا موجود بیوی کا مہر جائے گا پھر دوسری شادی کے لیے از سر نو مہر کی رقم خرچ کرنا ہو گی۔ جب آدمی نے رقم خرچ کی ہوتی ہے تو وہ اسے فضول میں ضائع نہیں جانے دیتا، لہذا حتی الوسع نباہ کی کوشش کرتا ہے پھر عورت کو مہر کا یہ فائدہ بھی ہے کہ نئے گھر آنے پر یہ اس کی دلجوئی ہے اور اس کی مالی مدد ہے جس کو وہ اپنے اخراجات میں صرف کرنے کی مجاز ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق مہر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عورتوں کے حقوق واضح ہوتے ہیں اور عورت کی عزت واحترام میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ عورتوں کا حق ہے جس سے پہلو تہی ممکن نہیں اور حق مہر عورت کے نکاح کو باقی رکھنے کا بھی ذریعہ ہے اور طلاق کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

مہر میاں بیوی کے درمیان مودت و محبت کا بھی ذریعہ ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو تاکہ یہ مودت و محبت کی دلیل بن سکے بلکہ لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ مہر کے علاوہ بھی اور بہت سے ہدیے اور تحفے دیے جائیں اور یہ علامت ہے کہ مرد کو اپنی شریک حیات کا احترام ملحوظ ہے اور وہ اس کے لیے قربانی پر آمادہ ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق مہر شوہر کے دعوی محبت میں سچے ہونے کی دلیل ہے۔[2]

ادائیگی مہر کو اسلام نے کتنی زبردست اہمیت دی ہے اسکا اندازہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حسب ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ – رضى الله عنهما – أَنَّ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم – نَهَى عَنِ الشِّغَارِ ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الآخَرُ ابْنَتَهُ ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ »[3]

کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وٹہ سٹہ کے نکاح سے منع فرمایا۔ وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے شخص کی بیٹی سے نکاح کرے اور دوسرا اس کی بیٹی سے نکاح کرے، اور ان کے مابین حق مہر نہ ہو۔

حق مہر اس صورت میں عورت کا تحفظ بھی بن سکتا ہے کہ اگر ایک مرد نے عورت کو طلاق دی یا اس کا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں جو مرد نے حق مہر عورت کو دیا تھا تو وہ اس کی گزر اوقات کے لیے کام آسکتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ مہر سے مرد عورت کو خریدتا نہیں نہ ہی عورت پر اس کو مالکانہ حقوق مل جاتے ہیں۔ عورت کی انفرادی حیثیت ہر صورت بر قرار رہتی ہے۔ مہر تو عورت سے جنسی استفادہ کا حق مرد کو عطا کرتا ہے۔ رہی عورت اگرچہ وہ بھی مرد سے یہ فائدہ اٹھاتی

---

① women in islam از محمد مظہر الدین صدیقی: ص46

② فتاوی عالمگیری، باب المہر: 290/2

③ صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب الشغار، 5112

ہے مگر اسلام نے عورت پر کسی قسم کی مالی یا معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی۔

اس لیے بعض فقہا کا یہ قول ہے کہ مہر نکاح کے ارکان میں سے ہے اگر چہ بوقت نکاح اس کا ذکر نہ بھی ہو۔ شوافع اس کو عورت کا حق قرار دیتے ہیں جب کہ احناف اس کو شریعت کا حق قرار دیتے ہیں۔

اسلام سے قبل حق مہر کے تصورات

جاہلیت میں ماں باپ مہر کو حق زحمت اور حق شیر بہا (شیر بہا وہ رقم ہے جو دولہا لڑکی کے والدین کو پیش کرتا ہے یعنی 'دودھ کی قیمت' یہ رسم اب بھی عراق اور دوسرے علاقوں میں جاری ہے) جانتے تھے۔ تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ عرب میں لڑکی کی ولادت پر مبارک باد دینے والے کہتے تھے: هنيئا لك النافجة یعنی افزائش دولت کی اساس مبارک ہو۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے کہ آپ لڑکی کو بیاہیں اور اس کا مہر پائیں۔

جاہلیت میں باپ نہ ہو تو بھائی چونکہ ولی ہونے کے حق دار تھے۔ قوامیت (سربراہی) کا حق انہیں حاصل ہوتا تھا، لہذا وہ اپنی پسند کا شوہر لاتے تھے۔ لڑکی کی رائے ضروری نہ تھی اسی طرح مہر بھی خود لیتے تھے لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لڑکیوں کا آپس میں تبادلہ کر لیا کرتے۔ ایک لڑکی دوسری لڑکی کا مہر قرار پاتی اور یہ مہر باپ بھائی وصول کرتے اسی طریقہ ازدواج کو 'نکاح شغار' کا نام دیا گیا ہے جو کہ حرام ہے۔

اسلام سے قبل داماد کا اپنے سسر کی خدمت کرنا بطور مہر کے یہ تصور بھی موجود تھا جس طرح حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کا داماد بننے سے پہلے کئی سال ان کی خدمت میں گذارے۔ بہر حال یہ رسم اس زمانے میں موجود تھی۔ اسلام نے اس آئین کو بھی ختم کر دیا۔ سسر مہر کو اپنا مال نہیں سمجھ سکتا خواہ اس کا ارادہ یہی کیوں نہ ہو کہ وہ اس مال کو لڑکی کے لیے استعمال کرے گا۔ یہ حق صرف لڑکی کو ہی ہے۔ اسے اپنے مال کا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔

ایک رسم یہ بھی تھی کہ آدمی کبھی کبھار بھاری مہر دے کر شادی کرتا پھر عورت سے دل سیر ہو جاتا تو پیچھے چھڑانے اور نئی شادی رچانے کی خاطر دیا ہوا بھاری مال واپس لینے کی فکر میں عورت پر بہتان باندھتا۔ اس کی آبرو پر داغ لگاتا اور یہ جتاتا تھا کہ عورت پہلے ہی سے مہر کے لائق نہ تھی یا پھر وہ شخص بیوی پر اتنی تنگی یا سختی کرتا جو اسے طلاق لینے پر تیار کر دے۔ یا دیے ہوئے مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر واپس مانگتا اس کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ﴾ (1)

کہ عورتوں کو دیا ہوا مال مہر واپس لینے کی خاطر تنگ نہ کرو۔

اس طرح اسلام سے قبل عورتوں کو حق مہر نہ دیا جاتا کئی مرتبہ مرد اس لیے بیوی کو طلاق ہی نہ دیتا کہ اس کو مہر نہ دینا پڑے۔ اس طرح عورت تمام عمر لٹکی رہتی کہ مرد نہ تو اس کو طلاق دیتا نہ ہی صحیح طریقے سے بیوی بناتا، لیکن اسلام آیا تو اس نے عورتوں کے حقوق

---

(1) سورة البقرة، 2 : 232

مقرر کیے اور حق مہر کو ضروری قرار دیا۔

دورِ جاہلیت میں حق مہر کے حوالے سے عورتوں پر ظلم

دور جاہلیت میں مختلف طریقوں سے عورتوں پر ظلم ہوتا تھا:

ان کا مہر ان کو نہ دیا جاتا۔ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس عورت کے پورے حق دار سمجھے جاتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے۔ اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے اور اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ حق مہر سے دستبردار ہو جائے یا یونہی نکاح کے بغیر رہے۔

کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ ان میں سے کوئی اگر عورت کا خاوند مرتے ہی اس پر اپنا کپڑا دیتا تو وہی اس کا مختار سمجھا جاتا۔ عورت خوبصورت ہوتی تو اپنے نکاح میں لے لیتا اور بد صورت ہوتی تو یونہی رہنے دیتا۔ المختصر عورتوں کو صرف ان کا مہر نہ دینے کے لیے مرد عورت پر بے شمار ظلم کرتا اس کے برعکس قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر کتنا ہی مال عورت کو دیا گیا ہے تو اس عورت سے مال واپس نہیں لینا، کیونکہ حق مہر کا دراصل مقصد ہی یہ ہے کہ عورت کو اس کا حق ملے۔[1]

جاہلی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ لڑکی کو باعث تکثیر مال سجھا جاتا تھا کیونکہ اس کی شادی میں جو مہر اونٹوں کی شکل میں مقرر ہو جاتا تھا وہ مال میں اضافے کا باعث بن جاتا اس دور میں نہ مہر کی حد مقرر تھی اور نہ ہی جنس بلکہ یہ فریقین کے اتفاق پر منحصر تھا۔ البتہ نقد کا زیادہ رواج نہ تھا۔ مہر کبھی زمین ٹھہرتی اور کبھی اونٹ۔

مرد کے لیے یہ جائز تھا کہ عورت کے مرنے پر اس کے ترکے سے مہر واپس لے لے۔ اگر اس کے ترکے میں مال نہ ہو تو متوفی عورت کے اہل وعیال سے مطالبہ کرتا۔ اسی طرح مرد کے مر جانے کی صورت میں مہر کی وصولی مرد کے ترکے سے لازم تھی۔

مہر کبھی کبھار ہی عورت کو دیا جاتا تا اکثر اس کا ولی تمام کا تمام مہر خود لے لیتا اور اپنے اوپر خرچ کرتا۔ البتہ مہر نکاح کی دلیل اور علامت سمجھا جاتا اور مہر کے بغیر نکاح کو حرام کاری اور زنا تصور کیا جاتا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں حق مہر کا وجوب

قرآن وسنت کی رو سے مہر کا ادا کرنا لازمی ہے اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اگر کوئی شخص نکاح کے وقت مہر کا ذکر بھی نہ کرے یا یہ شرط لگادے کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا۔ تب بھی خود بخود اس کو دینا واجب ہو جائے گا، کیونکہ مہر اللہ کا حکم ہے اس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں کہ وہ دے یا نہ دے لہذا مہر کا حکم قطعی ہے اور تا قیامت ابدی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿﴾

﴿ وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴾[2]

پھر فرمایا:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُكُمْ ۖ كِتَـٰبَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟

---

① تفسیر ابن کثیر : 1 / 567

② سورة النساء، 4 : 4

بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ ۚ فَمَا ٱسْتَمْتَعْتُم بِهِۦ مِنْهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَٰضَيْتُم بِهِۦ مِنۢ بَعْدِ ٱلْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾[1]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا 0 وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُۥ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾[2]

﴿ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ ٱلْمُحْصَنَٰتِ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُم مِّن فَتَيَٰتِكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ فَٱنكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ مُحْصَنَٰتٍ غَيْرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ ٱلْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا۟ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[3]

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق مہر دینا واجب ہے، اسے واپس نہیں لیا جا سکتا تاہم مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے بقول مہر واپس لینے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ اگر عورتیں صریحاً نافرمانی یا گمراہی کی مرتکب ہوں تو پھر ان سے اپنا مال واپس لیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بہتان لگا کر بیوی سے اپنا مال واپس لینا چاہتا ہے تو اس کی اجازت قرآن ہمیں نہیں دیتا۔[4]

حق مہر از روئے حدیث

نبی ﷺ کے درج ذیل فرامین سے حق مہر کی اہمیت ملاحظہ کیجئے:

- « تَزَوَّجْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»[5]

تم نکاح کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی حق مہر ہو۔

- «أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَآنِي رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم- وَعَلَيَّ بَشَاشَةُ الْعُرْسِ فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ. قَالَ كَمْ أَصْدَقْتَهَا. قَالَ زِنَةَ نَوَاةٍ»[6]

---

① سورة النساء، 4 : 24

② سورة النساء،4 :19

③ سورة النساء،4 :25

④ معارف القرآن : 2 / 348

⑤ صحیح البخاری : کتاب النکاح، باب قول الله تعالى وءاتوا النساء صدقتهن نحلة، 5150

⑥ صحیح البخاری : کتاب النکاح، باب قول الله تعالى وءاتوا النساء صدقتهن نحلة، 5148

حضرت عبد الرحمان بن عوف بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو مجھ پر شادی کی چمک تھی۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بتایا کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کتنے حق مہر میں؟ میں نے کہا کہ ایک گٹھلی کے برابر سونا۔

- «عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ الله أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ »[1]

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے حق مہر میں خاتون کو دو ہتھیلی کے بقدر ستو یا کھجوریں دیں تو اس نے اسے حلال کر لیا۔

- «أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ الله-صلى الله عليه وسلم- رَضِيتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ. قَالَتْ نَعَمْ. قَالَ فَأَجَازَهُ. »[2]

بنی فزارہ کی ایک خاتون نے دو جوتوں کے حق مہر پر شادی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: تو اپنی جان اور مال کے ساتھ دو جوتوں پر راضی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اس کو اجازت مرحمت فرمائی۔

مذکورہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ حق مہر کی ادائیگی لازمی حق ہے اور مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کا یہ حق خوش اسلوبی سے ادا کریں۔ حق مہر کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے لے کر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک ہر ایک نے اپنی بیویوں کا مہر مقرر کیا اور پھر ان سے نکاح فرمایا گویا یہ عورت کا ضروری حق ہے جس سے اس کو محروم کرنے کی اجازت نہیں۔ حق مہر کے قطعی اور ابدی ہونے کے بارے میں فقہا کا کہنا ہے:

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر مہر کے کسی عورت سے جنسی تعلق رکھے سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔'' ابن رشد فرماتے ہیں: '' حق مہر کا حکم ابدی ہے اور مرد کا فرض ہے عورت کے اس حق کو پورا کرے۔[3]

اگر عورت اپنی مرضی سے حق مہر کا کچھ حصہ چھوڑنا چاہے تو ایسا کر سکتی ہے لیکن مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ بیوی کو اس کا حق دے اور خوشی سے دے کیونکہ اس سے عورتوں کے حقوق واضح ہوتے ہیں۔[4]

حق مہر کی مقدار

مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہیے اس حوالے سے شریعت نے از خود کوئی مقدار مقرر نہیں کی بلکہ ہر آدمی پر حسب توفیق بوجھ ڈالا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِۦ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُۥ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ ءَاتَىٰهَا ۚ سَيَجْعَلُ

---

① سنن أبي داؤد : كتاب النكاح، باب قلة المهر، 2110

② سنن الترمذي : كتاب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في مهور النساء، 1113

③ بداية المجتهد ونهاية المقتصد : 3 / 78

④ مظاہر حق جدید از علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی : 3 / 350

اَللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴾ (1)

اس سے ثابت ہوا کہ مہر حسب توفیق ہے نہ اپنی ہمت سے زیادہ اور نہ کم اپنی خوشی سے ایک خزانہ بھی مقرر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا ﴾ (2)

کہ اور تم نے انہیں ایک خزانہ دے رکھا ہو۔

مولانا محمد علی بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ عورتوں کے مہر پر کوئی حد بندی نہیں، بلکہ ہر شخص کی وسعت کے ساتھ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے بڑے فرضی مہر باندھ دیے جائیں بلکہ مہر وہی ہے جو ادا کر دیا جائے۔

اس آیت میں بے شک قنطارا کا دینا جائز ہے جو کہ ایک غیر محدود مقدار ہے مگر "اٰتیتم" کا لفظ بڑھا کر اور دوسری جگہ پر ﴿ وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ کا حکم دے کر یہ صاف بتا دیا کہ مہر دینے کی چیز ہے۔ ایسا مہر باندھنا جو دے نہیں سکتا خلافِ قانون وشریعت ہے۔ (3)

دوسری طرف نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

«إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً» (4)

کہ وہ نکاح برکت والا ہے جس میں محنت کم ہو (یعنی مہر اور خرچ کم ہو)

مہر میں مبالغہ کرنا، مرد کی ہمت سے زیادہ باندھنا ناروا ہے اور شریعت کی نگاہ میں ناپسند ہے۔

نبی ﷺ نے ایک عورت کا نکاح ایک صحابی سے اس عوض میں کر دیا کہ وہ مہر کے طور پر اپنی بیوی کو قرآن کی تعلیم دے دیں، کیونکہ مالی طور پر صحابی کے پاس اپنی بیوی کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا اسی طرح ایک خاتون حضرت ام سلیم کو ابو طلحہ نے جو ابھی ایمان نہ لائے تھے۔ نکاح کا پیغام دیا، آپ نے نکاح کے لیے شرط ان کا اسلام قبول کرنا طے کر دی اس نکاح میں شوہر کا اسلام قبول کرنا حضرت ام سلیم کا مہر ٹھہرا۔ (5)

یہ سب حدیثیں مہر کی کمی پر دلالت کرتی ہیں۔

مہر رقم کی صورت میں بھی دیا سکتا ہے اور کسی چیز کی صورت میں بھی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مقدار حسب استعداد مقرر

(1) سورة الطلاق، 65 : 7

(2) سورة النساء، 4 : 20

(3) بیان القرآن از محمد علی :ص481

(4) مسند أحمد : كتاب باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، 24008

(5) السنن الکبری للبیهقی:7 / 132

کی جائے اور اتنی ہو کہ آدمی سہولت کے ساتھ اس کو اسی وقت ادا کر سکے۔ مہر کی کم سے کم حد کے بارہ میں فقہا کے مختلف اقوال ہیں۔ تاہم ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ وہ اتنی ہو کہ اس کے ذریعے سے ضرورت کی کوئی چیز خریدی جاسکے۔ ہر وہ رقم مہر بن سکتی ہے جو کسی چیز کی قیمت ہو۔[1]

احادیث میں کوئی بھی ایسی حدیث نہیں جس میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی ہمت افزائی کی گئی ہو۔ اس کے برعکس بہت سی روایتیں ہیں جن میں کم مہر مقرر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اسلام کا طریقہ ہمیشہ تلقین کا ہوتا ہے نہ کہ تحریم کا۔ چنانچہ زیادہ مہر کو اگرچہ بالکل ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے مگر تمام روایتیں اسی کے حق میں ہیں کہ مہر زیادہ نہ باندھا جائے۔ چند روایتیں یہ ہیں:

سیدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النِّسَاءِ أَيْسَرُهُنَّ صدَاقًا»

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ

« مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ سَهْلَ أَمْرِهَا وَقِلَّةَ صَدَاقِهَا»

عورت کی برکت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا معاملہ سہل ہو اور اس کا مہر کم ہو۔

مسند احمد اور بیہقی میں حدیث ہے کہ

«إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً »[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔

روایات میں آتا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مہر میں کس نے چار سو درہم پر اضافہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا مہر آپس میں چار سو درہم یا اس سے کم ہوتا تھا۔ اور اگر مہر میں زیادتی تقوی اور عزت کی بات ہوتی تو تم مہر کے بارے میں ان سے آگے نہیں جاسکتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ خلیفہ دوم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھو اور مجھے جس شخص کے بارے میں بھی اطلاع ملے گی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے یا کسی کو اس سے زیادہ مہر دیا گیا ہے تو میں زیادہ مقدار کو لے کر اس کو بیت المال میں جمع کر دوں گا۔

یہ کہہ کر آپ منبر سے اترے تو قریش کی ایک عورت سامنے آئی۔ اس نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ کی کتاب زیادہ پیروی کے قابل ہے یا آپ کا قول۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی کتاب۔ عورت نے کہا کہ ابھی آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کریں۔ اور اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ”اگر تم نے کسی کو زیادہ مال دیا ہے تو (طلاق کے بعد) اس میں سے کچھ نہ

---

① الفقه على المذاهب الأربعة:4 / 107

② مسند أحمد : كتاب باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، 24008

لو۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہر ایک عمر سے زیادہ جانتا ہے۔(كل أحد أفقه من عمر) آپ نے یہ فقرہ تین بار کہا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ منبر پر آئے اور لوگوں سے کہا:

"إني كنت نهيتكم أن تغالوا في صداق النساء فليفعل رجل في ماله ما بدا له (وعند ابي عمر بن فضالة في أماليه عن عمر قال)لو كان المهر سناء ورفعة في الآخرة كان بنات النبي صلى الله عليه وسلم ونساءه أحق بذلك"(1)

میں نے تم کو عورتوں کا مہر زیادہ باندھنے سے روکا تھا۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال میں جو چاہے کرے۔(آپ نے مزید فرمایا) مہر اگر آخرت میں بلندی اور عظمت کی چیز ہوتی تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور بیویاں اس کی زیادہ مستحق تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں زیادہ مہر باندھنا اگرچہ خالص قانونی اعتبار سے بالکل ممنوع چیز نہیں مگر وہ یقینی طور پر غیر افضل چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مہر کم تھے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے اپنا یا اپنی بیٹیوں کا مہر زیادہ مقرر کیا ہو۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ہے:

شریعت میں مہر کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین کیا گیا ہے، لیکن مختلف مسالک نے اس کی حد بندیاں کی ہیں۔ حنفی اور شافعی فقہا دس درہم کو کم سے کم قرار دیتے ہیں، لیکن مالکی تین درہم کو اور یہ فرق مختلف ملکوں میں جہاں ان مسالک کا اختیار ہے وہاں کے معاشی حالات کے مطابق الگ الگ ہے۔(2)

مہر کی مقدار میں علما کا اختلاف

ارباب فقہ اس امر میں مختلف الخیال ہیں کہ مہر کی کم از کم مقدار کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کوئی حد نہیں جو رقم سودے میں قیمت بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کوئی حد نہیں ان کے نزدیک کم سے کم چیز کو بھی مہر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار تین درہم ہے۔

تمام فقہا کی آراء کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ مہر کم سے کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی البتہ اس کا مقرر کرنا ضروری ہے۔(3)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قول سے ہوتی ہے کہ

---

① السنن الكبرى للبيهقي : 7 / 233

② انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : 3 / 138

③ بدائع الصنائع ، علاؤ الدين كاساني : 2 / 730

« لاَ تُقْطَعُ الْيَدُ إِلاَّ فِي عَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَلاَ يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ»[1]

کہ چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں مگر کم سے کم دس درہم کی چوری پر اور حق مہر نہ ہو مگر کم سے کم دس درہم۔

امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی بنیاد ان کے مذہب میں سرقہ کی حد کے نصاب پر قیاس پر مبنی ہے کیونکہ ان کے ہاں کم از کم تین درہم یا اتنی مالیت کا سامان چوری کرنے پر مجرم کو قطع ید کی سزا دی جاتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے مہر کی اقل مقدار بھی تین درہم یا چوتھائی دینار مقرر کی ہے۔[2]

المختصر مہر کی مقدار مقرر کرتے وقت سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیے نہ تو کم ہو کہ باعث عار ہو اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ شوہر کے لیے اس کی ادائیگی مشکل ہو پھر ہر ایسی جائز شے قرار پائی جاسکتی ہے جو اپنے اندر مالیت رکھتی ہو۔ چنانچہ نقدی، مال، تجارت، جائیداد وغیرہ مہر میں طے کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ مہر (مال، زیور) نکاح کے وقت جو اسے ملا ہے وہ اس کی مالک ہے اس کے مالکانہ حقوق ہیں وہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرنے پر مکمل اختیار رکھتی ہے۔

ان سب ذرائع کے علاوہ اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے عورت خواہ کتنی ہی مالدار ہو اس کے شوہر پر واجب ہے کہ اس کی ضروریات زندگی فراہم کرے بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بھائی یا دوسرے ولیوں پر اس کی کفالت واجب ہے اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہوگئی ہے کہ بسا اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

حق مہر کی اقسام

مہر کی متعدد قسمیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. مہر مسمیٰ: اس سے مراد وہ مہر جو عقد نکاح کے وقت مقرر کیا جائے یا اگر اس وقت نہ ہو سکے تو بعد میں مقرر کر دیا جائے۔[3]
2. مہر مثل: اس سے مراد وہ مہر ہے جو بیوی کی ہم مرتبہ عورتوں کو دیا جاتا ہو۔[4]

مہر مسمی کی اقسام

اس کی دو اقسام ہیں:

1. مہر معجل: اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح ادا کر دیا جائے یا عند المطلب قابل ادا ہو۔
2. مہر مؤجل: اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا میاں بیو میں کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو جائے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عام رواج مہر معجل ہی کا تھا وہ لوگ مختصر مہر باندھتے اور نکاح کے وقت ہی اس کو ادا کر دیتے۔

---

① كتاب الهداية : 1 / 148
② فتح القدير مع الكفاية : 3 / 205-206
③ الموسوعة الفقهية ، وزارة الأوقاف الشئون الإسلامية : 39 / 53
④ لسان العرب وتاج العروس، باب ر ، فصل ف
⑤ الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب المهر : 4 / 285

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ نے فرمایا کہ اے ربیعہ تم نکاح کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ یہ سوال جواب کئی بار ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے فلاں قبیلہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تم فلاں عورت سے میرا نکاح کر دو چنانچہ میں نے جا کر کہا اور انہوں نے میرا نکاح کر دیا مگر مجھے یہ غم تھا کہ میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں میں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا:

«فَقَالَ رَسُولُ اللَّه-صلى الله عليه وسلم- يَا بُرَيْدَةُ الأَسْلَمِيُّ اجْمَعُوا لَهُ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ فَجَمَعُوا لِي وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَأَخَذْتُ مَا جَمَعُوا لِي فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَ اذْهَبْ بِهَذَا إِلَيْهِمْ فَقُلْ هَذَا صَدَاقُهَا. فَأَتَيْتُهُمْ فَقُلْتُ هَذَا صَدَاقُهَا فَرَضُوهُ وَقَبِلُوهُ وَقَالُوا كَثِيرٌ طَيِّبٌ»[1]

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اسلم کے سردار بریدہ اسلمی سے کہا اے بریدہ تم لوگ اس کے لیے ایک گھٹلی کے ہم وزن سونا جمع کر وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے میرے لیے ایک گھٹلی کے ہم وزن سونا جمع کیا پھر میں نے جو کچھ انہوں نے جمع کیا تھا لیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو لے کر ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ۔ یہ اس کا مہر ہے پھر میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ یہ اس کا مہر ہے۔ انہوں نے قبول کیا ار وہ راضی ہو گئے انہوں نے کہا بہت ہے۔ اچھا ہے۔

جب تک مرد بیوی کو مہر معجل ادا نہ کرے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو مرد سے دور رکھ سکتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ عورت کی مرضی پر ہے کہ وہ مہر معجل وصول کیے بنا خاوند کے گھر جانے سے انکار کر دے۔[2]

مہر کی دوسری صورت مہر مؤجل کی ہے مرد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اتنی مدت میں اس کو ادا کر دے گا۔ اگر بوقت نکاح مہر ادا نہ ہو رہا ہو تو بہر حال اس کی ادائیگی کی مدت کی تعیین ضروری ہے۔

پھر مؤجل کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مہر مؤجل سے مراد وہ مہر ہے جس کی ادائیگی بالاقساط ہو اگر تو مرد اس کی مدت بتائے کہ جب وہ مہر دے گا تو یہ مہر صحیح ہے، لیکن اگر مدت کا ذکر نہ کرے تو پھر یہ مہر صحیح نہیں ہو گا۔[3]

مہر مؤجل کی ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں ملتی ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکل کر مدین پہنچے تو وہاں انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ یہ نکاح مہر مؤجل پر ہوا تھا۔ نکاح کا مہر طرفین کی رضامندی سے یہ طے پایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے سسر کی خدمت میں آٹھ سے دس سال گزارے اسی طرح مہر مؤجل کو پورا کر کے وہ دوبارہ مدین سے مصر کے لیے روانہ ہوئے۔

مہر مثل کن صورتوں میں عائد ہوتا ہے

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر اس عقد میں مہر مثل واجب گا جس میں مہر کا ذکر ہی نہ ہو۔ یا مہر میں ایسی چیز رکھی گئی ہے جو شرعاً حلال نہیں ہے۔ مہر مثل مقرر ہونے کی صورت میں حدیث سے واضح ہے۔

---

① مسند أحمد : كتاب مسند المؤمنين ، باب حديث ربيعة بن كعب الأسلمى، 16627

② فتح القدير لإبن همام : 2 / 73

③ فتح الباري : 3 / 75

«عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ. فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لاَ وَكْسَ وَلاَ شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ. فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ الَّذِي قَضَيْتَ . فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ.»[1]

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے ایک خاتون سے نکاح کیا لیکن حق مہر مقرر کرنے اور دخول سے قبل انتقال کر گیا۔ تو ابن مسعود نے فرمایا: اس کی بیوی کے لیے مہر مثل ہو گا اور اس میں کمی وزیادتی نہیں کی جائے گی۔ وہ عدت پوری کرے گی اور اور وراثت کی بھی حقدار ہو گی۔ اسی وقت معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہو کر ابن مسعود سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق اسی طرح فیصلہ کیا تھا۔ یہ سن کر ابن مسعود بہت خوش ہوئے۔

فقہاء کی آراء

مہر کا اصل شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس کو نکاح کے وقت فوراادا کر دیا جائے۔ اسی پر اکثر صحابہ کا عمل رہا ہے۔ گویا اصل مہر وہی ہے جو مہر معجل ہو۔ مہر کی دوسری قسم (مہر مؤجل) دوسرا برابر درجہ کا طریقہ نہیں۔ یہ صرف رخصت کا طریقہ ہے۔ اصلاً مہر کی ایک ہی قسم ہے اور وہ فورااداکر دینا ہے۔ تاہم بطور رخصت یہ دوسرا طریقہ بھی رکھا گیا ہے تاکہ آدمی حسب ضرورت نکاح کے بعد بھی مقرر مدت پر اس کو ادا کر کے بری الذمہ ہو سکے۔

مہر کے بارہ میں عبد الرحمن الجزیری کی کتاب 'الفقه على المذاهب الاربعة' میں فقہاکے اقوال کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"الحنفية: قالوا يجوز تأجيل الصداق وتعجيله كله أو بعضه ولكن يشترط أن لا يكون الاجل مجهولا، المالكية: فإذا كان الصداق غير معين فإنه يجوز كله أو بعضه بشرطان لا يكون الأجل مجهولا"[2]

کہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ مہر کی تاخیر جائز ہے اس کا کل یا جز فوری طور پر دیا جاسکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مدت غیر متعین نہ ہو جبکہ مالکیہ کا قول ہے کہ مہر جب غیر معین ہو تو اس کا کل یا جزء جائز ہے اس شرط پر کہ مدت مجہول (غیر متعین) نہ ہو۔

مہر کی چند مزید صورتیں (طلاق کی صورت میں)

اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو ادائیگی مہر کی متعدد صورتیں ہیں:

1. قبل دخول اور مہر متعین کرنے سے پہلے طلاق:

---

① سنن الترمذی : کتاب النکاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض، 1145

② الفقه على المذاهب الأربعة لابن الجزري : ص 217

ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا۟ لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَـٰعًۢا بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾ (1)

علامہ مرغینانی اپنی کتاب ''الہدایۃ'' میں فرماتے ہیں کہ متعہ مرد کی اپنی حیثیت کے مطابق ہو گا اگر کوئی مرد اس قابل ہے تو وہ بہت اچھی قسم کا جوڑا دے سکتا ہے جس سے عورت کا پورا جسم ڈھک جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ بہترین متعہ تو یہ ہے کہ جس سے عورت کا ستر پورا ہو جائے۔ علامہ مرغینانی کی بھی یہی رائے ہے اور یہ مستحب بھی ہے۔

2. قبل دخول اور مہر متعین کرنے کے بعد طلاق:

﴿ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ ٱلنِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا۟ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا۟ ٱلْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾ (2)

اس صورت میں مہر نصف ہو گا۔

3. دخول کے بعد طلاق:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُۥ بُهْتَـٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾ (3)

اس صورت میں کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔

حق مہر میں کیا کچھ دیا جا سکتا ہے

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے:

تعلیم قرآن:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن کی تعلیم کو مہر مقرر کرنا جائز نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے (ایک روایت رو سے) اسے جائز قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ شرط رکھی کہ کوئی حد مقرر کی جائے مثلاً اس بات کا فیصلہ کہ کیا تمام قرآن پڑھائے یا نصف یا چوتھائی حصہ اس طرح کی تحریر کیساتھ مہر مقرر کرنا جائز ہے۔(4)

---

(1) سورة البقرة، 2 : 236

(2) سورة البقرة،2 : 237

(3) سورة النساء،4 : 20

(4) المغنی المحتاج لابن قدامه : 2 / 683

خدمت:

اس سلسلہ میں علما کے پیش نظر حضرت موسی علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت بطور مہر کرنا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خدمت کو مہر مقرر کرنا درست نہیں۔باقی فقہا کے نزدیک خدمت کو مہر مقرر کرنا درست ہے۔،کچھ فقہاء کو اس بارے میں اختلاف ہے کہ خدمت سے خاوند کی تذلیل ہو جائے گی،لیکن باقی فقہاء کے نزدیک خدمت کو مہر بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔[1]

عورت کی آزادی

«عَنْ أَنَسٍ كُلُّهُمْ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا »[2]

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو حق مہر بنایا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ صرف آنحضرت کے خصائص میں سے تھا اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی لونڈی آزاد کرے اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دے اور اس شرط پر نکاح کرے کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کرے اور پھر لونڈی نے اسے قبول کر لیا تو یہ آزادی ہی اس کا مہر ہو گی۔

یعنی اگر عورت اس بات کو قبول کر لے کہ اس کی آزادی کو مہر قرار دیا جارہا ہے تو یہ درست ہے۔[3]

دو اہم نکات

یہاں حق مہر سے متعلق دو اہم نکات کا تذکرہ بھی ضروری ہے:

1. پہلے خاوند کی وفات کے بعد اگر عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو وہ پہلے خاوند کے مہر کی مستحق ہو گی۔اور پہلے خاوند کے وارثین اگر اس وجہ سے اس کا مہر ادا نہ کریں کہ وہ دوسرا نکاح کیوں کر رہی ہے تو یہ غلط ہے۔

2. بد چلن عورت کو جو مال شادی کے وقت دیا جا چکا ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے مطابق وہ واپس نہیں لیا جا سکتا۔باقی تمام فقہا کے مطابق بد چلن عورت سے مہر واپس لینا چاہیے۔[4]

آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر

دور اوّل میں شادی کوئی دھوم کی چیز نہ تھی وہ ایک ایسی چیز تھی جس کو بس سادہ طور پر انجام دے لیا جائے اس کے رسوم اور اخراجات اتنے مختصر ہوں کہ وہ طرفین کے لیے کسی بھی اعتبار سے بوجھ نہ بنے۔صحابہ کے یہاں شادی کی تقریب ہر قسم کے تکلف اور نمائش سے بالکل خالی ہوئی تھی۔خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب سے کیا تو اس سلسلے میں مختلف

---

(1) أيضا

(2) صحيح مسلم : كتاب النكاح ، باب الصداق، 1365

(3) تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ : 3 / 16

(4) فتاوی عالمگیری، باب النکاح: 1 / 295

تفصیلات حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں اس کا ایک جز مہر کے بارہ میں ہے۔ نکاح کی بات طے ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ یہ ہے:

«قَالَ : هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تَسْتَحِلُّهَا بِهِ. قَالَ قُلْتُ : لاَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ : فَمَا فَعَلَتِ الدِّرْعُ الَّتِي كُنْتُ سَلَّحْتُكَهَا. قَالَ عَلِيٌّ : وَاللهِ إِنَّهَا لَدِرْعٌ حُطَمِيَّةٌ مَا ثَمَنُهَا إِلاَّ أَرْبَعُمِائَةِ دِرْهَمٍ قَالَ : اذْهَبْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا وَابْعَثْ بِهَا إِلَيْهَا فَاسْتَحِلَّهَا بِهِ.»[1]

کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا، کیا تمہارے پاس کوئی چیز (بطور مہر) ہے جس کے ذریعہ تم فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرو۔ میں نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم اے خدا کے رسول۔ آپ نے کہا کہ وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے تم کو دی تھی۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں علی کی جان ہے۔ وہ زرہ ٹوٹ چکی تھی۔ اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ پس میں نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو اس زرہ کو فاطمہ کے پاس بھیج دو اور اس کے ذریعے فاطمہ کو اپنے لیے جائز کرو۔

آپ کی سب بیویوں کا حق مہر (سوائے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے) اور سب بیٹیوں کا حق مہر (سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے ساڑھے بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ تھا۔

ساڑھے بارہ اوقیہ یا پانچ سو درہم آج کل تقریباً ایک لاکھ 20 ہزار روپے کے لگ بھگ بنتے ہیں۔ کیونکہ ساڑھے 12 اوقیہ چاندی برابر ہے 2/1/187 تولے چاندی کے۔ اور چاندی کے ایک تولہ کی قیمت تقریباً 640 روپے ہے اور اندازاً کل رقم ایک لاکھ سے اوپر بنتی ہے۔

باقی ام حبیبہ کا حق مہر زیادہ تھا۔ چار ہزار درہم یا چار سو دینار لگ بھگ 8 یا 9 لاکھ کے قریب رقم بنتی ہے۔

اس لیے کہ ان کا نکاح نجاشی شاہ حبشہ نے سرزمین حبشہ میں (ان کے بیوہ ہونے کے بعد) نبی پاک سے کر دیا۔ اس نے آپ کی طرف سے ان کا چار ہزار درہم یا 400 دینار مقرر کیا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے:

«عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا. قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لاَ. قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ. فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ»[2]

ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے کہ میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنا حق مہر مقرر کیا تھا؟ وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے لیے حق مہر 12 اوقیہ اور نش مقرر کیا۔ انہوں نے ابو سلمہ سے کہا تم جانتے ہو نش کیا ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں۔ یہ کل ملا کر 500 درہم ہوئے۔

«عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ - صلى الله عليه وسلم- وَأَمْهَرَهَا عنه أَرْبَعَةَ آلاَفٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- مَعَ

---

① السنن الكبري للبيهقي : 7 / 235

② صحيح مسلم : كتاب النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد وغيرذلك، 2107

شُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ»[1]

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ وہ عبید اللہ بن جحش کی اہلیہ تھیں۔ عبید اللہ بن جحش حبشہ میں انتقال کر گئے تو نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ کر دیا، حق مہر چار ہزار درہم مقرر کیا اور انہیں شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

واضح ہوا کہ نبی کی بیٹیوں کے مہر کے حوالے سے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی مہر کی رقم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قبل از نکاح ہی لے لی تھی اور اس رقم سے کپڑے، خوشبو اور دیگر اثاث البیت مہیا فرمائے تھے یہ بھی اس لیے کہ حضور ﷺ دونوں کے ولی اور منتظم تھے اور ایک الگ گھر بسانا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے الگ گھر پہلے سے موجود تھے اس لیے رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا کے مہر میں اتنا تصرف نہ فرمایا۔[2]

عصر حاضر میں اور مہر کے تعین سے متعلقہ افراط و تفریط اور اس کا حل

مہر کے تعین کے بارے میں کہیں افراط کا پہلو سامنے آتا ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ زیادہ مہر ازدواجی زندگی کو مضبوطی اور برقراری دے گا۔ لاکھوں روپے مہر لکھواتے ہیں اور بعض اوقات یہی مہر لڑکی کے لیے مصائب کا باعث بن جاتا ہے۔ کثیر مقدار مہر پر آپس میں لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ ”مہر کی بھاری رقم گھریلو تشدد کی وجہ بھی بن سکتی ہے۔ تعلقات خراب ہونے کے باوجود شوہر کبھی بیوی کو طلاق نہیں دیتا، کیونکہ اس طرح اس کو رقم یا ورثے میں حاصل کی ہوئی جائیداد کا کچھ حصہ بیوی کو بطور مہر دینا پڑے گا۔ نتیجتاً ناخوشگوار شادی جاری رہتی ہے۔ مہر نقد رقم، زمین، زیور یا کسی بھی قسم کی جائیداد کی شکل میں ہو سکتا ہے۔“[3]

پھر اس طرح کی خبریں اخبار کی زینت بنتی ہیں۔ لودھراں:۔ شوہر نے حق مہر میں دی گئی جائیداد اپنے نام نہ کرانے پر بیوی پر بد چلنی کا الزام لگا کر بھائیوں کے حوالے کر دیا۔ بھائیوں نے بہن کو زنجیروں میں جکڑ کر جانوروں کی طرح کھانا دیتے رہے۔ گلزار مائی نے صدر پاکستان کو خط لکھا تو صدر نے دار الامان بھجوایا۔[4]

مولانا محمد یوسف طیبی لکھتے ہیں:

> بعض اسلامی ممالک میں بہت بڑا مہر سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے جس کی وجہ سے شادیاں لیٹ ہو رہی ہیں۔ سعودیہ میں ستر اسی لاکھ روپے تک کی مالیت کا مہر لیا جاتا ہے اور لیتا بھی لڑکی کا والد ہے اور کویت میں اس کا بھی دس گنا اور اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ لڑکوں کی شادی کے لیے کئی ادارے لوگوں سے زکوۃ جمع کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم کے جوانوں کی شادیاں کر سکیں۔ بعض صاحب حیثیت لوگ 32 روپے کچھ پیسے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور اس کو شرعی مہر سمجھتے ہیں۔ یہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے اور شریعت میں کہیں ثابت نہیں۔ حیثیت کے باجود اتنا کم دینا عورت کی حق تلفی ہے۔ عورت خاوند کی حیثیت کے مطابق مناسب مہر لے سکتی ہے۔ دوسری طرف بعض کنگلے نمود و نمائش کے لیے لمبا چوڑا مہر لکھوا دیتے ہیں۔ پھر پہلے ہی دن اپنے مرد ہونے کے ناطے عورت کو بلیک میل کرتے ہیں اور مہر معاف کرنے کی بھیک مانگتے ہیں۔ یہ بات شریعت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ مردانگی کے بھی

---

① سنن أبي داؤد : كتاب النكاح ، باب الصداق، 2107

② ازدواجی زندگی کے لیے قانونی تجاویز از جعفر شاہ پھلواری : ص 29

③ عورت، قانون اور معاشرہ: ص 8

④ روزنامہ 'خبریں' لاہور: 9 اگست 2007ء

خلاف ہے اور محض تکلف بھی ہے بلکہ مہر اپنی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے جو قابل ادا ہو۔ دونوں طرف افراط و تفریط سے بچنا چاہیے۔[1]

مہر کی ادائیگی کا طریقہ

اکثر لوگ دین سے دوری کی بنا پر شریعت اسلامیہ کی روح کو نہ سمجھتے ہوئے مہر لینے کو باعث عار اور شرمندگی خیال کرتے ہیں۔ مجلس نکاح میں ہی لڑکی کا ہاتھ لگوا کر مہر واپس کر دیا جاتا ہے۔ یا خیرات کر دیا جاتا ہے۔ مہر کی وصولی اور اس کے استعمال پر عورت کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بعض والدین مہر خود وصول کرتے ہیں اور لڑکی کو نہیں دیتے۔ ”بدقسمتی سے عام طور پر خاندانوں کا وقار بلند رکھنے کے لیے عورت کو مہر سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ سندھ میں کینجھر جھیل کے علاقے میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے ”ہم مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتے، کیونکہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔“[2]

لڑکی کو مہر وصول کرنے پر کوئی اختیار نہیں۔ یا اس سے جبراً معاف کرا لیا جاتا ہے اور یہ جبر ظاہری بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات معنوی بھی یعنی اشارۃً کنایتاً کہنا کہ مہر معاف کر دینا ہی اچھا ہوتا ہے یا ہمارے خاندان کی عورتوں نے کبھی مہر نہیں لیا۔

مہر کی ادائیگی کا تصور

مہر کی ادائیگی کے بارے میں عموماً یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اسکا تعین ضروری ہے۔ دینا یا لینا ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ مہر معجل مقرر کرتے ہیں اور لاکھوں کی دستاویزات یہ سوچ کر لکھ دیتے ہیں کہ کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے۔ اگر مہر مؤجل ہو تو اس کی مدت کا تعین نہیں کیا جاتا اور ادائیگی کا تصور موت یا طلاق سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔

مگر یہ سارا نقطہ نظر مہر کی روح کے بالکل خلاف ہے۔ حق تو یہی ہے کہ مہر فوراً ادا کیا جائے اور اگر سہولت کی خاطر مرد کو مہلت دے دی جاتی ہے تو اسکا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اب طلاق کے علاوہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر خدا ترس مسلمان کو مہر کے بوجھ سے جلد از جلد فارغ ہونے کی فکر کرنا چاہیے اور عملاً لاپرواہی سے ٹال مٹول کر کے قرض چھوڑ کر نہیں مرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح تو وہ مقروض مرتا ہے اور نبی اکرم تو مقروض کی نماز جنازہ بھی پڑھانے سے انکار فرما دیتے تھے۔

ہمارے ہاں ایک اور مہر مروج ہے جسے مہر عند الطلب (on demand) یا مہر مؤخر کہا جاتا ہے یہ ایک ایسا مہر ہے جس کی ادائیگی شاید ہی کبھی ہوتی ہو۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ہمارے معاشرے میں اختلاف کے سوا اس مہر کی ادائیگی کی کوئی عملاً صورت ہے؟ کیا بیوی کے مہر طلب کرنے پر شوہر کے دل میں اس کی عزت اور محبت باقی رہے گی؟ بلکہ اس بات کا زیادہ امکان پایا جاتا ہے کہ مہر طلب کرنا اختلاف اور ناچاقی کا باعث بن جائے۔ اس لیے عورت مجبوراً اپنے اس حق کے بارے میں خاموشی اختیار کرے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو 'نحلۃ' خوشدلی سے دیا جانے والا تحفہ اور 'فریضہ' لازماً ادا کی جانے والی چیز قرار دیا تھا۔ یہ احکام تو حق مہر دینے والے کے لیے تھے لینے والے کی طرف سے اس کے تقاضے کا کوئی اشارہ اس میں موجود نہیں۔ (لینے والے کے لیے یہ حکم ضرور ہے کہ وہ چاہے تو خوشدلی سے سارا مہر یا اسکا کچھ حصہ معاف کر دے) حقدار کی طرف سے تقاضے کی صورت تو نزاع کے وقت ہی پیش آتی ہے اور یہ صورت یقیناً انکار کی ہو گی اور انکار، اختلاف اور نزاع تو ازدواجی زندگی کے لیے زہرِ قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔

---

① مسنون شادی: ص 34-35

② عورت، قانون اور معاشرہ: 85

دکھلاوے کا مہر

یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ ہم نے شادی بیاہ کو جو صرف معاشرتی معاہدہ ہی نہیں بلکہ مذہبی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کے بارے میں قرآنی احکامات کا اختتام عمومی طور پر 'اتقوا اللہ' یعنی اللہ سے ڈرو پر ہوتا ہے۔ رسوم ورواج کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ کپڑے، زیور، بناؤ سنگھار کی اشیاء اور ڈھول تماشے پر ہم دل کھول کر لگاتے ہیں، لیکن جہاں مہر کا معاملہ سامنے آتا ہے تو عدل و توازن کو بر سر طاق رکھتے ہوئے افراط یا تفریط کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ عمومی طور پر مہر کے ساتھ ادائیگی کا تصور کم ہی وابستہ رکھا جاتا ہے۔ افراط یہ کہ بعض اوقات لڑکی کے اولیا کی طرف سے انتہائی کثیر مہر کی فرمائش کی جاتی ہے۔ جو لڑکے کی بساط سے باہر ہوتا ہے اور حقیقت میں دو ہزار روپے ہوتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً غلط ہے۔ امام کاسانی لکھتے ہیں:

> جو مہر محض شہرت اور دکھلاوے کے لیے باندھا گیا ہو۔ دکھلاوا یا تو قدر مہر میں ہو گا یا جنس مہر میں۔ اگر دکھلاوا قدر مہر میں ہے مثلاً علیحدگی میں تو یہ طے کرتے ہیں کہ مہر ایک ہزار ہو گا لیکن مجلس عقد میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مہر دو ہزار درہم ہے اگر وہ مجلس میں اس بات کا اظہار نہیں کرتے کہ ایک ہزار محض دکھلاوے کے لیے ہے تو مہر وہی ہو گا جس کا مجلس میں اظہار کیا گیا۔ یعنی دو ہزار کیونکہ مہر وہ ہوتا ہے جو عقد میں مذکور ہو۔ ہاں اگر مجلس میں ایک ہزار دکھلاوے کی وضاحت کر دی تو مہر ایک ہزار ہو گا۔ اگر دکھلاوا جنس مہر میں ہے مثلاً علیحدگی میں ایک ہزار درہم طے پایا لیکن مجلس عقد میں سو دینار ظاہر کیا اگر وہ یہ ذکر نہیں کرتے کہ سو دینار دکھلاوے کے لیے ہے تو مہر وہی ہو گا جو مجلس عقد میں ذکر کیا گیا۔ (1)

مہر کی جبری معافی

مہر کی معافی کے لیے بھی کئی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ لڑکی پر مہر کی معافی کے لیے حقیقی جبر کیا جاتا ہے اور دباؤ کے ذریعے مہر معاف کروالیا جاتا ہے۔ یا بظاہر جبر تو نہیں کیا جاتا تحفے تحائف دے کر مہر کی معافی کی درخواست کی جاتی ہے یا بالواسطہ قصے کہانیاں سنا کر مہر معاف کروانے کی کوشش کی جاتی ہے مثلاً اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو مہر معاف کر دے۔ ہمارے ہاں عورتوں نے کبھی مہر نہیں لیا یا ہم دونوں ایک ہیں تم مہر لے کر کیا کرو گی وغیرہ وغیرہ۔

مہر کی ادائیگی کے بارے میں عوام الناس میں ایک اور طریقہ رائج ہے کہ لڑکی سے مجلس عقد میں لڑکی کے اولیا مہر کو ہاتھ لگواتے ہیں اور اس کی رضامندی معلوم کیے بغیر اسے مسجد میں بھجوا دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر ادا ہو گیا۔ ادائیگی کا یہ طریق اسلام کے سراسر منافی ہے۔ اسلام میں مہر عورت کا حق ہے جسے وہ اپنی مرضی سے چاہے تو طیب نفس سے معاف کر دے۔ اس پر بیرونی طور پر معافی کے لیے کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں مہر کی معافی کے لیے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: ﴿فَإِن طِبۡنَ لَكُمۡ عَن شَيۡءٖ مِّنۡهُ نَفۡسٗا﴾ یعنی وہ اگر عورتیں خوشدلی کے ساتھ اپنے مہر کا کوئی حصہ تمہیں دے دیں۔ (2)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مطلب یہ کہ جبر واکراہ اور دباؤ کے ذریعے معافی حاصل کرنا تو کوئی چیز نہیں اس سے کچھ معاف نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ بالکل اپنے اختیار اور رضامندی سے کوئی حصہ مہر کا معاف کر دیں یا لینے کے بعد تمہیں واپس کر دیں وہ تمہارے لیے جائز ہے۔ دور حاضر میں چونکہ

---

(1) بدائع الصنائع: 2 / 751

(2) سورۃ النساء، 4 : 4

خواتین سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بد دلی یا بد مزگی پیدا ہو گی۔ اس لیے بادل نخواستہ معاف کر دیتی ہیں۔ اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں اور مہر عورت کا مال ہے کہ سورۃ النساء آیت نمبر چار میں مہر کی ضمیر عورتوں کی طرف کی گئی ہے فرمایا: صدقاتہن (ان عورتوں کے مہر)

امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر ہبہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ ولی عورت کے اموال میں سے کسی کو کچھ بھی ہبہ نہیں کر سکتا۔ سو مہر میں بھی ایسا ہی ہو گا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے مہر کو عورت کے لیے "نحلة" یعنی عطیہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر چار میں مذکور ہے۔ معروف مفسر ابن العربی رحمہ اللہ کے مطابق یہاں اس سے تین معانی مراد لیے جاتے ہیں۔

کہ جس طرح تمام تحائف اور ہدیے دل کی خوشی کے ساتھ دیئے جاتے ہیں اس طرح مہر بھی طیب نفس کے ساتھ دیا جائے۔

مہر اللہ کی طرف سے عورتوں کو تحفہ ملا ہے۔ جاہلیت میں مہر اولیا وصول کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے چھین کر عورتوں کو عطا کر دیا ہے۔

عہد جاہلیت میں لوگ ادلے بدلے کی شادی بغیر مہر کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا کہ عورتوں کو یہ عطیہ دیا جائے۔ [2]

اگر عورت کی مرضی کے بغیر مہر کو کہیں خرچ کیا جائے تو یہ نحلہ نہیں رہے گا۔

اصطلاح شرع میں اگر بیوی مہر وصول کر کے واپس کر دے تو یہ 'ہبہ' کہلائے گا اور اگر لیے بغیر ہی معاف کر دے تو یہ 'ابرا' ہو گا اور دونوں صورتیں جائز ہیں مگر اس میں یہ ضروری ہے کہ مہر کے معاف کر دینے میں عورت کی پوری رضامندی شامل ہو اور شوہر کے جبر یا مکر و فریب کا دخل نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کے ایک فیصلے کی رو سے اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو پورا مہر یا اس کا جز معاف کر دیا ہو اور بعد میں وہ پھر اس کا مطالبہ کرے تو شوہر کو اس کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اس کا یہ مطالبہ کرنا ہی اس کی عدم رضامندی کی دلالت کے لیے کافی ہے۔ [3]

مہر معجل، مؤجل کے علاوہ بھی مہر کی دو صورتیں یہ ہیں: 1. موجل مطلق 2. اتنی رقم فی الفور ادا باقی بعد میں۔

صرف مہر معجل کے علاوہ باقی تینوں صورتیں اڑا دینی چاہیے۔ مؤجل مطلق کو تو قطعاً روک دینا چاہیے کیونکہ ہر ایک سے بعد میں نزاع کا امکان ہے خاص خاص حالات میں جب کہ اس حلقے کے ذمے دار آفیسر کو یقین ہو کہ کوئی خاص شر پیدا نہیں ہو گی۔ تو مہر مؤجل اور دوسری صورت کی اجازت دے دینی چاہیے۔

بوقت نکاح قسم مہر میں عدم صراحت کی صورت میں تمام مہر معجل متصور ہو گا۔ چنانچہ اس صورت میں عدالتوں کو مقدمہ کے مطابق مخصوص حالات کے پیش نظر یہ طے کرنا چاہیے کہ کتنا معجل اور کتنا مؤجل ہونا چاہیے۔

---

① بدائع الصنائع: 2 / 759

② أحكام القرآن: 1 / 132

③ قرآن کا عائلی قانون: ص 17

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اکثر شوہر وقت آنے پر کہتے ہیں کہ بیوی نے حق مہر معاف کر دیا تھا، اس سلسلے میں ضروری ہے کہ یہ معافی قانونا ہونی چاہیے، اگر کوئی بیوی اتنی مخیر ہے تو وہ حق مہر کی رقم یا جائیداد کسی فلاحی ادارے میں دے۔ شوہر پر خرچ کرنا ویسے بھی نامناسب ہو سکتا ہے۔

معاشرے میں جو مسائل حق مہر سے متعلق زوجین کے لیے وجہ نزاع بن رہے ہوں ان باتوں کا سدباب کرنے کے لیے مناسب شرائط لکھوا لینی چاہیے جس پر دونوں فریق اور ان کے سرپرست گواہوں کے دستخط ہوں۔

حق مہر کے نام پر لاکھوں کی دستاویزات لکھنے والے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر میں اس حد تک کمی قبول کرنے پر راضی کریں۔ جسے یک مشت یا باقساط ادا کر سکتے ہوں اور بیویوں کو بھی چاہیے کہ اس کمی پر راضی ہو جائیں کیونکہ آج کل جن چیزوں نے عورتوں کو عام طور پر مبتلائے مصیبت کر رکھا ہے۔

ان میں سے اہم چیز مہر کی زیادتی ہے۔ اگر اس میں اعتدال برتا جائے تو قریب قریب 75 فیصد مشکلات رونما ہونے سے پہلے ہی حل ہو جائیں۔[1]

اس کی اصلاح کے لیے دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اگر مہر معجل ہو تو فریقین مختار ہیں کہ بلا کسی حد انتہا کے جتنا چاہیں مقرر کر لیں۔ لیکن اگر وہ مہر مؤجل ہو تو لازم قرار دیا جائے کہ اس کی دستاویز باقاعدہ اسٹامپ پر لکھی جائے۔ اس قسم کا ضابطہ اگر بنا دیا جائے تو اس سے مہر مؤجل کا یہ سرتاپا عجیب طریقہ باسانی مسدود ہو جائے گا۔ اس وقت لوگ مجبور ہوں گے کہ اپنی استطاعت کے مطابق مہر مقرر کریں اور فضولیات میں روپیہ صرف کرنے کے بجائے نقد یا مال نکاح کے وقت ہی مہر ادا کریں۔[2]

لہٰذا ضروری ہے کہ حق مہر مالی استطاعت سے بڑھ کر نہ باندھے جائیں۔ فی الفور ان کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ زیادہ ہیں اور فوراً ادا نہیں کیے جا سکتے تو ان کو قسط وار ادا کیا جائے یا کچھ حصہ بیوی سے معاف کروا لیا جائے۔ بیوی بھی اگر نیک دل ہو گی تو ضرور اس سلسلے میں تعاون کرے گی۔

مگر مردوں نے آج کل حکم قرآنی 'باہمی رضامندی سے حق مہر میں کمی بیشی' سے جو مفہوم مراد لیا ہے کہ لازما عورتوں سے معاف ہی کروانا ہے اور لازما حق مہر کو مؤجل ہی رکھنا ہے، یہ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔

اس رجحان کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں تھوڑا حق مہر باندھنا اور پھر اس کو جلدی ادا کرنا بہت اچھا ہے۔ زیادہ حق مہر باندھنے میں ایک اور بھی قباحت ہے۔ اگر خدانخواستہ میاں بیوی میں موافقت نہ ہو سکے تو یہ مہر کی زیادتی خود عورت کے لیے بہت بڑا املال بن جاتی ہے۔ مرد اتنا بڑا مہر اس کو دے نہیں سکتا، لہٰذا وہ غریب معلق پڑی رہتی ہے۔ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' والا معاملہ بن جاتا ہے۔[3]

---

① حقوق زوجین: ص 120-124

② women's Rights in Islam's, p27

③ تفہیم القرآن: 1 / 322

’شرعی مہر‘ کا فرسودہ تصور

شریعت اسلامیہ نے مہر کو بہت زیادہ اہمیت دی اس کے لیے ’فریضہ‘ کا لفظ استعمال کیا یعنی ادا کرنا لازم ہے۔اور اس فریضہ کو خوشدی سے ادا کرنے کے لیے لفظ نحلہ استعمال کیا گیا۔اسکے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔اسلام نے مہر کی مقدار کا تعین نہیں کیا بلکہ حیثیت اور عرف پر اس کا انحصار رکھا۔اگر شوہر صاحب حیثیت ہے تو وہ ڈھیروں مال بھی دے سکتا ہے اور اگر اس کی مالی حیثیت کمزور ہے تو لوہے کی انگوٹھی پر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔عصر حاضر میں بعض لوگوں نے ساڑھے بتیس روپے کو شرعی مہر سمجھ رکھا ہے۔بعض علاقوں میں اس سے کچھ زیادہ مقدار کو مہر فاطمی خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام میں اس کے جواز کی کوئی سند موجود نہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک لکھتے ہیں:

> اسلام میں میں شادی کی تکمیل کے لیے عورت کو مہر کی ادائیگی لازمی ہے مگر بد قسمتی سے ہم نے قرآن کے اس حکم کی پابندی کو یک گونہ مذاق بنا کر رکھ دیا ہے کہ 151 روپے یا 786 روپے (یا سوا 32 روپے) کے مہر کو ’اسلام‘ کے مطابق قرار دے کر گلو خلاصی کروالی جاتی ہے۔حالانکہ شادیوں پر اس قدر اسراف سے کام لیا جاتا ہے کہ ایک ایک رسم پر لاکھوں روپے بے دریغ لٹا دیئے جاتے ہیں۔جو شخص شادی کی تقریب پر لاکھوں اڑا سکتا ہے۔اس کے لیے مہر کی رقم بھی اسی قدر زیادہ ہونی چاہیے۔مسلم معاشروں خصوصا برصغیر پاک وہند میں کئی ایسے رسوم ورواج در آئے ہیں جن کے باعث مہر کی رقم بس نام کی حد تک باقی رہ گئی ہے۔
> جب کہ اس کے برعکس لڑکی کے ماں باپ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو بھاری جہیز دے کر رخصت کریں۔[1]

بتیس روپے رقم کی توجیہ کرتے ہوئے مولانا عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

> معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حساب کسی عالم نے اس دور میں لگایا ہو گا جب متحدہ ہندوستان میں ایک روپے کا چار سیر دیسی گھی مل جاتا تھا۔ملازمین کی تنخواہ 2 روپے ماہوار سے لے کر 4 روپے تک ہوتی تھی اور سونے کا بھاؤ تقریبا 5 روپے تولہ ہوتا تھا۔یعنی اس وقت بھی 32 روپے کا چھ سات تولے سونا آ جاتا تھا۔(جواب 35، 40 ہزار روپے کا ایک تولہ ہے بلکہ اس سے بھی گراں) اب صورتحال یہ ہوئی کہ روپے کی قیمت تو ہزار گنا گر چکی ہے مگر 32 روپے لوگوں کو اسی زمانے کے یاد ہیں۔[2]

> عموما جھگڑے اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ نسبت طے کرتے وقت مہر کا تعین نہیں ہوتا بعض اوقات عین نکاح کے وقت فساد ہوتے ہیں۔مغربی یونٹ کے مشرقی علاقوں پر عموما طے کر لیا گیا ہے کہ مہر ہوتا ہی بتیس روپے اور اس کا نام رکھا گیا ہے مہر شرعی، میمنوں میں یہ طے ہے کہ خواہ کروڑپتی کا نکاح ہو رہا ہے مگر مہر رکھا جائے گا دس روپے۔[3]

لڑکی والوں کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی رقم کا مہر باندھیں۔اس بات پر ضد کی جاتی ہے۔جھگڑے کیے جاتے ہیں کبھی تو اس پر رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔حالانکہ بھاری مہروں نے کبھی ٹوٹتے نکاحوں کو بچایا ہے اور نہ پھلنے پھولنے والے نکاحوں کو کم مہروں نے ناکام کیا ہے۔دوسری طرف لڑکے والے میں جو اسی ’سودابازی‘ میں کم قیمت پر توبات کو لانے کی کوشش کرتے ہی ہیں۔اکثر اوقات ایک آواز شرعی مہر کی بھی سننے میں آتی ہے۔[4] حالانکہ سنت سے اس کا کوئی جواز نہیں ملتا۔

---

① عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینے میں: ص 459

② تیسیر القرآن از عبد الرحمن کیلانی: 1 / 333

③ عورت معرض کشمکش میں: ص 258

④ عورت معرض کشمکش میں: ص 258

ہمارے ہاں فیملی لا آرڈیننس کی صورت میں نکاح کی رجسٹریشن ضروری ہے اس لیے قانون کے ذریعے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ جب فریقین شادی کرنے پر رضامند ہوں تو وہ یونین کونسل میں اس امر کی اطلاع دیں کہ مجوزہ شادی پر کتنی مالیت کا جہیز ہو گا اور دولہا اس مالیت کے مطابق دلہن کے نام رقم جمع کروائے گا جو حق مہر معجل تصور ہو گا۔ بیہ تولہ ہے مہر تو زائد تحفہ ہے۔ ایسی صورت میں نہ تو کسی مرد کے خاندان والے کسی لڑکی کے خاندان کو بلیک میل کر سکیں گے اور نہ معاشرے میں جھوٹی شان و شوکت سے دوسروں کو دھوکہ دے سکیں گے۔

لیکن عرف عام میں مہر اتنا رکھا جائے جتنا ادا ہو سکے۔ اتنا زیادہ مہر رکھنا جس کے متعلق سب کو یقین ہو کہ ادا نہ ہو سکے گا۔ سخت غلطی ہے اور اتنا کم رکھنا جو ایک دن کے خرچے کے برابر ہو ایک مذاق ہے۔ مہر اتنا کم تو ضرور ہونا چاہیے جو آسانی سے جلد ادا ہو سکے لیکن زوجین کے وقار اور حیثیت سے گرا ہوا نہیں ہونا چاہیے یہ کیا مذاق ہے کہ لڑکی والے 10،00000 (دس لاکھ) کا جہیز دیں اور پھر لڑکی والوں کی طرف سے پارٹیوں اور ولیموں میں ہزاروں روپے اڑا دیے جائیں اور مہر صرف 32 روپے رکھا جائے۔

اس لیے ضروری ہے کہ مہر اتنا رکھا جائے جو شوہر کی چھ ماہ یا ایک سال (یا جتنی مناسب مدت سمجھی جائے) کی آمدنی کے برابر ہو۔ زیادہ رکھنے سے ناچاقی کی صورت میں بیوی اکثر معلق رہتی ہے اور کم صورت میں تعدد ازدواج اور طلاق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔[1]

پاکستانی معاشرے میں بحیثیت کمیونٹی اس بات کے لیے کوشش کی جانی چاہیے کہ مہر کا صحیح تناسب، بروقت ادائیگی اور اس کو خاتون کی خالص ملکیت میں دینے کے لیے لوگوں میں آگہی اور شعور پیدا کیا جائے۔ آج کل سمجھ دار لوگ مہر میں زیور دینے لگے ہیں۔ مگر اس پر عورت کا مکمل اختیار ہونا چاہیے اس کے لیے ہر سطح پر اور میڈیا کے مختلف فورم پر آواز اٹھانی چاہیے۔

نکاح فارم میں مہر اور دیگر معاملات کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بھی شامل کیا جائے اور یہ اہتمام کیا جائے کہ لڑکا اور لڑکی نکاح سے قبل ان تعلیمات سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔

سرکاری و نجی شعبوں میں خصوصی اسکیموں کے تحت مہر کی صورت میں حاصل ہونے والی رقم کی سرمایہ کاری کے لیے مواقع پیدا کیے جائیں اس صورت میں مہر کی بروقت ادائیگی کی خود بخود ایک نئی راہ کھل جائے گی۔

اس بات کو بھی عام کیا جائے کہ مہر رقم کی بجائے جنس یعنی جائیداد، مکان اور باغ وغیرہ کی شکل میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ معاشرہ میں فی الوقت یہ تصور نہ ہونے کے برابر ہے۔

① ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز از جعفر شاہ پھلواری : ص 30

3

فصلِ سوم

حق نان و نفقه سے متعلقہ مسائل

حق نان ونفقہ سے متعلقہ مسائل

اسلامی تعلیمات کی رو سے بیوی کے خرچ اور دیگر ضروریات کی کفالت کا بار خاوند پر ڈالا گیا ہے۔ کتب فقہ میں اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی گئی ہے لیکن بہت سے دیگر معاملات مسائل کی طرح نان ونفقہ کا مسئلہ بھی گھمبیر صورت اختیار کر چکا ہے اور قوانین اس باب میں متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ زیر نظر فصل میں نان ونفقہ کے شرعی تصور کو زیر بحث لایا جارہا ہے۔ اس فصل میں عورتوں کو درپیش مسائل اور ان کے حل کے لئے تجاویز بھی سامنے لائی جائیں گی۔

نفقہ کی لغوی تعریف

نفقہ کے لغوی معنی خرچ کرنے، نکال دینے (یا چالو کرنے) کے ہیں چنانچہ جب جانور کو بذریعہ خرید وفروخت یا اسے ہلاک کر کے مالک کے قبضہ سے نکال دیا جائے تو کہتے ہیں "نفقة الدابة (یعنی میں نے جانور کو نکال دیا اسی طرح "نفقت السلعة "یعنی میں نے مال کو چالو کر دیا یہ اسوقت کہتے ہیں کہ جب مال کی خرید وفروخت چل پڑے (یا رائج ہو جائے) یہ لفظ باب دخل یدخل سے آیا ہے قواعد کی رو سے یہ لفظ اسم مصدر ہے اور اسکی جمع نفقات اور نفاق، بکسر نون، آتی ہے جیسے ثمرہ کی جمع ثمار۔ (1)

نفقہ کا لفظ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہوں پر بھی استعمال ہوا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قُل لَّوۡ أَنتُمۡ تَمۡلِكُونَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّيٓ إِذٗا لَّأَمۡسَكۡتُمۡ خَشۡيَةَ ٱلۡإِنفَاقِۚ وَكَانَ ٱلۡإِنسَٰنُ قَتُورٗا ﴾ (2)

کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے کے خوف سے اس کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔

پھر فرمایا:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ ﴾ (3)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو۔

نفقہ کی اصطلاحی تعریف

فقہاء نے نفقہ کی متعدد تعریفیں کی ہیں جو کہ درج ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

شرح الوقایہ میں نفقہ کی تعریف یوں ہے:

"هي الطعام ومايتعلق به والمراد الطعام ومايتعلق به ولكسوة وما يتعلق بها والسكنى وما يتعلق

---

① لسان العرب ،ماده نفق ،المنجد،ماده نفق،تاج العروس ،ماده نفق

② سورة بنى إسرائيل، 17 : 100

③ سورة يس، 36 : 47

بہا"[1]

کہ نفقہ کھانے اور اس سے متعلق اشیاء، لباس اور اس سے متعلق لوازمات مکاں اور اس سے متعلق اشیاء کو کہتے ہیں۔

بلغة السالك میں نفقہ کی تعریف:

"أنہا ما بہ قوام معتاد مال الآدمی دون سرف"[2]

کہ آدمی کے مال کے مطابق درمیانی مقدار میں خرچ کرنے کو نفقہ کہتے ہیں۔

صاحب المغنی کے نزدیک:

"النفقات جمع نفقة من الانفاق"[3]

نفقہ کی جمع نفقات ہے جس کے معنی خرچ کرنے کے ہیں۔

مختصر یہ کہ نفقہ سے مراد خرچ کی ذمہ داری ہے۔ اصل میں نفقہ کسی دوسرے شخص کی محنت کے معاوضہ میں اسکو ضروریات زندگی فراہم کرنا ہے مثلاً روٹی، لباس، مکان اور اس سے متعلقہ دوسری اشیاء مثلاً تیل، روشنی اور پانی وغیرہ۔

نفقہ کی شرعی حیثیت

ارباب فقہ کے حسب تصریح نفقہ کی حیثیت امر واجب کی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ نفقہ کا مہیا کرنا خاوند، باپ یا آقا پر واجب ہے اور جب یہ حق خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اسکی ہدایت کے مطابق ادا کیا جائے تو اس سے متعلق صحیح بخاری میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا ، كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً»[4]

کہ مسلمان جو کچھ اپنے اہل عیال پر خرچ کرے اور نیت ثواب کی ہو تو اسکے لیے صدقہ ہے۔

عورت کے حق نفقہ کے شرعی دلائل

بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے۔ اس ضمن میں کتاب وسنت کے دلائل پیش خدمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِۦ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُۥ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ ءَاتَىٰهَا ۚ سَيَجْعَلُ ٱللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴾[5]

---

① شرح الوقاية : 47 / 171

② بلغة السالك : 1 / 51

③ مغني المحتاج : 3 / 45

④ صحيح البخاري : كتاب النفقات ، باب فضل النفقة على أهل، 5351

⑤ سورة الطلاق، 65 : 7

کہ کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے (حسب توفیق) دے۔ کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی اسے طاقت دے رکھی ہے۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کر دے گا۔

ایک مقام پر فرمایا کہ

﴿وَٱرۡزُقُوهُمۡ فِيهَا وَٱكۡسُوهُمۡ﴾ (1)

کہ انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿أَسۡكِنُوهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنتُم مِّن وُجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُواْ عَلَيۡهِنَّۚ﴾ (2)

کہ اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان عورتوں کو رکھو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿عَلَى ٱلۡمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلۡمُقۡتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعَۢا بِٱلۡمَعۡرُوفِۖ﴾ (3)

کہ خوشحال اپنے اندازسے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔

شوہر پر بیوی کا نفقہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو خواتین کا نگران مقرر فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعۡضَهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡۚ﴾ (4)

کہ مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

مردوں کو چونکہ عورتوں کا نگران مقرر کیا گیا ہے اس لیے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضروریات زندگی فراہم کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ معروف طریقے سے زندگی بسر کریں۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ﴾ (5)

کہ ان کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو۔

---

① سورة النساء، 4 : 5

② سورة الطلاق، 65 : 6

③ سورة البقرة، 3 : 236

④ سورة النساء، 4 : 34

⑤ سورة النساء، 4 : 19

دین اسلام میں خواتین کے حقوق کو خاصی اہمیت سے نوازا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کے عورتوں کے حقوق کے متعلق دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوِ اكْتَسَبْتَ وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ إِلاَّ فِي الْبَيْتِ» (1)

کہ جب تم کھاؤ تو ان کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو ان کو بھی پہناؤ اور ان کے منہ پر نہ مارو اور اسے برا نہ کہو اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ» (2)

کہ تم پر معروف طریقے سے ان عورتوں کو کھلانا پلانا اور انہیں لباس مہیا کرنا لازم ہے۔

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنّ» (3)

خبردار! عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم انہیں لباس مہیا کرنے اور انہیں کھانا فراہم کرنے میں احسان کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

«قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ سِرًّا قَالَ « خُذِى أَنْتِ وَبَنُوكِ مَا يَكْفِيكِ بِالْمَعْرُوفِ» (4)

کہ ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے۔ مجھے وہ اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو مگر یہ کہ میں خفیہ طور پر کچھ لے لیتی ہوں تو ایسے کرنے سے مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا: معروف طریقے سے تم اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل کا احاطہ کیا ہے:

1. بیوی کے خرچہ کی مقدار معین نہیں۔
2. اولاد کے خرچے کا ذمہ دار اکیلا والد ہے۔
3. اگر شوہر اور والد اپنے اوپر واجب خرچہ ادا نہ کرتے ہوں تو بیوی اور اولاد کے لیے معروف طریقے سے اس قدر ان کے مال سے لینا جائز ہے جتنا انہیں کفایت کر جائے۔

---

① سنن أبوداؤد : كتاب النكاح ، باب فى حق المرأة على زوجها، 2142

② صحيح مسلم، كتاب الحج ، باب حجة النبي ، 1218

③ سنن ابن ماجه : كتاب النكاح، باب حق المرأة علي الزوج، 1851

④ صحيح بخاري : كتاب البيوع، باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والإجارة، 2211

نفقہ کے وجوب کے اسباب

نفقہ کے واجب ہونے کے حسب ذیل تین اسباب ہیں:

1. نکاح 2. قرابت 3. ملک

نکاح کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفقہ کے واجب ہونے کے لیے نکاح کے ساتھ عورت کا تسلیم نفس کرنا بھی ضروری ہے۔[1]

یعنی جب عورت مرد کے نکاح میں آجاتی ہے تو مرد کے ذمے نفقہ واجب ہو جاتا ہے، لیکن اس ضمن میں اصول یہ ہے کہ اگر مرد خود اپنی کسی مجبوری کی بنا پر عورت کو اپنے پاس نہ رکھ سکتا ہو مثلاً جماع کے قابل نہ ہو یا اپنی خواہش سے عورت کو اپنے پاس نہ رکھے تو اس سے عورت کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ معروف طریقہ سے پیش آئے اور حسن سلوک کا ثبوت دے۔ اس کے آرام و سکون اور نفقہ کا خیال رکھے۔[2]

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اسے چاہیے کہ منجملہ دیگر امور کے نفقہ کے معاملہ میں بھی ان میں عدل و مساوات کرے چاہے زوجہ نئی یا پرانی، مسلمان یا کتابیہ ہو۔ خواہ ان میں سے کوئی زوجہ صحت مند ہو یا بیمار، حائضہ ہو یا غیر حائضہ۔[3]

دوسرا سبب قرابت ہے مثلاً اولاد یا والدین کا نفقہ

اولاد کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[4]

کہ اور جن کے بچے ہیں ان پر دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے۔

والدین کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾[5]

کہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا۔

ایک جگہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[6]

کہ اور تیرا پروردگار فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا۔

---

① فتاوی قاضی خان از فخر الدین: ص195 ، البحر الرائق از ابن نجیم: 4 / 195
② الأحكام الشرعية في الأحوال الشخصية للطوسي: ص 150
③ فتاوی قاضی خان : 1 / 195
④ سورة البقرة، 2 : 233
⑤ سورة لقمان، 31 : 15
⑥ سورة الإسراء، 17 : 23

احسان یہ نہیں ہے کہ انسان خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اپنے والدین کو مرنے کے لیے بھوکا چھوڑ دے۔ لہٰذا قرابت کی بنا پر والدین اور اولاد نفقہ کے حقدار ہوں گے اور امام ابو حنیفہ اس میں محرم رشتہ داروں کو بھی شامل کرتے ہیں۔[1]

نفقہ کا تیسرا اور آخری سبب ملک ہے اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

غلام کا نفقہ: فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ حتی المقدور غلام کا نفقہ اور لباس وغیرہ مالک پر واجب ہے۔[2]

جانور کا نفقہ: فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ جانور کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے۔ فقہاء کرام نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ:

«دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا ، فَلَمْ تُطْعِمْهَا ، وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خِشَاشِ الأَرْضِ»[3]

کہ ایک عورت بلی کی وجہ سے آگ میں جھونکی جائے گی، اس نے اس کو باندھے رکھا نہ اسے کھانا دیا اور نہ ہی آزاد کیا تاکہ وہ کیڑے مکوڑے کھا سکے۔

اس کے علاوہ فقہاء نے چند دیگر چیزوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن پر ملکیت کی بنا پر خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

واجب حقوق میں سے جس کی مقدار اللہ اور اس کے رسول نے مقرر نہیں کی اس میں عرف کو ملحوظ رکھا جاے گا۔[4]

ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ أَلاَّ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلاَ يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»[5]

کہ بے شک تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہارا بھی عورتوں پر حق ہے اور وہ تمہارے علاوہ تعلقات نہ بنائیں اور گھر میں داخل نہ ہونے دیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے اور تمہارا حق یہ ہے کہ تم ان کو کھانے اور کپڑے کی تنگی نہ دو۔

علاوہ ازیں تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ بیویوں کا خرچہ ان کے خاوندوں پر واجب ہے۔[6]

نفقہ کے وجوب کی شرائط

حنفیہ کے نزدیک وجوبِ نفقہ کی شرائط ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

1. نکاح صحیح

---

① تبیین الحقائق:3 / 63

② بدائع الصنائع:8 / 212

③ صحیح البخاري : کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق یقتلن في الحرم، 3318

④ اعلام الموقعین : 4 / 358،359

⑤ جامع الترمذي : کتاب الرضاع ، باب ما جاء في حق المرأة علی زوجها، 1163

⑥ موسوعة الإجماع في الفقه الإسلامي : 2 / 1059

مرد پر عورت کے نفقے کے واجب ہونے کی اولین شرط نکاح صحیح ہے۔ کسی وجہ سے اگر نکاح فاسد یا باطل ہو جائے تو بیوی نفقہ سے محروم رہے گی کیونکہ ایسی صورت میں زوجین کے مابین علیحدگی ہو جائے گی اور ان کے لیے ازداوجی زندگی گزارنا جائز نہ ہو گا۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بظاہر صحیح نکاح کیا اور کچھ عرصہ اسے خرچ دیتا رہا۔ پھر ظاہر ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہیں تھا مثلاً یہ ثابت ہو جائے کہ بیوی اس کی رضاعی بہن ہے تو اگر قاضی کے فیصلے کے تحت اس نے بیوی پر خرچ کیا تھا پھر تو وہ خرچ واپس مانگنے کا حقدار ہے اور اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر خرچ کیا تھا تو وہ کچھ نہیں مانگ سکتا اور اس کا خرچ کرنا محض احسان سمجھا جائے گا۔[1]

مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ہونے یہ نہ ہونے میں فرق کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ نکاح کے وقت زوجین نہیں جانتے تھے کہ نکاح فاسد ہے جب تک فاسد ہونا ظاہر نہیں ہوا۔ پس بیوی اپنے خاوند کی پابند رہی اور ازدواجی زندگی کے فرائض عام بیویوں کی طرح انجام دیتی رہی۔ چنانچہ شوہر پر اس کے بدلہ میں اس کا نفقہ واجب تھا لہٰذا شوہر کے لیے خرچ کی واپسی کا مطالبہ مناسب نہیں اگرچہ اس نے قاضی کے فیصلے کے تحت ہی خرچ کیا ہو۔[2]

کسی وجہ سے اگر نکاح فاسد ہو جائے تو بیوی نفقہ سے محروم رہے گی کیونکہ ایسی صورت میں زوجین کے مابین علیحدگی ہو جائے گی اور ان کے لیے ازدواجی زندگی گزارنا جائز نہ ہو گا۔

جماع

عورت کے نفقے کے لیے اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جماع کی مشقت برداشت کر سکتی ہے یا نہیں۔ اگر بیوی کم عمر ہے کہ قابل صحبت تو نہیں مگر خدمت اور پیار محبت کے قابل ہے تو اکثر فقہاء کی رائے میں تو وہ پھر بھی مستحق نفقہ نہیں کیونکہ وہ نکاح کے مقاصد پورے نہیں کر سکتی۔ لیکن امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ ایسی عورت نفقہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ شوہر اس ناقص معیار پر راضی ہے البتہ عورت ان میں سے کسی معیار پر پوری نہیں یعنی کم عمر ہے تو وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہو سکتی۔[3]

باپ کے گھر میں مقیم بیوی

اگر کوئی عورت بیمار ہو کر والدین کے گھر گئی یا کسی اور کام سے گئی مگر وہاں بیمار پڑ گئی تو اس کا نفقہ ساقط نہ ہو گا لیکن اگر شوہر اسے واپس آنے کا کہے مگر وہ واپسی کے قابل ہونے کے باوجود واپس نہ آئے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ نافرمان تصور کی جائیگی۔ لیکن اگر واپس آنے کے قابل نہ ہو تو نفقہ ساقط نہ ہو گا۔ اگر عورت رخصتی سے پہلے بیمار ہو گئی مگر اس کا مرض رخصتی میں مانع نہیں ہے تو وہ نفقہ کی مستحق ہو گی جب تک وہ شوہر کے اپنے گھر آنے سے انکار نہ کرے اگر وہ رخصتی سے قبل ایسے مرض میں مبتلا ہو گئی جو رخصتی سے مانع ہے تو نفقہ کی مستحق ہو گی۔[4]

---

① ردالمختار لابن عابدين: 6 / 261

② الأحكام الشريعة في الاحوال الشخصية: 314

③ رد المحتار لابن عابدين: 3 / 369

④ الاحكام الشريعة في الاحوال الشخصية: 314

نکاح

ایک شرط یہ ہے کہ بیوی خود کو مرد کی قید اختیار میں دے دے۔قید اختیار میں دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مرد کے حوالے کر دیا۔[1]

لیکن اگر عورت مباشرت سے انکار کر دے اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس سے نفقہ ساقط نہ ہو گا کیونکہ وہ امر موجود ہے جس سے بیوی نفقہ کی حقدار ہوتی ہے۔وہ خاوند کے گھر کی پابند ہے۔اگر بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر سفر اختیار کرے اور دوبارہ پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی حقدار ہو جائیگی۔

مہر معجل کی عدم ادائیگی

اگر مہر معجل ادا نہ کیا گیا ہو یا مہر میعادلی ہو اور وہ میعاد پوری ہو چکی ہو مگر مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور اس بناء پر بیوی شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کا یہ انکار جائز ہو گا اور اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا خواہ مرد نے بیوی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔[2] اسی طرح اگر عورت کسی جائز وجہ مثلاً شوہر کی بے رحمی، ظلم وزیادتی کے سبب اس کے گھرانے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔[3]

نفقہ کا عدم وجوب

ذیل میں ایسی صورتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں مرد پر بیوی کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔

ارتداد

زوجہ کے مرتد ہونے کی صورت میں نفقہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ ارتداد کے سبب نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔اس لیے نفقہ کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔[4]

نافرمانی

عورت نافرمان ہو تو وہ نفقہ سے محروم ہو جائے گی۔مثلاً بیوی بلاوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جائے لیکن اگر وہ خاوند کے گھر میں ہو لیکن وطی نہ کرنے دے تو وہ نافرمان نہ کہلائے گی۔[5]

جماع کی مشقت

---

① قدوری احمد بن محمد، قدوری: ص 193

② البحر الرائق لابن نجیم: 4 / 194

③ مجموعہ قوانین اسلام از تنزیل الرحمن: 1 / 312

④ مجموعہ قوانین اسلام از تنزیل الرحمن: 1 / 318

⑤ فتاوي قاضي خان از فخر الدين: 1 / 195،196

نفقہ کی بنیاد "احتباس" پر ہے۔ اگر عورت بالغ ہو خواہ مرد اس سے صحبت پر قادر ہو یا نہ ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہو گا۔[1]

بیماری

عورت کی بیماری کے سبب اس وقت نفقہ واجب نہ ہو گا جبکہ وہ اسقدر بیمار ہو کہ عقد کے بعد رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہ آسکتی ہو۔ لیکن زفاف کے بعد بیماری کے سبب نفقہ کا عدم وجوب قائم رہے گا۔[2]

حج کی ادائیگی

وہ عورت جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی ہو اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہ ہو گا، کیونکہ وہ اس حالت میں خاوند کے گھر میں رہنے کی پابند نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ خاوند کے ساتھ حج کو روانہ ہو تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہے۔[3]

معصیت زوجہ

عورت کا حق نفقہ اس صورت میں ساقط ہو جائے گا جبکہ تفریق عورت کی معصیت کی وجہ سے ہوئی ہو مثلاً عورت سے شوہر کے خاندان کے محارم کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے حرمت مصاہرت لازم آئے تو عورت کے نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا اور زوجین میں تفریق کرانا لازم ہو گا۔[4]

عدت کے دوران نفقہ

عدت کے دوران نفقہ کی دو صورتیں ہیں :

1. بوجہ وفات عدت 2. بوجہ طلاق عدت

وفات کی صورت میں تو نفقہ واجب نہیں ہوتا البتہ دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک طلاق رجعی اور بائن دونوں میں عدت ختم ہونے تک عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عدت کے دوران نفقہ واجب نہیں ہے۔ وہ اپنے موقف کے حق میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کوئی نفقہ مقرر نہیں کیا تھا۔ طحاوی اور دار قطنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور مسکن ہے۔[5]

ملازمت و نوکری

---

① فتاوى قاضي خان از فخر الدين: 1 / 195

② الأحكام الشريعة في الأحوال الشخصية: ص 167

③ كتاب الفقه للجزيري: 4 / 567

④ أيضا: 4 / 567

⑤ فتح القدير لإبن همام : 3 / 46

اگر بیوی کوئی ملازمت کرتی ہو جس میں وہ پورا دن یا دن کا کچھ حصہ یارات یا پھر رات کا کچھ حصہ مصروف رہتی ہو تو اگر شوہر اس مصروفیت سے راضی نہیں ہے اور اسے منع کرتا ہے تو بیوی کے لیے نفقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں وہ تسلیم (سپردگی) موجود نہیں ہے جو نفقہ واجب ہونے کی شرط ہے۔[1]

قیدی خاتون

جو عورت قید میں ہو اور شوہر کے لیے اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر مرد قید میں ہو تو عورت کا حق نفقہ متاثر نہ ہوگا۔

زوجہ مغویہ کا نفقہ

اگر زوجہ کو کوئی غصب کر کے لے جائے تو مرد پر اس عورت کا نفقہ واجب نہیں رہتا کیونکہ شوہر کا حق استمتاع معطل ہو گیا۔[2]

نفقہ کی مقدار کا تعین

قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ﴾[3]

کہ فراخی والا اپنے مقدور کے مطابق اور تنگدست اپنے مقدور کے مطابق۔

اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کا نفقہ کس حیثیت سے متعین کیا جائے گا۔ احناف کہتے ہیں کہ اگر زوجین دولت مند ہیں او امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر محتاج ہیں تو غریبانہ نفقہ مقرر کیا جائیگا۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک خوشحال اور دوسرا تنگ دست ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ اور کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام صورتوں میں مرد کے حال کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ فرمان الٰہی ہے (وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق نفع دے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اسی میں اسے دے۔[4]

ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ﴾[5]

کہ فراخی والا اپنے مقدور کے مطابق اور تنگی والا اپنے مقدور کے مطابق دے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾[6]

کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

---

① الأحكام الشرعية في الاحوال الشخصية :ص319،320

② قدوري ، احمد بن محمد:ص173

③ سورة البقرة، 2 : 236

④ سورة الطلاق، 65 : 6

⑤ سورة البقرة، 2 : 236

⑥ سورة البقرة، 2 : 286

امام شافعی رحمہ اللہ وغیر ہم کا کہنا ہے کہ اگر ہم بیوی کے مال کا اعتبار کریں تو ہم نے کتاب اللہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

بعض کا کہنا ہے کہ مقدار کے تعین میں دونوں کے مال کا اعتبار کیا جائے گا۔ قرآن مبین میں ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ (1)

کہ انہیں اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔

علاوہ ازیں آپ کا فرمان ہے کہ

«فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ. فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ» (2)

کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور تم نے ان کی فروج کو اللہ کے کلمے سے حلال کیا ہے۔ ان عورتوں پر تمہارے لیے یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے مرد کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں ایسا مارو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو اور تمہارے اوپر ان عورتوں کا یہ حق ہے کہ تم ان کے نفقہ اور لباس نیکی کے ساتھ دو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ رضی اللہ عنہا کے لیے فرمایا تھا:

« خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ »(3)

کہ ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لو جتنا تمہیں اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو نیکی کے ساتھ۔

اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند اور بیوی کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔

احناف کی رائے: احناف کے نزدیک نفقہ مقدار کے ساتھ نہیں بلکہ کفائت کے ساتھ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ بھی اس کے قائل ہیں۔

شافعیہ کی رائے: شوافع کے ہاں تنگدست خاوند پر فرض ہے کہ ہر روز صبح کو بقدر ایک مد کے بیوی کو خوراک دے۔ (یہ پاکستانی پیمانہ وزن کے کم وبیش 625 گرام کے برابر ہے)

قول راجح: نفقہ کے تعین میں راجح مؤقف حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا ہے نہ کہ شافعیہ کا، کیونکہ عورت کا خرچ بقدر کفائت ہے نا کہ مقدار کے موافق اس لیے کہ مقصد خرچ سے کفایت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس میں وقت کے ساتھ لوگوں کی طبیعت مختلف ہے اور حالات بھی۔ لہذا مقدار مقرر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ خرچ کرنے کا دارومدار خاوند پر ہے اور ولی اس کا مکلف ہے۔ لہذا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے اور فقیر اپنی طاقت کے مطابق۔

---

① سورۃ الطلاق، 65 : 6

② صحیح المسلم : کتاب الحج، باب حجة النبي، 1218

③ صحیح البخاري : کتاب الأحکام، باب قضاء علي الغائب، 7180

پاکستانی قانون میں نفقہ کی مقدار

پاکستانی قانون میں ہے کہ نفقہ کی مقداردوعادل آدمیوں کے فیصلہ سے مقررومکمل ہوگی سوجب دوعادل آدمی نفقہ کی مقدار مقرر کردیں توخاوند کواس مقدار کاادا کرنالازم ہوگا۔لہذاخاوند اگراس مقدار کوادانہ کرے توعورت اس مقدار کامطالبہ کرسکتی ہے جوعادل آدمیوں کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اوراس معاملے کامطالبہ اس لیے کہ اس مقرر کردہ مقدار کاحکم دوسرے فرضوں کی طرح ہے۔

نفقہ میں شامل چیزیں

نفقہ کے اندردرج ذیل چیزوں کی فراہمی ضروری ہے۔

1. کھانے سے متعلقہ چیزوں کی فراہمی شوہرپرواجب ہے۔

اللہ تعالی کاارشادہے:﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ (1)

کہ اورعورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پرمردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادہے:

« أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ » (2)

کہ جب تم کھاؤاسے بھی کھلاؤ۔

2. لباس کی فراہمی

عقد صحیح ہوتے ہی شوہرپربیوی کولباس مہیاکرناواجب ہوجاتاہے۔لہذاشوہرکے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کواپنی مالی حاجت اورمعاشرتی حیثیت کے مطابق لباس فراہم کرے۔

آپ ﷺ کاارشادہے:

« وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ » (3)

کہ جب تم پہنوتوان کوبھی پہناؤ۔

3. رہائش کی فراہمی

شوہرپرواجب ہے کہ وہ بیوی کوکھانے اورلباس کے ساتھ ساتھ مناسب رہائش بھی فراہم کرے۔ارشادباری ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا۟ عَلَيْهِنَّ﴾ (4)

---

① سورة البقرة، 2 : 228

② سنن أبي داؤد : كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، 2142

③ أيضاً

④ سورة الطلاق، 65 :6

کہ اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم خود رہتے ہو وہاں ان عورتوں کو رکھو اور انہیں تنگ کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

بیوہ اور مطلقہ کے نفقہ کے معاملات

اس امر پر اتفاق موجود ہے کہ جو عورت خاوند کی وفات کی عدت میں ہو اور خاوند کے گھر گزار رہی ہو تو اس کا نفقہ ہو گا۔

آئمہ اربعہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی مل گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اس طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں سے جو غیر حاملہ ہو۔امام مالک وشافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنی واحب ہے نفقہ واجب نہیں ہے احناف کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں ۔احناف قرآن پاک کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ وَلِلْمُطَلَّقَٰتِ مَتَٰعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ ﴾ (1)

کہ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو بھی احسان، مقدور اور شرع کے مطابق خرچ دینا پرہیز گاروں پر واجب ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان المرأد بهذه المتعة والنفقة قد تسمى متاعا وإذا حملنا هذه المتاع على النفقة اندفع التكرار ''(2)

کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعًۢا بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾ (3)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو(یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا)خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق دے یہ نیکی کرنے والوں کے لیے واجب ہے۔

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو واجب قرار دیا ہے اور یہاں متاع سے مراد ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جا سکتا ہے جیسے کپڑوں کا جوڑا، خادم یا نقد رقم وغیرہ۔

دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« الْمُطَلَّقَةُ ثَلاَثًا لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ »(4)

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی۔

---

① سورة البقرة، 2 : 241

② التفسير الكبير: 2 / 282

③ سورة البقرة، 2 : 236

④ سنن الدار قطني: 4 / 21

احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے:

«قَالَ عُمَرُ لاَ نَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا -صلى الله عليه وسلم- لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لاَ نَدْرِى لَعَلَّهَا حَفِظَتْ أَوْ نَسِيَتْ لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ »(1)

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کتاب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی مطلقہ کے لیے رہائش اور نفقہ ہوتا ہے۔

نفقہ سے انکار پر زوجین کے مابین تفریق

اگر شوہر مفلس ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے بیوی کے روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ نہ اٹھا سکے اور اسکو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک حاکم ان میں تفریق کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کے نزدیک تفریق نہیں کی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ﴾(2)

کہ پھر شرع کے مطابق احسان اور نیکی کے ساتھ رخصت کرنا۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیتا۔ تو آپ نے فرمایا:

«يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا» (3)

ان کے درمیان تفریق کر دی جائیگی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کو نفقہ نہ دینے کی صورت میں دونوں کے مابین تفریق کر دی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ ﭖ ﭗ ﭘ ﭙ ﭚ ﭛ ﭜ ﭝ ﭞ ﭟ ﴾(4)

کہ تو انہیں شرع کے مطابق احسن طریقے سے روک پھر یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو اور ان کو نقصان دینے کے لیے نہ روک رکھو تا کہ تم زیادتی کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ. قَالَ وَمَنْ أَعُولُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ امْرَأَتَكَ تَقُولُ أَطْعِمْنِي وَإِلاَّ فَارِقْنِي خَادِمَكَ يَقُولُ أَطْعِمْنِي وَاسْتَعْمِلْنِي وَلَدَكَ يَقُولُ إِلَى مَنْ تَتْرُكُنِي»(5)

کہ بہترین صدقہ تونگری میں رہنا ہے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے ابتدا کرو، حضرت ابو ہریرہ

---

① صحيح المسلم : كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، 1480

② سورة البقرة، 2 : 236

③ سنن الدار قطني: 3 / 297

④ سورة البقرة، 2 : 236

⑤ سنن الدار قطني: 3 / 296،297

رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ میرے عیال کون ہیں؟ فرمایا: تمہاری بیوی، جو کہتی ہے مجھ کو کھلاؤ یا الگ کر دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے امراء کی طرف لکھا:

"ناسا قد إنقطعوا من المدينة وخلوا منها فأما أن يرجعوا إلي نسائهم وأما أن يبعثوا إليهن بنفقة ، وأما أن يطلقوا ويبعثوا بنفقة ما مضي"[1]

کہ کچھ لوگ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں اوراپنی بیویوں سے غائب ہیں ان سے کہو کہ یاتو اپنی بیویوں کے پاس لوٹیں یا ان کا پچھلا خرچ بھیج کر انہیں طلاق دے دیں۔

ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب سے پوچھا جس شخص کے پاس اس کی عورت کا نفقہ نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن مسیب نے کہا: ان کے مابین تفریق کر دی جائیگی پوچھا: کیا یہ سنت ہے؟ کہا: ہاں سنت ہے۔"

شوہر کے لیے صرف دوصورتیں ہیں یاتو معروف طریقہ سے نان ونفقہ دے کر اپنے ساتھ رکھے ورنہ شائستگی سے طلاق دے دے۔ اس لیے جو شخص بیوی کا نفقہ دینے سے عاجز ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اوراگر وہ طلاق نہیں دیتاتو قاضی پر لازم ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر وادے۔ لیکن قاضی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مکمل صورتحال کا جائزہ لے اس کے بعد وہ تفریق کا حکم جاری کرے۔

پاکستانی عورت کے نان ونفقہ کے مسائل

مرد بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے روٹی، کپڑا، مکان اور تمام ضروریات زندگی یہاں تک کہ عورت پر کسی بھی صورت میں بچوں کی کفالت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ شوہر کے گھر میں، طلاق میں بھی اور بیوہ ہونے کی صورت میں بھی اولاد کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

مرد بیوی بچوں کا خرچ اٹھائے گا خواہ ناداری کی صورت میں وہ بھیک مانگ کر لائے۔[2]

پاکستان کی مخصوص معاشی اور معاشرتی صورتحال میں خواتین کو نان ونفقہ کے حوالے سے کئی مسائل کا سامنا ہے جن میں سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بنیادی سوچ ہی درست نہیں ہے کہ بیوی بچے، مرد کی ذمہ داری ہیں بے روزگاری، کم آمدنی اور مہنگائی وغیرہ نے اس مسئلہ کی شدت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سبب کے تحت متعدد ذیلی مسائل ہیں۔

1. ۔نکمے، بے کار، نااہل اور نشی مرد اکثر نچلے طبقے میں پائے جاتے ہیں اور گھروں میں کام کرنے والی عورتوں کے ایسے ہی شوہر ہوتے ہیں لیکن مردوں کی یہ قسم درمیانے اور اعلی طبقے میں بھی پائی جاتی ہے جو ظاہری رعب داب کے پردے میں چھپی ہوتی ہے جبکہ بچے اور عورت تمام زندگی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ ایسے بے روزگار، نشی مرد اور عادی مجرم کوئی بھی کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے انکی عورتیں پورے گھر کی اکیلی معاشی کفالت کر رہی ہوتی ہیں ان مردوں میں مہنگائی یا بیروزگاری کا مقابلہ کرنے کے لیے کام کرنے کی

---

① المصنف : ص 93، 94

② عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ، مسائل اور لائحہ عمل از سید منصور خالد: ص 27

کوئی طاقت یا صلاحیت نہیں ہوتی تاہم اتنی ہمت اور طاقت ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں پر ہاتھ اٹھا سکیں کیونکہ عورتوں کی ذمہ داری نہ اٹھا پانے کی وجہ سے جو احساس کمتری ان میں پیدا ہوتا ہے اس کو چھپانے کے لیے طاقت کا استعمال آسان طریقہ ہے۔ یہ محنت کش عورتیں ایک طرف اپنے مردوں کے ہاتھوں کی ستائی ہوتی ہیں دوسری طرف جہاں وہ کام کرتی ہیں وہاں صاحب کی نظر عنایت سے بچنا بھی کافی دشوار ہوتا ہے۔ جنسی تشدد کی یہ صورت نئی نہیں ہے بلکہ اسی تاریخی تسلسل کی ایک کڑی دکھائی دیتی ہے جو جاگیر دارانہ نظام میں مروج رہا ہے جسکے تحت جاگیر دار اپنے گھر اور کھیتوں میں کام کرنے والی غریب ،بے کس عورتوں پر اتنا ہی حق سمجھتے ہیں جتنا کہ اپنی جاگیر کی حدود میں شامل ہونے یا کھیتوں سے حاصل ہونے والی فصل پر۔ اطاعت کرنا عورت کا فرض اور اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا عورت کی بغاوت اور جرم ہے جسکو بزور طاقت ہی دبایا جاتا ہے۔[1]

نان ونفقہ کی سہولت نہ حاصل کرنے والی ایسی ہزاروں عورتوں کے قصے ہم پر ہر وقت سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں پھر اکثر ایسے گھرانوں کی لڑکیاں شادی ہو جانے کے بعد بھی اپنی ضروریات کی خود ذمہ دار ہوتی ہیں والدین ،بہن بھائی بھی اب انکی ذمہ داری اٹھانے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہوتے۔ مثلاً

ویمن سنٹر میں آنے والی ایک خاتون عشرت پروین نے بتایا کہ وہ آٹھ سال سے اپنے والدین کے پاس ہے اسکا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے خاوند اسکو خرچہ نہیں دیتا۔ اپنا گھر بیچ کر مجھے والدین کے پاس بھجوا دیا میں سکول میں پڑھا کر بچوں کو پالتی ہوں اب میرا شوہر پوشش کا کام کر رہا ہے اس نے یہاں آکر درخواست کی ہے تو ادارے والوں نے اسے بلایا اب میں آٹھ سال کے بعد اپنے گھر جا رہی ہوں ویمن سنٹر والے نے اسکے شوہر کو پابند کیا ہے کہ وہ (3000) تین ہزار اسے دے اور بقیہ خرچ خود برداشت کرے۔

اس قسم کے حالات شاہدہ کوکب نے ذکر کیے:

میرا شوہر مجھے خرچہ نہیں دیتا میرا تبادلہ شور کوٹ ہوا تو شوہر نے گھٹیا الزام لگانے شروع کر دیے اسے جوابی نوٹس بھیجا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے پاس پیسے ہونگے تو گھر لے دونگا۔ شاہدہ کہتی ہیں میں ایک طویل عرصہ سے بھائی کے پاس ہوں میرے اخراجات کی ذمہ داری کسی پر نہیں ہے اب میں اپنا خرچہ لینا چاہتی ہوں۔[2]

2 . ایک اور بڑا مسئلہ مناسب آمدنی ہونے کے باوجود بیوی اور بچوں کا خرچ نہ اٹھانا یا غیر مناسب طریقے سے اٹھانا ہے ایسی صورت میں عموماً مرد کے گھر والے زیادتی کا سبب ہوتے ہیں۔

3. مشترکہ خاندانی معاشی ذریعہ مثلاً فیکٹری یا زمینوں کی آمدنی

4. مشترکہ خاندانی نظام کے تحت بیوی کو اپنے شوہر سے نان ونفقہ کے سلسلے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ گھر کے جملہ افراد کے معاشی مسائل گھر کے سربراہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو اپنی مرضی کے مطابق انہیں صرف کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسے راضی رکھنا پڑتا ہے اسی طرح عورت کو شوہر اور ساس دونوں کا ڈسپلن قبول کرنا پڑتا ہے ۔کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تمام اخراجات گھر کے عمومی مفاد کو مدنظر رکھ کر کیے جاتے ہیں جس میں گھر کے کئی افراد کی مرضی اور

(1) روزنامہ خبریں،8مارچ 2008

(2) ایضا

خوشدلی شامل نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان کی خواہش کے مطابق ان پر یا ان کے بچوں پر خرچ نہیں ہو رہا ہوتا۔ پھر عورت کو اپنی پسند کا کھانا بھی میسر نہیں ہوتا کیونکہ مشترکہ خاندانی نظام میں سب کے لیے ایک ہی کھانا پکتا ہے اکثر وبیشتر کھانے کے اوقات بھی مقرر ہوتے ہیں اور یوں نئی بہو کو اپنی پسند اور ترجیحات سے دستبردار ہو کر اسی مینیو اور کھانے کے نظم کا پابند ہونا پڑتا ہے پھر گھر سے ملحق دوسری متعلق سہولتوں کے مشترک ہونے کے باعث ہر وقت بھیڑ بھاڑ اور اژدہام کی کیفیت رہتی ہے جو بے اطمینانی اور ناخوشگواری کا باعث بنتی ہے ایسے حالات میں علیحدہ ہونے والے جوڑے کو پسند نہیں کیا جاتا اور اکثر اسے خاندانی مشترکہ جائیداد سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

مشہور ادیبہ اور شاعرہ کشور ناہید صاحبہ سسرال میں ایک عورت کی بے بسی کے بارے میں لکھتی ہیں:

> میرے سامنے میری ماں، اس کی محنت اور ناصبوری کی داستان تھی۔ میری ماں جیسی ماؤں نے زندگی کا سینہ پی کر خون تھوکا تھا مگر میرے اندر میری ماں جیسی شرافت نہ سما سکی۔ میرے پانچ بچے ہیں۔ بہن بھائیوں کو سنبھالتی تھی اب ان بچوں کو پالتی ہوں۔ میں نوکری کرتی ہوں۔ صبح میری ساس رکشہ کے آنے جانے کا کرایہ روپے پیسے گن کر میرے ہاتھ میں پکڑاتی ہیں مجھے اس ذلت پر بھی نوکری کرنا منظور ہے کہ بے اعتباری کے تمام رشتوں میں صرف اعتبار ہے تو خدا اور نوکری پر اس محدودیت نے عورت کو گھر کی چار دیواری کا احاطہ دیا اور چراغ خانہ کے لقب سے یاد کر کے معاشی طور پر محکوم اور سماجی طور پر دوسرے درجے کا شہری بنا دیا۔ ماں نے خاندان کا ہر کام کرنے کی ذمہ داری قبول کی وہ گھر میں آیا بھی بنی، باورچن بھی، درزن بھی، دھوبن بھی مگر اس نے ہر کام کو مادری رشتے کی رگوں میں جذباتی ذمہ داری کے پلڑے میں ڈال کر صرف دو وقت کی بچی کچی مل جانے کو اپنی محنت کا اجر اور معاوضہ سمجھ لیا۔
> (1)

5. شوہر کی بیرون ملک ملازمت کی صورت میں، باوجود اچھی آمدنی کے، بیوی بچوں کو خرچ نہ دینا۔

6. پاکستانی معاشرے میں عورتوں کی حق تلفی اور بدسلوکی عام ہے، ایسے مرد لاتعداد ہیں جو اپنے بچوں کو چھوڑ کر غائب ہوتے ہیں اور بیوی بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔

7. اسلام میں عورت کی کمائی اس کا اپنا حق ہے لیکن بیشتر جگہوں پر بیوی کی ساری تنخواہ شوہر کی ملکیت ہوتی ہے۔

8. بچوں کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھنے کا رویہ اسوقت سنجیدہ تر ہو جاتا ہے جب عورت مطلقہ ہو جائے کیونکہ بچے اگر ماں کی تحویل میں ہیں تو مطلقہ ماں کی ذمہ داری سمجھی جاتے ہیں اور باپ اور اسکی عدم موجودگی میں ولی صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی بچوں کی ضروریات زندگی مہیا نہیں کرتے اور نہ ہی تعلیم کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔

جبکہ سورۃ طلاق کی آیت نمبر 65/6 ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ مطلقہ عورت کو باپ کی طرف سے دودھ پلانے کی اجرت کی تاکید کرتی ہے۔ بصورت دیگر کسی اور عورت سے دودھ پلوا کر اجرت باپ کے ذمہ بتاتی ہے۔

---

① کشور ناہید، عورت، خواب اور خاک کے درمیان: 19

9. پاکستانی معاشرے میں اگر مرد دوسری شادی کر لیں تو وہ اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے خرچ سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں اس عورت کی صورتحال قرآن کی تصویر کشی کے مطابق (کالمعلقة) کی ہوتی ہے جو شادی شدہ اور بچوں والی بھی ہے لیکن شوہر کے ہونے کے باوجود اسکی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوتا۔

جبکہ سورۃ طلاق کی آیت نمبر 65 / 6 مطلقہ عورت کو باپ کی طرف سے دودھ پلانے کی اجرت کی تاکید کرتی ہے بصورت دیگر کسی اور عورت سے دودھ پلوا کر اجرت باپ کے ذمہ بتائی ہے یہ آیت طلاق کے بعد بھی بچوں کے نان ونفقہ کا ذمہ دار باپ کو قرار دیتی ہے خواہ وہ ماں کے ساتھ ہوں یہ امر کے ماں ملازمت کرتی ہے یا اسکے حالات اچھے ہیں باپ کو نان ونفقہ کی ادائیگی سے مبرا نہیں کرتا باپ بچوں کے سکول کے اخراجات بھی ادا کرنے کے پابند ہیں۔

مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 کی دفعہ 9 کے تحت نابالغ بچے اگر ماں کے ساتھ رہ رہے ہوں تو باپ لڑکے کی بلوغت تک اور لڑکی کی شادی ہونے تک نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے۔[1]

پاکستان میں رائج الوقت قانون انفساخ اور ازواج مسلمانان، 1939ء کی 2 ذیلی دفعہ۔3۔ کے تحت عورت کو اس صورت میں تفریق کا حق دیا گیا ہے جبکہ شوہر دو سال تک نفقہ دینے سے انکاری ہو یا اس نے فراہمی نفقہ سے غفلت برتی ہو۔

لیکن اکثر اوقات دعوے کے تصفیہ میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور عورت ایک مدت تک مصائب وآلام کا شکار رہتی ہے ہمارے ملک کے عام حالت کے پیش نظر جبکہ عورت اپنے معاش کے حصول پر قادر نہیں عدم انفاق کی صورت میں طلب تفریق کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے نفقہ میں شوہر کی جانب سے دو سال تک غفلت یا انکار کی شرط میں ترمیم کرنا بے حد ضروری ہے بلکہ اگر شوہر چھ ماہ تک نفقہ دینے میں غفلت برتتے یا بلاوجہ جائز انکار کرے تو عورت کو عائلی عدالت میں تفریق کی درخواست دینے کا حق ہونا چاہیے اگر عدالت شوہر کے نفقہ نہ دینے کی وجوہ اور اس کی مالی حالت کا جائزہ لے کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نفقہ نہ دینے کی جائز وجوہ موجود نہیں اور شوہر تنگدست بھی نہیں ہے تو عدالت کو بلا تاخیر تفریق کا حکم جاری کرنا چاہیے اور اگر شوہر تنگدستی کے سبب نفقہ دینے سے معذور ہو نیز یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہوں کہ مستقبل قریب میں حصول معاش کا کوئی امکان نہیں تو عدالت کو بلا کسی مہلت کے تفریق کا حکم دے دینا چاہیے البتہ اگر معاش کا امکان نظر آئے تو شوہر کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک کی مہلت دی جائے اگر وہ تین ماہ کے اختتام پر اپنی فارغ البالی اور زوجہ کو نفقہ دینے کی استطاعت اور آمادگی ثابت نہ کر سکے تو عدالت کو تفریق کا حکم جاری کر دینا چاہیے۔[2]

مذکورہ مسائل کا حل

اسلامی نظام میں نان ونفقہ کو مضبوط بنانے کے لیے کس طرح کے اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔

1. سب سے پہلے تو عورت کے مرد لواحقین کو تعلیم دی جائے اور انہیں انکی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے اور عورت کے کفیل کی معاشی حالت کو بہتر بنایا جائے انہیں ملازمتیں دی جائیں۔کاروبار کے مواقع دیے جائیں اور کسی مرد کو بھی بے روزگار نہ

---

① مسلم عائلی قوانین از میاں انعام الحق: ص 51

② مجموعہ قوانین اسلام از تنزیل الرحمن : 1 / 326 تا 328

رہنے دیا جائے اور اسکو گھر کی معاشی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند بنایا جائے۔

2. جس طرح وفاقی محتسب اور صوبائی محتسب کے ادارے ہیں اسی طرح حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ اسطرح کے ادارے خواتین کے لیے بھی قائم ہوں جنکی شاخیں کم از کم شہروں کی سطح پر ضرور قائم ہوں (وفاقی محتسب برائے حقوق نسواں، صوبائی محتسب برائے حقوق نسواں) انکے ذریعے درج ذیل کام ہونے چاہیے اور یہ خواتین کی شکایتوں پر فوری رد عمل ظاہر کریں۔ مثلاً

1. جو مرد بر سر روزگار ہیں لیکن وہ آمدنی کا ایک مناسب حصہ اپنے گھر میں نہیں دیتے یہ گھر کی خاتون کے لیے پریشان کن ہوتا ہے۔ محتسب برائے حقوق نسواں کو ایسی شکایتوں کا ازالہ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔

2. جو مرد دوسری شادی کر لیتے ہیں اور پہلی بیوی اور بچوں کو وہ معلق چھوڑ دیتے ہیں تو ان کا خرچ دلانا محتسب کی ذمہ داری ہو۔

3. طلاق کی صورت میں بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری والد کو اٹھانے پر بھی محتسب کا ادارہ ہی آمادہ کر سکتا ہے۔

4. نکاح کے وقت ہی لڑکی کے حق میں فریقین کے درمیان واضح طور پر تحریراً باتیں طے کر لی جانی چاہییں۔ نان ونفقہ، والدین سے ملنا، لڑکی کے ہاتھ پیسے دینا یا اسکا خرچ کرنا، دیے گئے سامان کی فہرست (یعنی جہیز) ناظم یونین کونسل کے پاس موجود ہونا چاہیے۔

5. فیملی کورٹ نوٹس غیر مؤثر ہیں وفاقی محتسب اور صوبائی محتسب کے علاوہ نچلی سطح پر خاندان کے بڑوں، مثلاً وکیلوں اور گواہوں پر مشتمل پنچائیت بنائی جائے۔ جہاں پر فریقین میں سے کوئی بھی اپنی شکایت لے جاسکے۔

6. نئ شادی شدہ لڑکی اگر دوسرے شہر میں بسنے کے لیے جائے تو وہاں کا مکمل پتہ لڑکی کی آبائی یونین کونسل وغیرہ کے پاس موجود ہونا چاہیے۔

7. مردوں کی تنخواہوں اور معاوضے میں اضافہ کیا جائے اور عورتوں کے لیے ہر طرح کی ملازمت کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

المختصر پاکستانی معاشرے میں عورتوں کو نان ونفقہ کے سلسلے میں کافی مشکلات کا سامنا ہے اور ضرورت ہے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے کام کیا جائے۔

4

فصلِ چہارم

حق سکنیٰ سے متعلقہ مسائل

حق سکنیٰ سے متعلقہ مسائل

سکنی کی لغوی تعریف

فیروز اللغات میں ہے:

سکنہ ساکن کی جمع ہے جس کا مطلب ہے باشندے، سکنہ کی واحد سکون بھی ہے۔ مکان سکنی: قابل رہائش جگہ کو کہتے ہیں اسی سے سکونت ہے جس کا مطلب ہے بود وباش، مستقل قیام، رہنے کی جگہ، مسکن، مکان، اقامت گاہ۔[1]

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کے مطابق:

(س ک ن۔ سکن) کسی جگہ رہائش اختیار کر لینے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اور سکن فلاں مکان کذا کے معنی ہیں اس نے فلاں جگہ رہائش اختیار کر لی۔ اسی سے سکنی ہے جس کا مفہوم "کسی کو بغیر کرایہ کے رہائش کے لیے جگہ دینا ہے۔"[2]

القاموس میں ہے:

السکنی: 1. رہائش، آبادی 2. بلا معاوضہ رہائش مکان 3. رہائش گاہ، مسکن اس سے المسکن ہے جس کا مطلب رہائش گاہ، مکان، کوارٹر اور جمع[3]

سکنی کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحا: شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان میں سے ایک اسے رہائش کی سہولت مہیا کرنا بھی ہے یہ نفقہ ہی میں شامل ہے۔

کنز الدقائق میں ہے:

"والسكني في بيت خال عن أهله وأهلها"[4]

اور شوہر پر بیوی کا ایک حق سکنی ہے جس میں شوہر اور بیوی کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو۔

ہدایہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی:

"وعلى الزوج أن يسكنها في زاد مفرده ليس فيها أحد من أهله إلا أن يختار ذلك لأن السكني من كفايتها فيجب لها كالنفقة"[5]

---

① فیروز اللغات اردو از الحاج مولوی فیروز الدین: ص 803

② مفردات القرآن از امام راغب اصفہانی

③ القاموس الوحید از وحید الزمان قاسمی، کیرانوی: ص 786

④ کنز الدقائق: ص 53، ہدایہ: 2 / 221

⑤ ہدایہ: 2 / 221

کہ اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے رہائش فراہم کرے الگ گھر میں جس میں اس کے متعلقین میں سے کوئی دوسرا نہ ہو سوائے اس کے کہ عورت خود پسند کرے اس لیے کہ رہائش، سکنی اس کا بنیادی حق ہے تو وہ اس کے لیے واجب ہو گا جیسا کہ نفقہ واجب ہے۔

قرآن میں لفظ سکنی کا استعمال

﴿وَلَهُۥ مَا سَكَنَ فِي ٱلَّيۡلِ وَٱلنَّهَارِۚ﴾[1]

کہ رات اور دن میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے ہے۔

﴿لِتَسۡكُنُواْ فِيهِ﴾[2]

کہ تاکہ تم اس میں (رات میں) آرام کر سکو۔

﴿رَّبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ﴾[3]

کہ اے پروردگار! میں نے اپنی ولاد کے ایک حصے کو (تیرے قابل احترام گھر کے پاس) میدان میں لا بسایا ہے۔

﴿أَسۡكِنُوهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنتُم مِّن وُجۡدِكُمۡ﴾[4]

کہ عورتوں کو (زمانہ عدت میں) وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو۔

السکن کے معنی سکون کے ہیں اور ہر وہ چیز جس سے راحت حاصل ہو اسے سکن کہا جاتا ہے جیسے:

﴿وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنۢ بُيُوتِكُمۡ سَكَنًا﴾[5]

کہ اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کو ایسے مکان میں رکھنا واجب ہو گا جس میں اس کی بیوی آسانی اور راحت محسوس کرے جب کہ پاکستانی معاشرے میں جو مشترک خاندان کا تصور ہے اس کا مفہوم اس قدر ہے کہ جس طرح ایک شخص اپنی بیوی کی کفالت اور نان نفقے کا پابند ہے اسی طرح بوڑھے والدین اور اپنے زیر دست بہن بھائیوں کی کفالت اور ان کی معاشی ضروریات کا بھی پابند ہے۔ یہ سب افراد اس کے خاندان کا حصہ ہیں۔ قرآن کی متعدد تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی بچوں کو الگ گھر دینا جہاں وہ اپنی آزادی اور خود مختاری کے ساتھ رہیں۔ شوہر پر لازم ہے جس میں وہ بیوی کی مرضی کے بغیر کسی دوسرے کو ساجھی نہیں کر سکتا۔ مشترک مکان کئی پہلوؤں سے بیوی کے لیے پریشانی اور زحمت کا موجب ہوتا ہے جس سے اس کو بچایا جانا ضروری ہے سوائے اس

① سورة الأنعام، 6 : 13

② سورة القصص، 28 : 73

③ سورة إبراهيم، 14 : 37

④ سورة الطلاق، 65 : 6

⑤ سورة النحل، 16 : 80

کے کہ وہ بعض مصالح اور گھر کے حالات کے تحت خود اپنے اس حق کو کم کرنے پر رضا مند ہو۔[1]

حق سکنی اور شریعت اسلامیہ

اسلام نکاح کو قلعہ کی مانند قرار دیتا ہے اور مرد پر لازم کرتا ہے کہ وہ بیوی کی رہائش کے لیے گھر مہیا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾[2]

کہ ان کو وہیں رہائش دو، جہاں تم رہتے ہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق دو، ان کو نقصان نہ دو انکو تنگ نہ کرو۔ اگرچہ یہ آیت مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے، لیکن اگر عورت طلاق کی عدت میں نفقہ و سکنی کی مستحق ہے تو بیوی بدرجہ اولی حق رکھتی ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ''بیوی کو نفقہ دینا خاوند پر واجب ہے مگر یہ کہ وہ نافرمان ہو۔''[3]

نفقہ میں بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہے۔[4]

معاشرہ کے ہر فرد کو اس کے بیوی بچوں کے لیے الگ مکان کی سہولت حاصل ہونی چاہیے جس کے انتظام میں وہ خود مختار ہو اور دوسری کی مداخلت سے آزاد ہو۔ قرآن کی تصریحات اور اس کے واضح اشارات اس کے حق میں ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں کہیں وہ کوئی حکم بیان کرتا ہے۔ مکان کا تذکرہ ہر شخص کے لیے الگ کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ ﴾[5]

کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو۔

ازواج کے لیے الگ رہائش

اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کی الگ الگ رہائش کا بندوبست کرنا بھی خاوند پر فرض ہے۔ الا یہ کہ ایک سے زائد بیویاں ایک ہی گھر میں رہنے پر رضا مند ہوں مگر بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے انہیں الگ رہائش مہیا کرنا ہی مبنی بر انصاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو الگ گھر مہیا کیا تھا۔ فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾[6]

کہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔

اسی طرح آگے ارشاد ہوا:

---

① مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام از سلطان احمد اصلاحی: ص37

② سورة الطلاق، 65 : 6

③ المغني: 6 / 230، شرح مسلم للنووی: 8 / 184

④ فتاوی عالمگیری: 2 / 144، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: 4 / 553

⑤ سورة النور، 24 : 27

⑥ سورة الأحزاب، 33 : 33

﴿ وَٱذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِى بُيُوتِكُنَّ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱلْحِكْمَةِ ﴾ (1)

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ ﴾ (2)

اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی ﷺ کے گھروں میں نہ جایا کرو۔

ان تینوں آیات میں "بیوت" کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ ازواج کے گھر الگ الگ تھے۔

یہاں تک کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام ہی حجرات (حجرہ، کمرہ، مکان کی جمع) قرار پایا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کے مکانات الگ الگ ہونے کی صراحت ہے۔ جفاکش بدو جو آدابِ تہذیب سے ناآشنا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کمرہ کے پیچھے سے تیز تیز آواز دیتے۔ اس لیے کہ انہیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے کس کے کمرے میں ہیں۔ (3)

فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ (4)

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔

بے شمار روایات سے بھی ایک دوسرے کے گھر تحفہ بھیجنے اور مالی معاملات الگ الگ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ (5) اسی لیے فقہا کا کہنا کہنا ہے:

"وليس للرجل أن يجمع بين إمرأتيه في مسكن واحد ......" (6)

خاوند اپنی دو بیویوں کو ان کی رضامندی کے بغیر ایک ہی گھر میں اکٹھا رکھنے کا مجاز نہیں خواہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا، کیونکہ سوکنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد ہوتا ہے اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔

مکان کے ساتھ ہی گھر کا انتظام اور اس کے مالی معاملات بھی ہر شخص کے الگ اور آزاد ہونے چاہیں اور معاشرت کی سہولت کے ساتھ اسلام کا یہی نظام پسندیدہ طرز زندگی ہے۔

---

① سورة الأحزاب، 33 : 34

② سورة الأحزاب، 33 : 53

③ تفسير جلالين : 675

④ سورة الحجرات، 49 : 4

⑤ صحيح البخاري : كتاب النكاح، باب الغيرة، 5235

⑥ المغني : 23716

مالیات کی علیحدگی

جداگانہ معاشرت کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ تھے۔ حضور ہر ایک بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام الگ الگ فرماتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے ہر ایک کے لیے 80 وسق کھجور 20 وسق جو سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔

اسی طرح دودھ کے واسطے آپ ہر ایک بیوی کے لیے عام طور پر ایک دودھ والی اونٹنی فراہم کرتے تھے یہ الگ بات ہے کہ ازواج اپنی بڑھی ہوئی دینداری میں ضرورت بھرے کر باقی سب غریبوں بیواؤں اور یتیموں وغیرہ پر خیرات کر دیتی تھیں۔[1]

آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد آپ کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان کو بھی اپنے سے بالکل الگ قرار دیا۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے آپ کو جو غیر معمولی تعلق تھا وہ معلوم ہے یہاں تک کہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

«ابْنَتِي بَضْعَةٌ مِنِّي يَرِيبُنِي مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا»[2]

کہ میرے بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس چیز سے اس کو پریشانی ہوتی ہے اور جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔

پردے کے حکم سے حق سکنیٰ کا استدلال

عورت کا پردہ اسلام کے مطلوبہ طرزِ معاشرت کا اہم ترین جز ہے۔ قرآن نے اس کے احکام بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں اس کے بین السطور میں بہت سے اشارات ملتے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ شادی کے بعد ہر شخص کا مکان الگ اور اس کا یونٹ بالکل علیحدہ ہو۔ اسلام نے اصول فطرت کے عین اقتضاء سے پردے کے حکم میں تخصیص رکھی ہے۔ عورت کے قریب ترین اعزہ جن سے ہمیشہ کے لیے رشتہ ازواج حرام ہے ان کے سلسلے میں قرآن نے گنجائش رکھی ہے کہ وہ گھر میں بے تکلف آ جاسکتے ہیں اور ان کے سامنے عورت اپنی زینت اور زیبائش کو ظاہر کر سکتی ہے۔ ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ﴾[3]

کہ مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں میں اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے

---

① رحمۃ للعالمین: 2 / 157

② صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة، رقم الحديث، 2449

③ سورة النور، 24 : 31

اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے۔

پردے کے ان احکام وآداب کی رعایت مکان کے مختصر اور الگ یونٹ میں ہی ہو سکتی ہے۔25،35افراد پر مشتمل بیٹوں، پوتوں، دیور، جیٹھوں پر پھیلے ہوئے طویل خاندان میں عورت کی زیب وزینت اور اس کے قابل ستر اعضاء محرموں کے سامنے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور یہ مکان جو پورے گھر کی مشترک ملکیت ہے اس میں کسی کو گھر کے اندر آنے سے کوئی منع نہیں کر سکتا۔گھر کی بیشتر سہولیات جو مشترک ہوتی ہیں اور جن سے خاندان کا ہر بندہ فائدہ اٹھاتا ہے اس کے سلسلے میں کسی پر بھی کسی قسم کی پابندی اور قدغن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حق سکنی میں یہ شرط بھی ہے کہ اس میں تمام ضروری کار آمد اشیاء موجود ہوں۔خاوند پر واجب ہے کہ امیری یا غریبی کی صورت میں جو ضروریات خانگی درکار ہیں مہیا کرے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾[1]

کہ عورتوں کو(زمانہ عدت میں)وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو۔

شوہر کا بیوی کے لیے مہیا کردہ مکان اس وقت تک شرعی رہائش نہیں ہو گا جب تک اس میں مندرجہ ذیل امور نہ ہوں۔

3. وہ شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق ہو۔پس اگر اس جیسے لوگ ان مکانوں میں رہتے ہیں تو اس پر بھی اس طرح کا مکان مہیا کرنا ضروری ہو گا چاہے بیوی کی مالی حیثیت جیسی بھی ہو۔
4. گھر لوازم سکونت پر مشتمل ہو مثلاً سامان، بستر، برتن، غسل خانہ، کچن اور سارے گھریلو لوازمات اور ضروری سہولتیں موجود ہوں ضروری ہے کہ یہ سہولتیں مخصوص ہوں یعنی ان میں دوسرے گھر والے شریک نہ ہوں۔
5. یہ رہائش کسی دوسرے کی سکونت سے خالی ہو۔اگرچہ وہ شوہر کے گھر والے یا دوسری بیوی سے اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ہاں اگر دوسری بیوی کے بچے بالکل چھوٹے اور ناسمجھ ہوں تو وہ رہ سکتے ہیں۔[2]

اگر شوہر کے گھر میں کافی کمرے ہیں اور ان میں سے ایک کمرہ(جس میں لوازمات سکونت پورے ہیں)خالی کر کے بیوی کو دے دے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہو گا۔[3]یعنی یہ ایک پورا مکان بھی ہو سکتا ہے مکان کا ایک حصہ بھی ایک کمرہ بھی۔اس میں عرف کے مطابق شوہر کی خوشحالی یا تنگدستی کا اعتبار کیا جائے گا۔

6. اگر شوہر بیوی کے لیے کوئی ایسا مکان تجویز کرے جس کے اطراف بالکل آبادی نہ ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اس میں رہنے پر راضی نہ ہو پس شوہر پر ضروری ہے کہ کسی ایسے مکان میں اس کو رکھے جس کے پڑوس میں شرفا اور صالح رہتے ہوں

---

① سورة الطلاق، 65 : 6

② الأحكام الشرعية في الأحوال الشخصية : ص 328،329

③ مظاہر حق:3 / 444

اگر عورت کے ہمراہ کوئی رہنا چاہے تو عورت کی رضا مندی کا ہونا ضروری ہے۔[1]

پس شوہر جب رہائش فراہم کرے تو بیوی کے لیے وہاں رہائش رکھنا لازم ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے وہ وہاں قیام پذیر ہونے سے انکار کرے تو ناشزہ ہے اور اس کا حق نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ایک بات اور بھی ثابت ہوئی کہ نفقہ میں جائے سکونت فراہم کرنا خاوند کے ذمے ہے اور اس میں تمام اشیاء کا کار آمد ہونا ضروری ہے۔ بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے گھرانے کے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا نہیں۔

خاوند کو اجازت نہیں ہے کہ وہ بیوی کے رشتہ داروں کو بیوی سے میل جول اور بات چیت سے روکے اس لیے وہ جب چاہیں اس سے ملاقات کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے قطع رحمی لازم آتی ہے۔

اور ان کے میل جول سے خاوند کو کوئی نقصان بھی نہیں ہے بعض کے وہاں قیام کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ طویل گفتگو اور زیادہ ٹھہرنے سے فتنے کا احتمال ہے۔ اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو آنے سے منع کر دے تو اس کا یہ حق ہے اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق نہیں ہے اس طرح شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک بار ہفتہ میں بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے اور یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روک دے (یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد پر روک سکتا ہے) لیکن اکثر والدین کے علاوہ دوسرے محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرے تو یہ اس کا حق نہیں ہے۔[2]

"وفيه دليل على وجوب السكنى لها مادامت في العدة"[3]

زمانہ عدت بھر منکوحہ کی طرح مطلقہ کا بھی سکونت کا حق قائم رہتا ہے۔

ہاں اگر وہ عورتیں کھلی بے حیائی میں مبتلا ہوں تو انہیں گھروں سے نکالنا جائز ہے۔ فاحشہ مبینہ کے تحت زانیہ اور بدزبان لازمی طور پر آتی ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

فاحشہ مبینہ زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے، اس کے خلاف کرے اور ایذاء پہنچائے یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے۔ اور اپنے کاموں سے اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو اس صورت میں بے شک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کر دے۔[4]

عبد الحق حقانی بھی بیوت کی اضافت عورتوں کی طرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مطلقہ کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر گھر عورت کی طرف ہی منسوب ہوا کرتا ہے اسی لیے بیوتہن فرمایا اضافت بیت کی ان کی طرف جیسا کہ سورہ الاحزاب میں ازواج مطہرات کو قرن في بيوتكن سے

---

① علم الفقہ از عبد الشکور فاروقی:6 / 729

② مظاہر حق، شرح مشکوۃ شریف:3 / 444

③ تفسیر ماجدی:ص1116

④ تفسیر ابن کثیر:5 / 371

مخاطب کیا تھا اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔اضافت تملسکہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے۔۔۔پھر مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے۔پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں۔پھر جب ایسی نوعیت ہو تو آئندہ اور فسادات کے اندیشے میں نکال دینا مصلحت ہے۔اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیسا کہ مکان گرنے کا اندیشہ ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا۔مالک نکالتا ہو۔) باہر نکالنا ممنوع نہیں مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔قرآن مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں۔طلاق رجعی، بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حائضہ ہو یا حاملہ ہو یا آئسہ یا صغیر سن ہو سب کے لیے سکنی یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کے ذمے ہے۔[1]

مفتی محمد شفیع کے نزدیک بھی بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔وہ کہتے ہیں:

اس میں لفظ بیوتہن میں (مکانات) کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکنی (سکونت) مرد کے ذمہ ہے اس گھر میں اس کا حق ہے۔اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادائی واجب ہے۔بیوی کے حقوق میں سے حق سکنی صرف طلاق دینے سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایام عدت تک عورت کو اس جگہ رہنے کا استحقاق ہے اور ان کا گھر سے نکال دینا قبل اتمام عدت کے ظلم و حرام ہے اسی طرح خود ان کے لیے باختیار خود ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دے دے، کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گزارنا شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے جو منجانب اللہ معتدہ (عدت والی عورت) پر لازم ہے۔معتدہ عورت کو اس کے گھر سے نکالنا حرام ہے مگر اس میں سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ عورت کسی کھلی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے۔[2]

عورت کو عدت خاوند کے گھر گزارنی چاہیے۔احادیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

«عَنْ نَافِعٍ أَنَّ بِنْتَ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَطَلَّقَهَا الْبَتَّةَ فَانْتَقَلَتْ فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عَلَيْهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ»[3]

کہ نافع کی روایت ہے، سعید بن زید کی بیٹی عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کے نکاح میں تھی انہوں نے ان کو تین طلاق دیں وہ اس مکان سے اٹھ گئی۔عبد اللہ بن عمر نے اسے برا جانا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو ایام عدت میں اکٹھے رہنے کا حکم دیا ہے جس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں، لیکن اس کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر باہمی سازگاری کی کوئی گنجائش ہو گی تو یہ یکجائی اس میں مدد دے گی جیسا کہ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اس عدت کے دوران نہ تو تمہیں یہ حق ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ ہی ان کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوں، بلکہ دونوں یکجا ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ باہمی سازگاری اور اصلاح احوال کی کوئی گنجائش ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو۔اللہ تبارک و تعالیٰ کو میاں بیوی کا رشتہ ٹوٹنا پسند نہیں۔طلاق ایک مجبوری کا علاج ہے۔اللہ تعالیٰ نے بندوں کی مجبوریوں کے تحت اس کو جائز تو رکھا ہے، لیکن یہ اکرہ المباحات یعنی جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکروہ ہے۔چنانچہ اس نے اپنے

---

① تفسیر حقانی:7 / 144

② معارف القرآن:8 / 481

③ موطأ امام مالک : كتاب الطلاق ، باب ما جاء في عدة المرأة في بيتها إذا طلقت فيه، 1231

بندوں کو اس سے بچانے ہی کے لیے طلاق پر عدت کی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس مدت میں میاں بیوی دونوں ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ دونوں ٹھنڈے دل سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکیں کہ آخری قدم اٹھانے سے پہلے سازگاری اور اصلاح احوال کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ عدت کے عرصہ میں خاوند کے گھر رہائش کی مصلحت بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس مدت میں خاوند طلاق دینے پر نادم ہو جائے۔ دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور رجوع کر کے میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں۔[2]

بعض دیگر علماء نے بھی یہی کہا ہے کہ

یہاں گھر چھوڑنا سے مراد وہ نکلنا نہیں ہے جو روزمرہ ضروریات کے لیے ہوتا ہے بلکہ مستقل طور پر گھر چھوڑنا ہے۔ شوہر اور بیوی کو یکجا ایک ہی گھر میں رہنے کا حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ باہمی سازگاری اور اصلاح احوال کی کوئی صورت ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو جائے۔[3]

علامہ تمنا عمادی رحمہ اللہ بھی زوجین کے درمیان عدت میں اکٹھے رہنے کا فائدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

طلاق کے بعد جب دونوں ایک ہی گھر میں رہیں گے اور دونوں کو معلوم ہو گا کہ عدت تک نکاح باقی ہے اور عورت مرد سے پردہ بھی نہیں کرتی۔ سامنے آتے جاتے یا تخلیہ ہی میں عورت شوہر کا دامن پکڑ سکتی ہے۔ پاؤں پکڑ سکتی ہے، سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو سکتی ہے۔ اپنی سرکشی پر ندامت کا اظہار کر کے معافی مانگ سکتی ہے۔ شوہر کو بھی اس پر ترس آ سکتا ہے۔ اگلی محبت یاد آ سکتی ہے۔[4]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

طلاق رجعی کی صورت میں شوہر کی طبیعت بیوی کی طرف مائل ہو سکتی ہے اور بیوی بھی اختلاف کے سبب کو دور کر کے شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ دونوں ایک گھر میں موجود رہیں گے تو تین مہینے یا تین حیض تک یا حمل کی صورت میں وضع حمل تک موافقت کے بارہا مواقع پیش آ سکتے ہیں۔ اگر مرد جلد بازی میں اسے گھر سے نکال دے یا عورت ناسمجھی سے کام لے کر میکے جا بیٹھے تو اس صورت میں رجوع کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں اسی لیے فقہا نے یہاں تک کہا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں معتدہ عورت بناؤ سنگھار کرے تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو۔[5]

مفتی محمد شفیع عدت میں عورت کے حق سکنی کی مصلحت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

شاید بعد غیظ وغضب کے اللہ تعالیٰ کوئی دوسری حالت پیدا فرما دے کہ بیوی سے جو راحتیں ملتی ہیں اور اولاد اور گھر کے نظام کی جو سہولتیں تھیں ان کا خیال کرے مرد اپنی طلاق پر پچھتائیں اور دوبارہ اس کو نکاح میں رکھنے کا ارادہ کریں۔[6]

---

① تدبر قرآن : 8 / 736

② تفسیر ابن کثیر:5 / 371

③ فقہ شریعت ، کتاب الطلاق : ص 21

④ الطلاق مرتان : ص 74

⑤ تفہیم القرآن:5 / 564

⑥ معارف القرآن:8 / 484

فقہاء کے مابین اس امر میں اتفاق ہے کہ اگر مرد عدت کے دوران عورت کو حق نفقہ وسکنی سے محروم کرے تو وہ گنہگار ہے اور عورت خود گھر چھوڑدے تو وہ بھی گنہگار ہے اور نفقہ اور سکونت کے حق سے محروم ہو جائے گی۔[1] اس طرح طلاق رجعی کی صورت میں معتدہ کے لیے بلا اختلاف نفقہ وسکنی دونوں ہیں۔

طلاق بائن کی صورت میں عورت کا حق

اگر طلاق بائنہ ہو اور مطلقہ حاملہ ہے تو بالاجماع اس کے لیے نفقہ ورہائش دونوں ہوں گے، کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِن كُنَّ أُوْلَٰتِ حَمۡلٖ فَأَنفِقُواْ عَلَيۡهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ﴾[2]

اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہولے انہیں خرچ دیتے رہو۔

اگر حاملہ نہ ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو رہائش تو ملے گی۔ نفقہ نہیں ملے گا اور ابن ابی لیلی کا قول ہے کہ اس کے لیے نہ تو نفقہ ہے اور نہ ہی سکنی۔ ان دونوں نے مذکورہ بالا ارشاد سے استدلال کیا ہے اور اس میں حاملہ پر خرچ کرنے کی تخصیص کی گئی ہے اگر غیر حاملہ کے لیے بھی نفقہ واجب ہو تو تخصیص باطل ہونی چاہیے۔ روایت ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ مجھے شوہر نے طلاق دی تو نبی کریم نے میرے لیے رہائش ونفقہ مقرر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں نفقہ ملک کی بنا پر واجب ہوتا ہے اور طلاق بائن کی وجہ سے ملک زائل ہو چکی ہے۔[3]

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ رجعیہ اور حاملہ مطلقہ بائنہ کے لیے بالاتفاق سکنی ہے البتہ غیر حاملہ معتدہ بائنہ کے متعلق قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ صحابہ کرام اور فقہا کی آراء بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

> حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن رحمہ اللہ اور شعبی رحمہ اللہ نے کہا کہ سکنی عدت بائنہ کے لیے لازم نہیں ہاں اگر حاملہ ہے تو پھر ضروری ہے۔

عطاء، امام شافعی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کے علاوہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے جب کہ وہ شام کے سفر کو گئے تھے ان کو طلاق قطعی دے دی اور ان کے وکیل نے کچھ جو (بطور نفقہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھجوائے انہیں غصہ آ گیا۔ (اور انہوں نے یہ حقیر نفقہ لینا پسند نہ کیا) وکیل نے کہا واللہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر تیرا نفقہ عدت لازم نہیں ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی عدت ام شریک کے گھر میں گذارے پھر فوراً یہ بھی فرمایا کہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر تو میرے صحابی جاتے رہتے ہیں تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت بسر کرے وہ نابینا ہے۔ تو وہاں اپنے کپڑے (چادر) اتار سکے گی۔

مسلم ہی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا تجھے نہ عدت کے نفقہ کا استحقاق ہے اور

---

① تفہیم القرآن:5 / 564

② سورۃ الطلاق، 65 : 6

③ بدائع الصنائع : 3 / 553

نہ مسکن کا۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث اگرچہ صحیح سند سے آئی ہے لیکن شاذ ہے قابل قبول نہیں، سلف نے اسے قبول نہیں کیا اس کے علاوہ معارض و مضطرب بھی ہے۔ اضطراب تو یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے: طلقها وهو غائب دوسری روایت میں آیا ہے طلقها ثم سافر۔ تیسری روایت میں ہے ذهبت إلى رسول الله سألته ایک روایت میں ہے: إن خالد بن وليد ذهب في سفر فسألوه صلى الله عليه وسلم ایک روایت میں شوہر کا نام ابو عمر حفص دوسری روایت میں ابو حفص بن مغیر کہا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو رد کر دیا ہے اور فرمایا کہ

حسب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلقہ بائنہ کے لیے حق سکونت بھی ہے اور نفقہ بھی۔

طحاوی اور دار قطنی کی روایت میں لفظ سمعت رسول الله يقول للمطلقة ثلث النفقة والسكنى آیا ہے۔ یہ روایت صریحا مرفوع ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روایت کے صریح خلاف ہے۔ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

تم کو یہ کہنے میں اللہ کا خوف نہیں ہوتا کہ (مطلقہ قطعیہ کے لیے) نہ حق سکونت ہے نہ عدت کے مصارف)

دار قطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مطلقہ ثلاث کے لیے مسکن کا استحقاق بھی ہے اور نفقہ عدت کا بھی۔

مذکورہ بالا اختلاف کو المغنی نے اس طرح بیان کیا ہے:

عدت کے دوران مطلقہ رجعیہ بدستور شوہر سے حق سکونت اور نان و نفقہ کی مستحق رہتی ہے۔ مطلقہ بائنہ اگر حاملہ ہو تو وہ بھی نفقہ اور سکونت کی حق دار ہے۔ ان دونوں مسئلوں پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ البتہ جو مطلقہ بائنہ حاملہ نہ ہو اس کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ کے وہ سکونت کی مستحق ہے، لیکن نفقہ کی نہیں۔ امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور الکلبی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وہ نہ نفقہ کی مستحق ہے اور نہ سکونت کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اہل کوفہ کے نزدیک وہ نفقہ اور سکونت دونوں کی مستحق ہے۔(1)

دورانِ عدت عورت کو ساتھ رکھنے کا طریقہ

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾(2)

یعنی ان کو زمانہ عدت میں اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی جگہ تمہیں میسر ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے نہ ستاؤ۔

لا تضاروهن کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، یعنی مکان ایسا ہو جو ان کے لیے مناسب نہ ہو یا دوسرے لوگ اس میں بھرے ہوں اور وہ تمام نامناسب اسباب جن کی وجہ سے عورتیں اس مکان سے نکل جانے پر مجبور ہو جائیں۔"(3)

---

① بدائع الصنائع : 3 / 554

② سورة الطلاق، 65 : 6

③ تفسير مظهري : 11 / 553

زمانہ عدت میں ان عورتوں کو ساتھ رکھنے کا طریقہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے ان کی خودداری مجروح ہو بلکہ آمدنی کے لحاظ سے جیسا اپنا معیار رہائش ہو ویسا ہی بیویوں کو بھی مہیا کرنا چاہیے اور دوران عدت تنگ کرنے کی ایسی تدبیر سے پرہیز کرنا چاہیے جن کے نتیجے میں وہ چند ہی دنوں میں پریشان ہو کر تمہارا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں جیسا کہ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

آیت میں وجد کے معنی یافت کے ہیں۔ آدمی کا معیار زندگی اس کی آمدنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس کی ہدایت ان عورتوں کے باب میں فرمائی کہ ان کو اس معیار پر رکھنا ہو گا جو معیار آدمی کا اپنا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ خود تو کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہیں اور بیوی کو نوکروں کے کسی کوارٹر یا گیراج میں ڈال دیں اور بچا کھچا اسے کھانے کو بھیج دیں۔ اگر کسی نے دل سے اللہ کے یہ احکام قبول نہ کیے تو وہ ظاہر میں ان کی خانہ پری کرتے ہوئے بھی تنگ کرنے کی ایسی تدابیر اختیار کر سکتا ہے کہ عورت کے لیے چوبیس گھنٹے بھی اس کے گھر میں گذارنا محال ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو تو وہ ساری مصلحت یک قلم فوت ہو جائے گی جس کے لیے یہ احکام دیئے گئے ہیں اس وجہ سے منفی پہلو سے بھی اس بات کی وضاحت فرما دی کہ اس دوران میں ان کو تنگ کر کے بھگا دینے کی تدبیریں نہ کی جائیں۔[1]

عبد الحق حقانی قلمبند ہیں کہ

﴿أَسۡكِنُوهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنتُم مِّن وُجۡدِكُمۡ﴾ کا حکم اس لیے کہ طلاق کے بعد طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فورا نکال دینا قریب الوقوع بات ہے۔ اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔[2]

مفتی محمد شفیع کہتے ہیں کہ:

" لا تضاروھن "کا مطلب یہ ہے کہ ایام عدت میں جب کہ مطلقہ عورت تمہارے ساتھ رہے تو طعن و تشنیع کر کے یا اس کی ضروریات میں تنگی کر کے اس کو پریشان نہ کرو کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔"[3]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے مطابق کہ اگر مکان میں زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے مکان کا ایک کونہ ہی اس کو دے دے اور اس کو تکلیفیں پہنچا کر تنگ نہ کرے کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا خود چھوٹنے کے لیے اپنا حق مہر چھوڑے یا طلاق دینے کے بعد جب دو روز مدت کے رہ گئے تو رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے سے قبل رجعت کر لی تا کہ نہ وہ بیچاری سہاگن رہے اور نہ رانڈ۔

عبد الماجد رحمہ اللہ مختصراً آیت کی تفسیر کرتے ہیں

کہ عورت کا احترام و اکرام عدت بھر سابق بیوی کا سا ہونا چاہیے اور اس کے لیے سکونت کا مکان شوہر کے حیثیت و مرتبہ کے مطابق ہونا چاہیے۔[4]

---

① تدبر قرآن : 8 / 443

② تفسیر حقاني: 7 / 149

③ معارف القرآن : 8 / 491

④ تفسیر ابن کثیر : 5 / 376

جاہلیت میں مطلقہ کے حق سکنی کے متعلق رویہ

سید قطب شہید رحمہ اللہ زمانہ جاہلیت کے احوال اور طلاق مغلظہ کے بعد عورت کے نفقہ وسکنی کے متعلق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

زمانہ جاہلیت میں مطلقہ عورتوں کو ان کے سکونتی گھر سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ بے یار و مددگار کر کے پھینک دیا جاتا۔ ایک تو اس پر طلاق کی مصیبت پڑی اور دوسرا اس پر ظلم یہ ہوا کہ اسے جائے سکونت سے نکال دیا گیا۔ اب وہ جائے تو کہاں جائے اور رہے تو کہاں رہے؟ اس کے اخراجات کی کیا سبیل ہو؟ یہ ظلم آج کل بھی بعض جاہلوں کی طرف سے ہوتا ہے اور بعض دفعہ عورت کے اولیاء اسے خاوند کی طلاق سے غم و غصہ میں اپنے ہاں لے جاتے ہیں یا پھر عورت خود ہی چلی جاتی ہے اس امر سے بہت سی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں مگر جاہلیت کا کرشمہ یہ ہے کہ اس میں عملی اصلاح بہت کم کی جاتی ہے۔ طلاق جب تک مغلظہ نہ ہو عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا ہی مصلحت ہے۔ مغلظہ کی صورت میں بھی اس کا یہ حق ہے کہ اسے نان ونفقہ ملے اور جب تک وہ خود ہی نکاح ثانی کر کے نہ چلی جائے اسے پریشان نہ کیا جائے۔ اولاد کی صورت میں تو یہ پریشانی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب تک اسے رہائش کا ٹھکانہ نہ ملے، اخراجات بھی بند کر دیئے جائیں۔ اولاد کے اخراجات کی ادائیگی تو بہر صورت خاوند کی ذمہ داری ہے۔ (1)

بیوہ کے لیے حق سکنی

حدیث میں آتا ہے:

«إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَلاَ نَفَقَةَ وَلاَ سُكْنَى» (2)

کہ بے شک عورت کے لیے اس کے شوہر پر خرچہ اور رہائش اس وقت تک لازم ہے جب تک وہ اس پر رجوع کا حق رکھتا ہے اور جب اسے اس پر رجوع کا حق نہ رہے تو خرچہ اور رہائش مرد کے ذمے لازم نہیں رہتا۔

عورت کا شوہر چونکہ فوت ہو چکا ہے اس لیے اب وارثین پر بیوہ کی ذمہ داری ہے اس سلسلے میں قرآن پاک میں دو احکام موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (3)

کہ تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا ہے کہ انہیں خرچ دیا جائے اور ان کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے معاملے میں کریں۔

---

① تفسير في ظلال القرآن : 10 / 153

② مسند أحمد: كتاب باقي مسند الأنصار، باب حديث فاطمة بنت قيس، 26560

③ سورة البقرة، 2 : 234

اگر اس دوران بیوہ خود اپنی مرضی سے گھر چھوڑے اور اپنے نکاح ثانی یا اپنی سکونت کے سلسلہ میں دستور کے مطابق کوئی قدم اٹھائے تو اس کا اس کو حق حاصل ہے۔

امام ابن حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ .... بِالْمَعْرُوفِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا ہے تو گھر ہی میں رہنے کی صورت میں اسے ایک سال تک کے لیے خرچہ اور رہائش دی جاتی تھی، لیکن اس حکم کو بعد میں آیت میراث نے منسوخ کر دیا اور بیوہ کے لیے شوہر کے ترکے سے چوتھایا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا۔[1]

یہ اس عورت کی رہائش کا ذکر ہے جس کا شوہر فوت ہو جائے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو، کیونکہ حاملہ کی عدت (جس کے مطابق ہی حق سکنی ہے) یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کے بچے کو جنم دے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾[2] کے بارے میں روایت کیا ہے کہ (جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی) یہ عدت تھی اور عورت کے لیے واجب تھا کہ اس عدت کو وہ شوہر کے اہل خانہ ہی میں گذار لے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ ..... مِن مَّعْرُوفٍ﴾[3]

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیوہ کے لیے سات ماہ بیس دن بطور وصیت شامل کر کے ایک سال کی مدت پوری کر دی، لہٰذا اگر وہ چاہے تو وصیت کے ایام (7 ماہ 20 دن) میں خاوند کے گھر رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ﴾[4] ”وہ عورتیں گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔“ یعنی (۴ ماہ ۱۰ دن) کی عدت اسی طرح اس پر واجب ہے جس طرح پہلے تھی۔

ان بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ پہلے بیوہ کے لیے شوہر کی وصیت کے مطابق ایک سال تک کے لیے نفقہ اور سکنی کا حق موجود تھا بعد میں آیت میراث نازل ہونے پر بیوہ کو شوہر کے خرچ میں سے میراث دی گئی تو اس حق سکنی کی مدت کو کم کر کے ۴ ماہ اور دس دن بیوہ کی عدت قرار پائی۔ بیوہ کے حق سکنی کے بارے میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ’موطا‘ میں زینب بنت کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ فریعہ بنت مالک بن سنان جو ابو سعید خدری کی بہن ہے نے انہیں بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ اجازت طلب کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اپنے خاندان بنی خدرہ میں چلی جائیں، کیونکہ ان کا شوہر جب اپنے بھاگ جانے والے غلاموں کی تلاش میں نکلا اور اس نے انہیں قدوم کی جانب جا پکڑا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

فریعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاندان بنی خدرہ میں واپس چلے جانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ

---

① تفسير أبي حاتم: 2 / 451

② سورة البقرة، 2 : 234

③ سورة البقرة، 2 : 240

④ سورة البقرة، 2 : 240

میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں نہ کوئی مکان اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور نہ نفقے کے لیے کوئی سامان، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور جب میں واپس جانے لگی اور ابھی تک حجرے ہی میں تھی تو رسول اللہؐ نے مجھے بلایا یا آپ نے کسی کو حکم دیا کہ وہ مجھے بلائے تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کہا؟ میں نے اپنے شوہر کا سارا واقعہ دوبارہ بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا:

«امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ»[1]

کہ اپنے گھر ہی میں رہو حتی کہ حکم الٰہی پورا ہو جائے۔

بیان کرتی ہیں کہ اس فرمان نبوی کے بعد میں نے چار ماہ دس دن اسی گھر میں گزارے۔

پاکستانی مطلقہ عورت کے حق سکنی کے مسائل

دورِ جاہلیت کی طرح پاکستانی معاشرہ میں بھی عورت اکثر طلاق کی صورت میں حق سکنی سے محروم کر دی جاتی ہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں :

1. مرد عورت کو بسانا نہیں چاہتا اور اس کو میکے چھوڑ جاتا ہے اور پیچھے سے طلاق کا نوٹس دے دیتا ہے اس صورت میں عورت کا اپنے حق سکنی کو طلب کرنا عزت اور غیرت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔
2. بسا اوقات عورت سسرال میں رہ رہی ہوتی ہے مرد کچھ عرصہ بیوی کے ساتھ گذار کر بیرون ملک چلا گیا وہاں جا کر رشتہ داروں کے بھڑکانے کی وجہ سے یا خود اپنی دلچسپی تبدیل ہو جانے کی صورت میں مرد عورت کو طلاق دے دیتا ہے اب عورت کے لیے مطلقہ ہو کر سسرال میں رہائش اختیار کرنا انتہائی شرمندگی کا باعث ہوتا ہے۔
3. میاں بیوی کی لڑائی ہوئی، مرد نے تشدد کیا جس کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا اس کا سارا سامان جو وہ جہیز کی صورت میں لائی تھی وہ بھی ضبط کر لیا اور پیچھے سے اس کو طلاق کا نوٹس بھیج دیا۔

مذکورہ بالا ساری صورتوں میں عورت اگر عزت نفس کو چھوڑ کر خود بھی حق سکنی طلب کرے تو شوہر اور سسرال والے اس کو ذلیل کرنے اور ذہنی اذیت دینے میں کمی نہیں کریں گے اس لیے کہ اب وہ خود اپنا حق طلب کرتے ہوئے آئی ہے اسے اپنے مسئلہ خود بھگتنے ہیں۔

شوہر کی عدم موجودگی میں بیوی کی سکونت کا انتظام

بعض لوگ شادی کے بعد بیوی کو سسرال میں چھوڑ کو ایک طویل عرصے کے لیے بیرون ملک ملازمت کے لیے چلے جاتے ہیں۔ جس سے بے شمار اخلاقی اور معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں اولا تو شوہر کو حد سے زیادہ طویل عرصے کے لیے بیوی سے غائب نہیں رہنا چاہیے۔ شریعت اسلامیہ نے اس کی حد چھ ماہ تک مقرر کی۔ قرآن کریم نے ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر کی ہے۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

① موطأ إمام مالك : كتاب الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل، 1287

② سورة البقرة، 2 : 227

فوجیوں کو ہر چھ ماہ بعد گھر آنے کا حکم دیا۔[1] میاں بیوی کی رضامندی سے یہ سفر اختیار کرے اور اپنی عدم موجودگی میں اس کی رہائش کا مناسب انتظام کرے۔ اکثر یہ حادثات پیش آتے ہیں کہ یا تو بیوی کسی اخلاق برائی کا ارتکاب کر بیٹھی یا عفت ماب عورت کو سسرال نے طرح طرح کے الزام لگا کر شوہر سے طلاق دلوادی۔ اس کے لیے ایسی رہائش کا انتظام کرے جس میں اس کو اخلاقی تحفظ کے ساتھ ساتھ معاشرتی پناہ بھی میسر ہو۔

شوہر بیرون ملک ہے یا عورت مطلقہ ہو ان دونوں صورتوں میں عورتوں کے سکنی کے مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں وہی تجاویز اور اقدامات مناسب رہیں گے جو اس سے قبل نان ونفقہ کی فصل کے آخر میں ذکر ہو چکے ہیں۔

سکنی سے متعلقہ مسائل (مشترکہ خاندانی نظام میں...)

شادی کے بعد زوجین میں مؤدت ورحمت کے اظہار کے لیے ایسا گھر ہونا ضروری ہے جس میں کوئی دوسرا دخل اندازی نہ کرے۔ پاکستانی معاشرے میں یہ دخل اندازی بہت زیادہ ہے جس کی بنا پر نوع بنوع مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے باہم تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ساس بہو کا جھگڑا روایتی حیثیت حاصل کر چکا ہے اور شاید یہ حریف ہر مشترکہ گھر میں موجود ہیں۔

پاکستانی معاشرے میں بہو کو ساس سے اور بھاوج کو نندوں سے جو خوف وہراس ہے وہ بے وجہ اور بے بنیاد نہیں ہے۔ آج بھی اس معاشرے میں ایسی ساسوں کی کمی نہیں جو اپنے لڑکے کو بہوؤں کے خلاف مستقل اکساتی اور بھڑکاتی رہتی ہیں۔[2] اگر عورت شادی بعد مشترکہ گھرانہ میں رہائش پذیر ہو تو کئی دینی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زیب وزینت اختیار کرے (جو کہ انتہائی ضروری ہے) تو ستر وحجاب کی پابندیوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور اگر نہ اختیار نہ کرے تو شوہر کی نگاہوں کی آسودگی ملنا ناممکن ہے۔ بیٹے کی شادی کے ساتھ عمومی طور پر یہ تصور وابستہ ہے کہ بہو آکر سارا گھر سنبھالے گی اسی لیے تو شادی کی ہے۔ حالانکہ بنیادی طور پر بیوی کا مقصد شوہر کو سکون واطمینان بہم پہنچانا ہے۔ سارے گھرانے کی خدمت کرکے تھکن سے چور وہ شوہر کی کماحقہ خدمت کے قابل نہیں رہتی اور بہو کے آتے ہی کام کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جاتا ہے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ ابھی تو وہ ذاتی طور پر بھی زندگی کے کئی نئے مراحل سے گزر رہی ہے۔

اپنے ماں بہن بھائی، گھر اور ماحول چھوڑ کر بالکل نئے ماحول میں داخل ہوئی ہے۔ اور اگر وہ تھکاوٹ، سستی یا ناتجربہ کاری کا مظاہرہ کرے تو طعن وتشنیع کی بوچھاڑ اس کا سینہ چھلنی کر دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مزاج کڑوا ہو جاتا ہے اور مزاج کی یہ کڑواہٹ میاں بیوی کی عائلی زندگی کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات ان اسباب کی بنا پر حالات اتنے تلخ ہو جاتے ہیں کہ عائلی زندگی کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر علیحدہ رہائش کی خواہش کی جائے تو وہ بھی مشکل میں ڈال دیتی ہے، کیونکہ شادی بیاہ پر اسراف معمول بن چکا ہے اور مرد بعض اوقات پورے خاندان مثلاً بہت سے بہن بھائیوں اور والدین کا کفیل ہوتا ہے اب اگر وہ علیحدہ رہائش اختیار کرلے تو مالی مسائل میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

---

① الفقه الإسلامية وأدلته : 9 / 6845

② عورت کا المیہ: ص69

مشترکہ رہائش کی صورت میں خواتین باہم ایک دوسری کے کام پر اعتراض اور نکتہ چینی دوسروں کے خلاف مستقل سازشیں اور جوڑتوڑ کرتی ہیں۔ غیبت میں مصروف رہتی ہیں اور دیگر کئی اخلاقی معائب کا شکار ہوتی ہیں۔ ''گھر پر سالوں سے چھائی ہوئی دو تین عورتیں جب ایک نئی عورت کو اس دائرے میں داخل ہوتا دیکھتی ہیں تو بالعموم اس کا جینا دوبھر کر دیتی ہیں جب کہ شوہر یکطرفہ سماعت رکھتے ہیں۔''[1] اسی طرح اچھے بھلے نوجوانوں میں ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب یہ بنا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ان کی زندگیاں اپنی بیویوں سے دور رہ کر گزریں اور میاں بیوی نہ تو ایک دوسرے کا مزاج معلوم کر سکے اور نہ ہی آپس میں مکمل تعارف ہو سکا جس کی وجہ سے دونوں کو حقیقی سکون نہ مل سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ شادی کے چند دن بعد ہی سے صبح اٹھتے ہی بیوی صاحبہ کو باورچی خانے میں حاضری دینا پڑی اگر ذرا سی بھی دیر ہو جائے تو جیٹھانی صاحبہ یا دیورانی صاحبہ بڑابڑاتی ہوئی اپنے شوہروں۔۔ اور ساس کو۔۔ اور چھوٹی نندیں بھائی کو۔۔۔ ساس صاحبہ سسر صاحب کو شکایتیں لگانے میں ذرا دیر نہیں کرتیں۔[2]

عورت کو ساس اور شوہر دونوں کا ڈسپلن قبول کرنا پڑتا ہے۔ اگر خاندان میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کو ملزم گردانا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے متعلق جداگانہ برتاؤ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹیوں اور بہنوں کی ہر چیز انگیز کر لی جاتی ہے، لیکن بہو اور بیوی پر نکتہ چینی ہوتی رہتی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے خاندانوں میں جو کشیدگیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا بخار بہو اور بیوی پر نکالا جاتا ہے۔[3]

مشترکہ خاندانی نظام میں عورت کے حقوق کی محرومی

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً

ایک باشعور اور باارادہ ہستی ہونے کی حیثیت سے پرائیویسی انسانی فطرت میں داخل ہے یہی وجہ ہے کہ ہر باشعور شخص اپنے لیے الگ مکان اور اس سے ملحق الگ سہولت کا طلب گار ہوتا ہے۔ یہ سہولت اسے حاصل نہ ہو تو اسکا سکون درہم برہم ہوتا ہے۔ مشترک خاندان میں عورت کی پرائیویسی مجروح ہوتی ہے اور ایک مسلسل بے چینی اسکے ساتھ لگی رہتی ہے۔

مشترک خاندان میں جنسی زندگی کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کے تقاضے پورے نہیں کیے جاسکتے اس کے لیے ہر شادی شدہ شخص کے لیے مکان کی الگ یونٹ ضروری ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ

''آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جنابت کا غسل ایک برتن پانی سے فرماتے تھے۔''[4]

---

① عورت معرض کشمکش میں: ص 262

② هدية العروس : ص 352

③ پاکستانی معاشرہ اور ثقافت : ص 194

④ صحیح البخاری : کتاب الغسل، باب الغسل الرجل مع إمرأة، 250

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی کیفیت بیان کرتی ہے کہ حالت حیض میں وہ برتن سے پانی پیتیں تو نبی برتن سے اسی جگہ سے پانی پیتے جہاں سے وہ پی چکی ہوتیں اسی طرح وہ گوشت کا ٹکڑا ایک جگہ سے کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتیں تو آپ اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے وہ پہلے کھا چکی ہوتیں۔[1]

اس واقعہ سے معاشرت میں مطلوب خوشگواری کا پتہ چلتا ہے پھر ان میں جنسی تسکین کا نفسیاتی پہلو نمایاں ہے مشترکہ خاندان میں اس پہلو سے تسکین کے مواقع حاصل نہیں ہوتے۔

مشترکہ خاندان میں سب کے لیے ایک ہی کھانا پکتا ہے۔ بعض اوقات تو کھانے کے اوقات بھی فکس ہوتے ہیں ایک نئی بہو کو اپنی پسند اور ترجیحات سے دستبردار ہو کر اسی مینیو اور کھانے میں اسی نظم کا پابند ہونا پڑتا ہے اس سے ہٹ کر اپنی پسند پر عمل درآمد اس نظام کے منافی ہے اور یہ چیز جس قدر ناگوار اور سوہانِ روح ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ گھر سے ملحق دوسری متعلقہ سہولتوں کے مشترک ہونے کے باعث ہر وقت بھیڑ بھاڑ، اژدہام اور کشمکش کی جو کیفیت رہتی ہے اس سے پیدا ہونے والی ہمہ وقتی، بے اطمینانی کی کیفیت اس کے علاوہ ہے۔ عورت زندگی بھر گھر کے سکون سے ناآشنا مدت عمر پلیٹ فارم کی سی کیفیت محسوس کرتی ہے۔[2]

اس نظام میں معاشرت کی عدم سہولت کا ایک پہلو بھی ہے جس کا تعلق خاص طور پر خانگی ذمہ داریوں میں بیوی کے ساتھ شوہر کی شرکت اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدد اور تعاون کے مطلوبہ اسلامی تقاضے سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر اہل خانہ کے ساتھ تعاون اور ان کا ہاتھ بٹاتے۔ چنانچہ دریافت کیے جانے پر کہ گھر کے اندر آپ کے معمولات کیا تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہوتے تو اس کے کام کاج میں لگے رہتے جب نماز کا وقت ہوتا تو مسجد کا رخ کرتے۔[3]

ہمارے مشترکہ گھرانوں میں اگر شوہر بیوی کی گھریلو کام کاج میں مدد کرتا ہے تو اس کو جورو کا غلام ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

مشترک خاندانی نظام میں بسا اوقات ایسی صورتحال پیش آتی ہے کہ عورت کے سب سے بڑے دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے حالات ناسازگار ہو جاتے ہیں جسے خاص طور پر پاکستان کے مخصوص پس منظر میں کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پھیلے ہوئے خاندان میں مشترک سہولیات کے ساتھ نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے بڑا مشکل ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو بچا لے بڑھی ہوئی قوت ارادی کا حامل لڑکا اس مہم کو سر بھی کر جائے تو نئی نویلی لڑکی کے لیے یہ چیز بہت مشکل ہے۔ اس جذبہ حیا کو بالکل بے جا اور دین سے ہٹا ہوا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام میں عرف وعادت کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے پاکستان کے پس منظر میں یہ جذبہ حیا اپنی جڑیں بڑی گہری رکھتا ہے۔ جسے آنکھیں بند کر کے یونہی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ گھر الگ ہو جائے تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

مالیاتی پہلو سے مشترک خاندانی نظام بڑی بے اعتدالی کا شکار ہے۔ خاندان کے دس کمانے والوں کا ایک شخص نگران وذمہ دار ہوتا ہے۔ پھر گھر کا سربراہ خاندان کا شیرازہ ہونے کی صورت میں کچھ نہ کما کر بھی اس کے جملہ معاملات کا ذمہ دار اور گھر کے تمام سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے۔ کمانے والے افراد گھر کے مالک کو جو اپنی کمائی دیتے ہیں۔ اکثر وبیشتر اس میں ان کی مرضی اور خوش دلی شامل نہیں

---

① صحیح المسلم : کتاب الحیض، جواز الغسل الحائض رأس زوجها وترجیله و طهارة سؤرها، 453

② مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام از سلطان احمد اصلاحی : ص 14

③ صحیح البخاري : کتاب النفقات، باب خدمة الرجل في أهله، 5363

ہوتی، کیونکہ وہ ان کی خواہش کے مطابق ان کے بیوی بچوں پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ تمام اخراجات گھر کے عمومی مفاد کو مدنظر رکھ کر کیے جاتے ہیں پھر گھر کا صحیح حساب کچھ اور ہوتا ہے۔گھر کا مالک کوئی اور صورت پیش کرتا ہے۔ مستقبل کے اندیشوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ بسا اوقات فرضی گھاٹے اور فرض حساب دکھا کر اپنی مالی پوزیشن کو مستحکم کرتا ہے۔ یہ صورت حال مال کو حرام اور باطل طریقے سے کھانے کے زمرے میں آتی ہے۔انہیں حالات میں نئی بہو کو اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر کے ہر فرد کو راضی رکھنا پڑتا ہے اگر علیحدہ ہو کر اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہے تو اسے ایک طرف حقیر نظروں کا سامنا ہوتا ہے وہیں پر مشترک جائیداد تقسیم نہ ہونے پر انہیں خاندان کی مشترکہ مالی تجارت و جائیداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

گھر کے باہر کی طرح گھر کے اندر بھی پیسے والے کی عزت ہوتی ہے۔ یہ عزت وبالادستی ناگزیر طور پر کمانے والے کے ساتھ اس کے بیوی، بچوں تک منتقل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر نہ کمانے والے مردوں کی طرح ان کے بیوی بچے بھی اکثر وبیشتر ملک کے دوسرے درجہ کے شہری کی طرح گھر کے دوسرے درجے کے افراد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات نوبت صریح مزدوری اور غلامی تک پہنچ جاتی ہے۔نہ کمانے والا چچا کمانے والے بھائی کے لڑکوں کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اس کے بیوی بچے گھر کے خادم اور خادموں کی حیثیت اختیار کر لیے ہیں۔ کمانے والے کی طرح اس کے بیوی بچے بھی گھر کے حاکم اور افسر اور اٹھ کر پانی پینے تک کے روادانہ ہوں گے۔[1]

مشترکہ خاندان میں عورت کے لیے معاشی نقصان کا ایک پہلو گھر کے سامان کے استعمال میں بے احتیاطی کا بھی ہے۔ چونکہ کسی شخص کی الگ مالی حیثیت کا تعین نہیں ہوتا۔گھر کے تمام وسائل اور تمام سامان ہر ایک کی یکساں دسترس میں ہوتے ہیں۔ یہی مشکل عورت کو اپنے جہیز کے سامان کے سلسلے میں بھی پیش آتی ہے اگر دوسرے کے استعمال پر وہ برا منائے تو یہ بداخلاقی ہے اور اگر کھلے عام سب اس کا سامان استعمال کریں تو ہر شخص انہیں غیر کا مال تصور کرتے ہوئے بے احتیاطی اور بے دردی سے استعمال کرتا ہے اس کے ضیاع اور بربادی میں جھجک محسوس نہیں کرتا۔

عورت اپنے بچوں کی تربیت اپنی مرضی اور ترجیحات کے مطابق نہیں کر سکتی۔ والدین کے بغیر اولاد کی تربیت ایسا خلا ہے جسے کسی صورت پورا نہیں کیا جا سکتا۔

نئی آنے والی بہو کو اپنی جگہ خود بنانی ہوتی ہے۔ ہر قربانی کی توقع اسی سے کی جاتی ہے۔ اس کا مقابلہ پہلے سے ایڈجسٹ خواتین (دیورانی وجیٹھانی وغیرہ) سے کیا جاتا ہے۔ شوہر سے ایڈجسمنٹ کے علاوہ اس کا بڑا مسئلہ اس تاثر کو قائم کرنے کا ہوتا ہے کہ وہ ساس کی حکمرانی پوری فرمان برداری کے ساتھ قبول کرنے کو تیار ہے۔ اپنے حقوق تو شوہروں کو شریعت کی روشنی میں واضح ہوتے ہیں۔گھر کے باقی افراد کے حقوق وہ یہ جملہ بول کر پہلی رات منوانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں کی خاص کر والدین کی ہر بری بھلی تمہیں میری خاطر برداشت کرنے کی کوشش کرنی ہے، تمہیں ہر صورت میں انہیں راضی رکھنا ہے۔

---

(1) مشترکہ خاندان اور اسلام از سلطان احمد اصلاحی : ص 19

دورِ جدید کا ٹرینڈ اور اس کا نقصان

ایک طرف والدین کی اطاعت کی روایتی صورت حال یہ ہے کہ انہی کے کہنے پر شادیاں کی جاتی ہیں اور انہی کے اصرار پر طلاقیں دی جاتی ہیں جب کہ اپنی پسند، ناپسند اور خواہشات کو بالجبر دبا دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف رد عمل کی ایک فضا پیدا ہو رہی ہے۔ لڑکے اپنی مرضی سے دلہنیں بیاہ لاتے ہیں اور انہیں گھر کی مالکہ بنا کر بٹھا دیتے ہیں اور ماؤں بہنوں سے نوکرانیوں والا سلوک کرتے ہیں۔ دلہن کو اتنی جرأت اور اعتماد بخش دیتے ہیں کہ ان کے جارحانہ رویے سے ماں تھر تھر کانپتی ہے حتی کہ ماں کی ضروریات اور بنیادی حقوق کے لیے بھی بہو کی اجازت ضروری ہے۔[1]

موجودہ زمانہ کی تعلیم یافتہ خاتون مشترک خاندانی نظام کو اپنے لیے مصیبت سمجھتی ہے اس نے حل یہ تلاش کیا ہے کہ وہ شادی کے بعد شوہر کے ساتھ الگ رہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو راضی کرے کہ وہ اپنے ماں باپ سے جدا ہو جائے اور بیوی کے ساتھ علیحدہ زندگی گزارے۔ آنکھوں سے دور دل سے دور کے مصداق جب وہ ماں باپ سے علیحدہ رہائش اختیار کرتے ہیں تو لڑکی کو بہت آزادی سے اپنی مرضی چلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ ماں باپ سے علیحدگی کے بعد ان کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ ایک لاتعلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر خاندان کی ساخت میں لازمی طور پر بیوی کا زور چلتا ہے وہ نئے گھر کی مالکہ بن جاتی ہے اور بلا شرکت غیرے گھر پر حکمرانی کرتی ہے۔ ساس سسر کے جھنجھٹ سے آزاد ساس کی روایتی بالادستی کے خلاف کان بھرتی ہے اس لیے بیٹا بھی ماں باپ کو روز مرہ زندگی کے اہم رشتوں میں شمار کرنے سے رفتہ رفتہ پرہیز کرنے لگتا ہے۔ بہت فرماں بردار ہو تو کبھی کبھی ان کی خبر گیری کر لیتا ہے۔

روزنامہ جنگ میں صوبیہ سردار لکھتی ہیں :

> مشترکہ خاندانی نظام میں دراڑ کی وجہ سے بچوں کو دادا دادی اور دوسرے عزیز و اقارب کی محبت میسر نہیں ہوتی دوسری طرف معاشرتی ضروریات کے تقاضوں کو پورے کرتے ہوئے دونوں (ماں باپ) ملازمت کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصروفیت کے باعث بچوں کو وقت نہیں دے پاتے جس کی وجہ سے بچے عدم توجہ کا شکار ہیں۔[2]

سسرال سے الگ رہائش

اگر بیوی سسرال کے ساتھ نہ رہنا چاہے اس کی وجہ خواہ طبائع کا اختلاف ہو یا باہم لڑائی جھگڑا تو اسے مشترکہ رہائش اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا مکان کے کسی علیحدہ حصے میں جس کا راستہ علیحدہ ہو۔ البتہ اگر وہ خود چاہے تو خود اپنی مرضی سے شوہر کے والدین یا رشتہ داروں کے ساتھ رہ سکتی ہے۔

باہم ایک دوسرے سے اختلاف اور نزاع سے بچنے کی یہ بہترین صورت ہے کہ اختلاف کی وجہ مشترکہ رہائش کو ہی ختم کیا جائے۔ یکجائی کی معاشرت میں تعلقات کی خرابی کی شاید یہی ناگزیر صورت ہے جس کے پیش نظر خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے

---

① هدية العروس : ص369

② روزنامہ جنگ: 3 مئی 2005ء

اپنے گورنر ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ " ذوي القرابات أن يتزاورو أو يتجاورو "[1] رشتہ داروں کو حکم دو (اپنے گھروں کو ایک دوسرے سے دور رکھیں) آپس میں ایک دوسرے سے ملنے جائیں۔ (گھروں کو قریب کر کے) ایک دوسرے کے پڑوسی نہ بنیں ۔ایک دوسرے حکیم کثم بن صیفی رحمہ اللہ نے بھی اس سلسلے میں بڑے پتے کی بات کہی ہے:

"تباعدوا فی الدار تقاربوا فی المؤدة"[2]

تمہارے گھر ایک دوسرے سے دور ہوں گے تو دلوں میں قربت ہو گی۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اور نفقہ کا ایک جزو بیوی کو رہنے کے لیے گھر دینا ہے۔ اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر لوگ مبتلا ہیں وہ یہ کہ بیوی کو جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے۔ بس اپنے عزیزوں رشتہ داروں میں عورت کو لاڈالتے ہیں۔ سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام کرنا واجب ہے اور یہاں بھی راضی ہونے کے یہی معنی ہیں کہ طیب خاطر سے راضی ہو حتی کہ اگر مرد کو پختہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ وہ علیحدہ رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا۔ یعنی سب کے ساتھ رکھنا جائز نہیں۔ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھری یا کمرہ ایسا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اسمیں وہ اپنا مال واسباب تالا لگا کر رکھ سکے اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے۔ بات چیت کر سکے یہ واجب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ چولہا تو ضروری علیحدہ ہونا چاہیے زیادہ تر آگ اسی چولہے سے ہی بھڑکتی ہے۔[3]

مشترک نظام کی یہ صورت حال سب سے بہتر ہے کہ گھر ساتھ ساتھ ہوں، لیکن سب کی پرائیویسی کا تعمیری لحاظ سے پوری طرح خیال رکھا جائے اس مشترک نظام کو اسلام کے مطابق ایسے ڈھالا جائے جس میں پردے اور باہمی حقوق و فرائض کی ادائیگی کی سہولت موجود ہو اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ رہائش اس انداز سے تعمیر کروائی جائے جس میں سب مشترکہ رہتے ہوئے علیحدہ علیحدہ یونٹ سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہوں۔ خاتون خانہ کے کچن کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے ہر شادی شدہ فیملی کے لیے Entrance الگ ہو جس میں دوسرے کی مداخلت کا امکان نہ ہو البتہ لاؤنج، صحن کو مشترک بنا کر مشترک خاندان کے فوائد سے بھی پوری طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ ہر فیملی اپنے اپنے مالی معاملات میں خود آزاد بھی ہو اور ان کی یہ تربیت بھی کی جائے کہ آمدنی کا ایک مخصوص حصہ مجموعی فوائد کے لیے علیحدہ کر کے سربراہ خاندان کے حوالے کیا جائے۔

گھریلو سسٹم ایسے مضبوط بنایا جائے کہ عمومی طور پر تمام فیملی علیحدہ علیحدہ اپنی ذمہ داریاں اٹھائیں اور پھر وقتاً فوقتاً ہفتہ وار، ۱۵ دن بعد یا ماہانہ اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شامل ہو جائیں تاکہ چھوٹے بچے بزرگوں کی تربیت میں لوگوں سے میل جول اور معاشرے کے رہن سہن کے طور طریقوں سے آگاہ ہوں اور مختلف مزاج کے کزنز سے ملتے ہوئے مختلف طبیعتوں کو سمجھنا اور ان

---

① العقد الفرید : 2 / 326

② أیضا

③ اصلاح انقلاب : 2 / 187

کے ساتھ برتاؤ کرنا سیکھ جائیں وقتاً فوقتاً ہونے والی Get to gethers میں سب مل جل کر کام کرنا سیکھیں اور خاندانی طور پر کسی کو کوئی بھی مسئلہ ہے تو سب مل کر اس کی مدد بھی کریں۔ ان پروگرامز کے انتظام کرنے کی ذمہ داری ہر بار ایک فیملی کے سپرد کی جائے اس طرح مشترک لیکن علیحدہ رہائش دونوں کے فوائد سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں رہائش کا حل

اسلام کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ شادی کے بعد لڑکا ہو یا لڑکی، ہر ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اس لیے شادی کے بعد خانگی امور سے لے کر ازدواجی مسائل تک ہر معاملے میں شرعی طور پر بیوی صرف اپنے خاوند کی مطیع ہے اور اسے رہائش کے لیے ایسا ماحول چاہیے جہاں وہ اپنی خانگی وازدواجی ذمہ داری بخوبی پوری کر سکے۔ خواہ وہ ماحول مشترکہ رہائش میں اسے میسر آئے خواہ غیر مشترکہ میں۔ اسلام کا رجحان غیر مشترکہ رہائش کی طرف ہے۔ آج تک عرب معاشرے میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ لڑکے کی شادی سے پہلے اس کی الگ رہائش کا بندوبست کیا جاتا ہے اور شادی کے فوراً بعد وہ نئے گھر سے نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مشترکہ رہائش کا کلچر ہے۔ اس نظام کی بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس میں خامیاں بھی ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ غربت مہنگائی اور بدامنی کی وجہ سے ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ شادی کے بعد الگ رہائش مہیا کرے ۔ اگر مشترکہ رہائش ہو تو ساس کو چاہیے کہ بہو کو بیٹی کا درجہ دے۔ بہو کے جذبات واحساسات کا خیال رکھے۔ اس کی غفلت کو نظرانداز کر دے۔ شادی کے بعد پیدا ہونے والی فطری تبدیلی کو قبول کرے۔ میاں بیوی کے معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ بہو کو چاہیے کہ وہ بھی سسرال کو میکے کی طرف عزت دے۔ ساس اور نندوں کو حریف نہیں خیال نہ کرے۔ خاموشی اور صبر کے ساتھ ان تکلیف دہ مراحل سے گزرنے کی کوشش کرے۔

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرے خواہ ایک دو کمروں پر مشتمل کوئی چھوٹا سا گھر ہی کیوں نہ ہو اپنے حالات اور استطاعت کے مطابق بیوی بچوں اور والدین کے واجبی اخراجات الگ الگ مہیا کرے۔ شادی کے بعد فطری طور پر بیوی بچوں سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ ماں باپ کو نظرانداز کر دیا جائے۔ شروع شروع میں ماں باپ اس تبدیلی کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے بیٹے کو خود شعور ہونا چاہیے کہ ماں باپ کو بھی وقت دیا جائے۔ رہائش مشترکہ ہو تو دن میں ایک آدھ مرتبہ ان کے پاس بیٹھ کر کھانا کھالے۔ گھر میں کھانے پینے کی کوئی اچھی چیز لائے تو والدین کی خدمت میں پہلے پیش کرے بیوی بچوں کو نئے کپڑے لا کر دے تو ماں باپ کو بھی نظرانداز نہ کرے۔ ماں باپ کے ہر اس مطالبے میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا پورا لحاظ رکھے جو شرعاً ناجائز نہ ہو۔

ماں باپ بڑھاپے میں خصوصی توجہ اور احسان کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت خود بھی کرے۔ سارا بوجھ بیوی پر ہی نہ ڈالے ۔ رہائش اگر مشترکہ ہو تو بیٹے کو گھر کے معاملات سے باخبر رہنا چاہیے۔ والدین کی مشاورت سے گھر کے کام کاج تقسیم کرنے چاہئیں۔ نہ بیوی کو کسی پر زیادتی کرنے دے اور نہ اس پر ظلم ہونے دے۔ نہایت حکمت ودانش سے قدم اٹھائے۔ شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو باپردہ

ماحول فراہم کرے اور اس کے دیوروں جیٹھوں کو اتنی ڈھیل نہ دے کہ وہ اس کی بیوی پر حاکم بن کر آرڈر جاری کرتے رہیں۔[1]

اسلام کا مطلوبہ مکان

پاکستان میں چونکہ اسلام کے مطلوبہ نظام کے تقاضے واضح نہیں ہیں اس لیے مکان کس نقشے سے بنایا جائے اس سلسلے میں بھی لوگوں کو کوئی فکر مندی نہیں ہے مکانوں کی تعمیر کا ایک لگا بندھا انداز ہے جو اکثر بیشتر ان قوموں کے طرز تعمیر کا چربہ ہوتا ہے جو مشترک خاندانی نظام کی دلدادہ اور اسی مناسبت سے مکان کی تعمیر کے اس نقشے کی قائل ہیں جو اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ معاون اور اس کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے والا ہے۔

پاکستان میں غربت، پسماندگی اور رہائش کا مسئلہ بھی حل طلب ہے، لیکن اس کے باوجود پاکستانی معاشرے میں بہر حال ایسے افراد کی کمی نہیں جو اسلام کا صحیح فہم اور اس کے تقاضوں کی صحیح واقفیت سے محروم ہونے کے باعث لمبے چوڑے مکان اور بڑی بڑی حویلیاں تعمیر کرتے ہیں، لیکن اسلام کے مطلوبہ خاندانی نقشے کے تقاضوں کی رعایت اس میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے تقاضے انسان کی نظر میں ہوں اور خدا اور رسول اور ان کے عطا کردہ دین سے وفاداری کو آدمی اپنی موروثی اقدار وروایات کے مقابلے میں قابل ترجیح قرار دے تو زندگی کی دوسری بہت سے تبدیلیوں کی طرح مکان کے نقشے میں بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ خاندانی ڈھانچے کے سلسلے میں اسلام کی اولیت اور اس کے تقاضوں کی ترجیح پیش نگاہ ہو تو اتنی ہی رقم میں نسبتاً سادہ اور کم فیشن کے بے شمار مکانات تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔ جن کی ہر یونٹ دوسرے سے الگ اور اپنے آپ میں خود کفیل ہو۔ اور جن میں دوسروں کی مداخلت سے آزاد ہو کر اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ علیحدہ مکان کے مختلف یونٹ بھی اس انداز سے بنائے جانے چاہیے کہ ان میں بھی حسب ضرورت خود کفیل یونٹ کی سہولت پیدا کرلی جائے۔ مکان کے مختلف حصے ایک دوسرے سے ملے بھی ہوں اور جب ضرورت ہو انہیں ایک دوسرے سے الگ بھی کر دیا جائے۔ اس صورت میں شوہر کے بوڑھے ماں باپ، اسی طرح اس کے دوسرے قابل خدمت اعزہ کی پرورش ونگہداشت کے مسئلہ کو بیوی کے الگ خود کفیل مکان کے حق کو مجروح کیے بغیر آسانی کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے۔[2]

المختصر اکثر پاکستانی مرد عورتوں کو اپنی حسب استطاعت رہائش مہیا کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور جو مسئلے مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں وہ بھی حل طلب ہیں ضرورت اس بات کی ہیں کہ ہم شریعت کے عمومی قوانین سے وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے روایتی انداز و نظریات کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

---

① هدية العروس : ص 320-332

② مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام: ص74

۴

بابِ چہارم

پاکستانی معاشرے میں
عورت کا معاشی کردار

1

فصلِ اوّل

معاشرے میں عورت کا حقیقی دائرہ کار

معاشرے میں عورت کا حقیقی دائرہ کار

انسان کی دونوں صنفوں کے جسمانی، نفسیاتی اور نامیاتی خصائص و افعال پر مفصل بحث اور جامع ترین سائنسی معلومات کے نتیجے میں یہ عمومی فیصلہ اخذ کیا گیا ہے کہ عورت کا دائرہ کار گھر کے اندر اور مرد کا دائرہ کار گھر سے باہر ہے۔ عورت کا یہ اولین اور بنیادی فرض ہے کہ وہ گھر بار چلائے۔ عورت کو قدرت نے ایسی صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بدولت وہ بچوں کی نگہداشت، نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لیے موزوں ترین ہے اس طرح نسل انسانی کا مستقبل عورتوں کے ہاتھ میں سونپ دیا گیا ہے۔ عورت کی کامل توجہ کا ارتکاز گھر پر مرکوز رہنا بہت ضروری ہے۔ نیز کوئی بھی دوسرا کام اس کے فرائض کی ادائیگی میں مخل نہ ہونا چاہیے۔ تاہم وہ عورتیں جن کے بچے نہ ہوں وہ اپنے زائد وقت کو ایسی متفرق سرگرمیوں میں وقف کر سکتی ہیں جو معاشرے میں مفید اور سودمند ثابت ہوں کسی بھی قسم کی معاشرتی ذمہ داریوں حتی کہ اجتماعی عبادات میں بھی عورتوں کو کبھی شدت سے راغب نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داری کی ادائیگی سے فرار پر مجبور ہو جائیں۔

عورت کو رزق کمانے کی فکر سے آزاد کیا گیا اس طرح اس کا مقام و مرتبہ بحال رکھا گیا ہے اگر اس پر رزق کمانے کا بوجھ ڈال دیا گیا تو نہ تو وہ گھر چلا سکے گی نہ اپنے لیے رزق کمانے کے قابل ہو سکے گی۔ فکر معاش سے آزادی اس لیے دی گئی تا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں میں کامل منہمک ہو سکے تاہم وہ اپنے مرکزی دائرہ عمل (گھر) کو کسی بھی اہم کام اور ذمہ داری کے لئے بوقت ضرورت چھوڑ سکتی ہے الغرض عورت پر بلاضرورت و حکمت گھر سے باہر نکلنے پر پابندی اس لیے لگائی گئی ہے کہ عورت وہ کام سنبھالے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے جس کی اس میں صلاحیتیں ہیں اور جس کا کوئی نعم البدل موجود نہیں ہے۔ دوسری طرف قیادت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں نہیں ہیں۔

مسائل کی اسی تقسیم کے پیش نظر اس کو گھر میں ٹکے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾[1]

اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔

اصل میں لفظ 'قرن' استعمال ہوا ہے، بعض اہل لغت نے اس کو "قرار" سے ماخوذ قرار دیا ہے، اور بعض نے "وقار" سے۔ اور اگر اس کو قرار سے لیا جائے تو معنی ہوں گے "ٹک کر رہو" اور اگر "وقار" لیا جائے تو مطلب ہو گا "سکون سے رہو"۔ دونوں صورتوں میں آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے، اس کو اس کے دائرے میں رہ کر اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دینے چاہیں۔[2]

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ سے ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ نے یوں تشریح کی ہے:

---

① سورة الأحزاب، 33 : 33

② تفهيم القرآن: 4 / 90

"وفيه الدلالة على أن النساء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج"[1]

کہ اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ عورتیں اپنے گھروں سے چمٹی رہنے پر مامور ہیں، اور ان کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی تمام سرگرمیاں اس کے اندر ہی محدود رکھنی چاہیں۔

عبداللہ جمال الدین آفندی فرماتے ہیں:

"المرأة عورة"[2]

کہ عورت نام ہے پردہ کا۔

"النساء عورة فاستروها بالبيوت"[3]

کہ عورتیں پردہ ہیں۔ ان کو گھروں کے اندر رکھو۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوُلِدَ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ»[4]

کہ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے، اور اس سے متعلق ان سے باز پرس ہو گی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[5]

کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور جواب دہ ہے۔

احمد محمد جمال فرماتے ہیں:

"فالرجل راع فى أهله ومسؤل عن رعيته والمرأة راعية في بيت زوجها وهي مسؤلها عن رعيتها"[6]

کہ مرد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس سے اس کی ذمہ داری اور نگرانی میں آئے ہوئے، لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، امیر اپنی رعیت کا چرواہا، مرد اپنے اہل وعیال کا رکھوالا اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگران وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔[7]

① احکام القرآن لابی بکر الجصاص:3 / 360، تدبر قرآن:5 / 223

② حجاب المرأة لعبد الله جمال الدين آفندى : ص 108

③ عيون الاخبار لابن قتيبه ، المجلدالرابع ، الجزء العاشر، كتاب النساء، باب سياسة النساء ومعاشرتهن : ص 78

④ صحيح البخاري : كتاب الأحكام ، باب قول الله تعالي أطيعو االله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، 7138

⑤ صحيح البخاري : كتاب الجمعة ، باب الجمعة في القري و المدن، 393

⑥ نساؤنا ونساؤهم لأحمد محمد جمال : ص 31

⑦ تفہیم القرآن : ص 6 / 31

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وبیوتہن خیر لھن"[1]

اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

عورت پر گھریلو ذمہ داری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ شریعت اس کو اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک ان کی پرورش اور نگہداشت کے لئے مردوں سے زیادہ اہل اور موزوں سمجھتی ہے۔ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس بیوی سے ان کا ایک بچہ تھا، اور وہ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، لیکن بچے کی ماں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے خلاف شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْتَ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِي»[2]

کہ تم ہی اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ نکاح ثانی نہ کرلو۔

اس ضمن میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيه دليل علي أن الأم أولى بالوالد من الأب ما لم يحصل مانع من ذلك بالنكاح...... مالم تنكحي وهو مجمع علي ذلك"[3]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اس بات کی کہ ماں باپ سے زیادہ بچے کی حق دار ہے، جب تک کہ کوئی حقیقی رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے، مثلاً ماں کا دوسرا نکاح کرلینا، ایسا مسئلہ ہے، جس پر اجماع ہے۔

عورت کو چونکہ گھریلو زندگی کی منتظم بنایا گیا ہے، لہٰذا اس کا فرض ہے کہ خوش اسلوبی اور سلیقہ سے گھر چلائے۔ گھر میں صفائی، ستھرائی، نظم ونسق برقرار رکھے، باپ، بھائی، شوہر، ان میں سے ہر ایک کے لباس وخوراک، آرام وآسائش کا خیال رکھے اور وہ تمام اہل خانہ کے لیے سرمایہ حیات وسکون بن جائے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ فرائض عورت ہی کے لئے مخصوص ہیں کہ وہ کھانے پینے اور لباس تیار کرنے کی خدمت انجام دے، شوہر کے مال کی حفاظت کرے، بچوں کی تربیت کرے، اور وہ تمام امور جن کا تعلق گھر اور گھر ہستی کے ساتھ ہے، ان کی انجام دہی کی کفیل ہو۔[4]

ہو۔[4]

---

① تفسیر القرآن العظیم : 3 / 482

② سنن ابوداؤد : کتاب الطلاق ، باب من أحق بالولد، 2276

③ نیل الأوطار ، کتاب النفقات ، باب من أحق بکفالۃ الطفل : 8 / 158

④ حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ، مترجم عبدالرحیم : ص 561

خانہ داری کو بعض خواتین عار سمجھتی ہیں، اور بعض خواتین کے نزدیک کھانا پکانا، سلائی کرنا تو مناسب کام ہیں لیکن جھاڑو لگانا اور برتن صاف کرنا وہ حقیر کام سمجھتی ہیں۔ لیکن ایسی خواتین کو علم ہونا چاہیے کہ خود جگر گوشہ رسول حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خانہ داری خود کرتی تھیں اور انتہائی مشقت کے کام خود سر انجام دیتی تھیں، گھر میں جھاڑو لگاتیں اور برتن بھی خود دھوتی تھیں۔

ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال ابن حبيب في (الواضحة) حكم النبي صلي الله عليه وسلم بين علي بن ابي طالب رضي الله عنه وبين زوجته فاطمة رضي الله عنها، حين اشتكيا إليه الخدمة فحكم علي فاطمة بخدمة الباطنة خدمة البيت، وحكم علي كرم الله وجهه، بالخدمة الظاهرة ثم قال ابن حبيب والخدمة الباطنة العجين، والطبخ والفرش وكنس البيت واستسقاء الماء وعمل البيت كله"[1]

ابن حبیب نے "واضحہ" میں لکھاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان یہ فیصلہ کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج کریں گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر کا۔ پھر ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں آٹا گوندنا، روٹی پکانا، بستر جھاڑنا، جھاڑو دینا اور پانی پلانا شامل تھے۔

گھریلو کاموں کو حقیر سمجھنا، بچوں کی پرورش کو نظر انداز کرنا اور باہر کے اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کو ترقی سمجھنا غلط انداز فکر ہے۔ اسلام نے کچھ حدود کے ساتھ اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کا حق ضرور دیا ہے، لیکن یہ حق نہیں دیا کہ اپنی فطری ذمہ داریوں کو حقیر سمجھیں، اور ان سے پیچھا چھڑانے اور باہر کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں اپنی ترقی سمجھیں، انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی دراصل یہ ہے کہ عورتیں، اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کر سکیں، اور اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہم عورتیں، بچوں کی پرورش کا حق ادا کریں اور اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کے انسان تیار کریں، اس لیے کہ پاکیزہ معاشرہ اچھے انسانوں ہی سے بنتا ہے۔ یہ کام عورتوں کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا، اچھے انسان اچھی گودوں ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔

اسلام نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ تیار کیا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظام سے ہو یا معاشرتی آداب سے، اقتصادی قوانین سے ہو یا اصول تہذیب سے، اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس حیثیت کو مجروح ہونے نہیں دیا ہے۔

دین میں عبادات کی اہمیت سے ہر بندہ واقف ہے حقیقت میں یہ روح دین اور جان شریعت ہیں۔

لیکن شریعت کی نگاہ میں اجتماعی عبادات میں عورت کی شرکت سے زیادہ اس بات کی اہمیت ہے کہ وہ اپنے محاذ پر جمی رہے۔ اس کا کسی اجتماعی پروگرام سے الگ رہنا معاشرہ کے لئے اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں ہے جتنا کہ اس کا اُپنے مرکز کو چھوڑنا ضرر رساں ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرد اگر بلا وجہ نماز کو چھوڑتا ہے تو اس کو انتہائی زجر و توبیخ کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عورت کو مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے مکان کے کسی گوشے ہی کو اپنی عبادت گاہ بنائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

(1) زادالمعاد في هدي خير العباد لابن قيم الجوزية ، في حكم فصل النبي في خدمة المرأة لزوجها : 5 / 186

«خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ»[1]

کہ عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

مشہور صحابی ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھا کروں، آپ کی کیا رائے ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، مجھے یقین ہے کہ واقعۃ تمہاری یہی خواہش ہے، لیکن جان لو! اپنے مکان کی کسی تنگ کوٹھڑی میں نماز پڑھنا تمہارے لیے کشادہ کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، تمہاری جو نماز کمرہ میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اولی ہے اور وسط مکان میں پڑھی جانے والی نماز افضل ہے اس نماز سے جو تم اپنے محلہ کی کسی مسجد میں ادا کرو، اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلہ کی مسجد میں ادا ہوتی ہے وہ تمہارے حق میں میری مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔

جمعہ کی نماز کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوْ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ»[2]

طارق بن شہاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے، غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

اسلام کی نظر میں عورت کا گھر میں رہ کر اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینا عمل جہاد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«جِهَادُ الْمَرْأَةِ حُسْنُ التَّبَعُّلِ لِزَوْجِهَا»[3]

کہ بیویوں کا جہاد شوہروں کی خدمت ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

«مَنْ قَعَدَتْ مِنْكُنَّ فِي بَيْتِهَا فَإِنَّهَا تُدْرِكُ عَمَلَ المجَاهِدِيْنَ»[4]

اور جو تم سے گھر میں بیٹھے گی، وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی۔

ارشاد نبوی ہے:

«عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُ كُنَّ»[5]

---

① مسند أحمد : كتاب باقي مسند الأنصار ، باب حديث امر سلمة زوج النبي، 26584

② سنن ابوداؤد : كتاب الصلوة ، باب الجمة للمملوك والمرأة، 1067

③ خاتون اسلام کا دستور حیات: ص 105

④ تفہیم القرآن : 4 / 90

⑤ كتاب عيون الأخبار : كتاب النساء ، باب سياسة النساء ومعاشرتهن، 7814

کہ گھروں کی دیکھ بھال تمہاری ذمہ داری ہے، یہی تمہارا راہ عمل جہاد ہے۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا:

اللہ تعالی نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے اگر وہ فتح یاب ہوتے ہیں تو غنیمت پاتے ہیں اور اگر شہید ہوتے ہیں تو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، جہاں ان کو روزی ملتی ہے، پس ہمارا کونسا عمل ان کے اس عمل کے برابر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«طَاعَةُ أَزْوَاجِهِنَّ وَالمَعْرِفَةُ بِحُقُوقِهِنَّ»(1)

کہ اپنے شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کا پہچاننا۔

عورت کی اصل پوزیشن کو باقی رکھنے کے لئے معاشی تگ و دو سے بھی اس کو نجات دی گئی ہے اس پر کسی اور کے کیا معنی، خود اس کا اپنا معاشی بار بھی نہیں ڈالا گیا تاکہ اسے اپنا یا دوسروں کا پیٹ بھرنے کے لئے گھر کی حدود کو نہ توڑنا پڑے۔ اگر کسی بڑی مصلحت کے تحت اس کو گھر چھوڑنے کی اجازت بھی دی گئی ہے تو اس کے ساتھ ایسی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں جو ہر آن اس کے اندر یہ احساس تازہ رکھتی ہیں کہ اس کا حقیقی مقام وہی ہے جہاں سے وہ چلی تھی۔ گھر سے باہر نکلنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حدود و نسوانیت سے بھی باہر ہو چکی ہے۔

جب معاش کی دوڑ دھوپ اور ضروریات کی فراہمی کی ذمہ داری اللہ تعالی نے مرد پر ڈالی تو اس مناسبت سے اس کے اندر شجاعت دلیری، استقلال اور پامردی جیسی صفات رکھ دیں۔ اب اگر مرد عورت کو فرائض منزلی کے ساتھ تمدن وسیاست کے انتظام وانصرام کا بھی ذمہ دار قرار دے تو یہ عورت کے ساتھ زیادتی ہے۔ بیرون خانہ معاملات میں، تمدن کے دوسرے مشاغل میں مرد منہمک رہتا ہے- محنت مشقت، ذہنی کوفت اور پریشانی، رنج و غم، سود و زیاں کے مختلف مراحل سے روزانہ گزرتا ہے، جس طرح دن کی محنت و مشقت کے بعد تھکن پیدا ہوتی ہے، اور آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے، جس کے لئے اللہ تعالی نے رات کو پیدا کیا ہے، تاکہ صبح پھر تازہ دم محنت پر آمادہ ہو، اسی طرح ذہنی اضمحلال بھی طاری ہوتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالی نے بیوی بچے اور گھر کا ماحول بنایا ہے۔ یہاں شب باشی کر کے مرد کا ذہن تر و تازہ ہو جاتا ہے، یہ راحت رسانی اور سکون فراہمی بھی شریف عورت کا کام ہے۔

فرید وجدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فطرت نے عورت کو خانہ داری کے کاموں اور اپنی اولاد کی پرورش کے لئے پیدا کیا ہے، اور وہ عمل ولادت اور رضاعت کے ایسے سخت طبعی عارضوں میں مبتلا ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کاموں کو نہیں کر سکتی، جو مرد کر سکتے ہیں، سوسائٹی کی جو بہترین خدمت عورت ادا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت بیاہی جائے، بچے جنے اور اپنی اولاد کی تربیت کرے، یہ ایک ایسا بدیہی قضیہ ہے کہ جس کے ثابت کرنے کے واسطے کسی طویل بحث کی حاجت نہیں ہے۔ (2)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

عورت کا اصلی میدان عمل اس کا گھر ہے، نہ کہ باہر، اس لیے بغیر کسی حقیقی ضرورت کے، اس کا غیر متعلق کاموں میں شرکت

---

① الترغیب والترھیب: 3 / 336

② المرأة المسلمة از فرید وجدی، مترجم ابوالکلام آزاد، مسلمان عورت: ص 80

کے لئے نکلنا یا سیر سپاٹے، تفریح، تماشہ بینی اور پکنک کے لیے جانا اپنے حسن و جمال اور بناؤ سنگار کی نمائش کرتے پھرنا ناجائز ہے۔ [1]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اولاً: عورت کے اعضاء و اعصاب اور رگ وریشہ پر نسوانیت کے اور مرد کے اعضاء و اعصاب پر مردانگی کے نقوش مرتسم کر دیئے گئے ہیں۔

ثانیاً: ان کے اعضاء، اعصاب کی تربیت اس انداز سے کی گئی ہے، ایک ہی نوع کی چیزیں مختلف مقامات پر رکھ دینے سے مختلف فرائض سرانجام دے سکیں۔ [2]

اسلام کا اعجاز و کمال یہی ہے کہ وہ عورت کو عورت کے مقام پر رکھ کر اور اس سے اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق کام لے کر اسے عزت و توقیر اور احترام و تکریم کا حق دار بناتا ہے بخلاف اس کے کہ تہذیب مغرب عورت کو اس کے فطری دائرہ کار سے اکھاڑ کر اسے مردوں کے دائرہ عمل میں لاتی ہے اور پھر اسے مصنوعی مرد بنا کر اس سے وہ کام لیتی ہے جو مردوں کی فطرت سے تو میل کھاتا ہے مگر خواتین کی فطرت سے نامانوس ہوتا ہے۔

اللہ تعالی نے عورت کو ایسی منفرد خصوصیات اور مخصوص صلاحیتوں سے نوازا ہے جنہیں اگر اس کے وظیفہ حیات کی مناسبت سے اور اس کے مقصد زندگی کی روشنی میں دیکھا جائے تو عقل یہ باور کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ مرد کے میدان عمل سے عورت کا دائرہ الگ اور متغائر ہی ہونا چاہیے۔ نسل انسانی کی بقاء و تسلسل کی ذمہ داری کا غالب حصہ عورت ہی پر منحصر ہے تمدن کے لئے صرف ایک کارکن کی فراہمی کے لئے عورت اپنی فطری ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے چار مراحل سے گزرتی ہے:

حیات نسواں کے مراحل اربعہ

1. حمل 2. وضع حمل 3. رضاعت 4. پرورش تربیت

ان میں سے ہر مرحلہ عورت کی زندگی کا اہم اور دشوار گزار زمانہ ہوتا ہے۔ اول الذکر تین مراحل تو ایسے ہیں کہ ان میں عورت، صحت کی نسبت بیماری سے قریب تر ہوتی ہے۔

بلکہ فی الواقعہ وہ ایک قسم کی مریض ہی ہوتی ہے جس میں حفظان صحت کے لئے علاج معالجہ کی محتاج ہوتی ہے اس عرصے میں اس کی دانستہ یا نادانستہ معمولی سی بے احتیاطی بھی اس کی اور اس کے پیٹ یا گود میں پلنے والے بچے کی زندگی کو معرض خطرہ میں ڈال سکتی ہے۔

فرید وجدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نوع انسانی کی تربیت کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عورت کے ذمہ قدرت نے ایک ایسا اہم فریضہ عائد کیا ہے، جس سے مرد کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ نسل انسانی کو جنم دینے، اس کے پالنے اور پروان چڑھانے کے لئے عورتوں کو سلسلہ وار جن مراحل سے

---

① پاکستانی عورت دوراہے پر از مولانا امین احسن اصلاحی: ص 86

② حجۃ اللہ البالغہ: 1 / 273

گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک مرحلہ عورت کے لئے سخت اور دشوار گزار ہوتا ہے۔[1]

عالم نسواں کے بارے میں اس کی جسمانی ساخت پکار پکار کر کہتی ہیں، کہ اسے کے فرائض کا دائرہ کار مرد سے قدرے مختلف ہے۔ اس کے مقدر میں ماں ہونا لکھا ہے اس امومت کے شرف سے بہرہ مند ہونا ہے، اسے اپنی آغوش میں مسیحا و افلاطون کی پرورش کرنا ہے، اس کی تخلیق کی علت نمائی، انسان سازی اور انسان آفرینی ہے، اور یہ وہ شرف ہے، جس کے آگے ہر شرف ہیچ ہے۔[2]

اقبال رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے:

وجود زن سے ہے، تصویر کائنات میں رنگ
اس کے ساز سے ہے، زندگی کا سوزدروں
وجود زن سے ہے، تصویر کائنات میں رنگ
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے، اس درج کا درمکنوں
مکالمات افلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اس کے شعلہ سے ٹوٹا شرار افلاطون[3]

عورت کی مخصوص قوتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں عاصم نعمانی لکھتے ہیں کہ

> مرد اور عورت کی تولیدی ایک دوسرے سے مختلف بنائے گئے ہیں اس لیے قدرت دنوں سے الگ الگ کام لینا چاہتی ہے۔ مرد بیج بونے والا اور عورت اپنے خون جگر سے کھیتی کو سینچنے والی ہے، استقرار حمل کے ساتھ ہی رحم مادر میں بچہ اپنی ماں کے ذریعے غذا حاصل کرتا ہے گویا عورت اپنی توانائیوں کا ایک حصہ اس کام میں صرف کرنے پر طبعا مجبور ہے۔ ولادت کے بعد زمانہ رضاعت میں، جو خون عورت کے جسم قوت و توانائی کا ضامن ہوتا ہے، وہ دودھ میں مشکل ہو کر جدید نسل کی پرورش کا کفیل بنتا ہے مختصر یہ کہ آنے والی نسلوں کی پیدائش اور پرورش کی پوری ذمہ داری عورت پر ڈال دی گئی اور اسے عورت کی فطرت اور جسمانی ساخت کا جزو بنا دیا۔[4]

حقیقت یہ ہے کہ عورت، مرد سے تقریبا ہر پہلو سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ فطرت نے اسے نسل انسانی کی بقاء و افزائش کے لئے پیدا کیا ہے اس کی فطری ذمہ داریاں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ اسے مردوں کی ہنگامہ خیز، پر مشقت، قوت طلب اور جانگسل جدوجہد سے دور رکھا جائے اور اس کے لئے ایسا حصار عافیت مخصوص کر دیا جائے جہاں وہ سکون و اطمینان سے اپنے مفوضہ فطری وظائف کی بجا آوری کر سکے۔ نسوانی فطرت کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ثقافت، کلچر اور آرٹ کا تقاضا یہ نہیں بنتا کہ اسے مصنوعی مرد بنا کر اس میں مردانہ خصوصیات ابھاری جائیں بلکہ یہ بنتا ہے کہ اس کی نسوانی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ان سے تمدن کے لئے مفید خدمت لی جائے۔"

---

① مسلمان عورت: ص 20
② اساسیات اسلام از مولانا حنیف ندوی: ص 158
③ ضرب کلیم از علامہ اقبال، عنوان عورت: ص 92
④ اسلام میں خواتین کا کردار از عاصم نعمانی: ص 9،8

آزادی نسواں" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواتین کو ان کی فطری ذمہ داریوں سے آزاد کر کے انہیں بیرون در کر دیا جائے اور ان پر مردانہ فرائض وواجبات کا بوجھ لاد دیا جائے بلکہ اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں اسے بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہونے کی حیثیت سے اسے ان کاموں کی آزادی ہو جو اس کی نسوانی فطرت سے ہم آہنگ ہوں۔خواتین کے لئے "معیار عزت" یہ نہیں ہے کہ وہ بتکلف مردمؤنث بن کر وہ کام کریں جن کی انجام دہی صرف مرد ہی کر سکتے ہیں بلکہ ان کے لئے معیار شرف و کرامت یہ ہے کہ وہ عورت کے فطری مقام پر برقرار رہتے ہوئے اپنے فطری وظائف کی بجا آوری کریں۔ ترقی اس چیز کا نام نہیں ہے کہ ملکی پیداوار بڑھانے کی خاطر عورتوں کو کارخانوں اور کھیتوں میں دھکیل کر پیداواری ہاتھوں میں اضافہ کر دیا جائے۔بلکہ اس کا نام ہے کہ عورتیں گھروں میں وقار سے رہتی ہوئی ان کارکنوں کو جنم دیں جن کی قوت بازو منجمد مشینوں میں حرکت اور ویران ریگستانوں میں سبزی و شادابی پیدا کرتی ہے۔نسوانی اوصاف کے نشوو ارتقاء کا میدان رقص گاہیں، تھیٹر، کلچرل شو، فلمی صنعتیں اور مردانہ کارگاہیں نہیں ہیں بلکہ حصار خانہ کی وہ فضا ہے جس میں وہ اپنے بچوں کو صحیح تربیت دے کر ملک وملت کا جاں نثار خادم بنائیں۔

الغرض عورتوں کو فطرت نے جن خصوصیات سے نوازا ہے اور جو وظائف واجبات ان کے سپرد کیے ہیں ان کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ ان کا دائرہ عمل مردوں کے میدان عمل سے الگ ہو اور یہ دائرہ عمل حدود خانہ پر مشتمل ہے جیسا کہ محترم عثمانی صاحب کے درج ذیل اقتباس سے واضح ہے۔

> مردوں کا دائرہ عمل گھر سے باہر ہے اور عورتوں کا دائرہ عمل گھر کے اندر ہے۔عورتوں کو اولاد پیدا کرنا۔انہیں پالنا پوسنا، پروان چڑھانا اور امور خانہ داری سے نمٹنا ہوتا ہے مردوں کو اکتساب رزق کے لئے جدوجہد کرنا، گھر کی اور خاندان کی حفاظت کرنا، ضرورت پڑے تو ملک اور قوم کی حفاظت کرنا اور مسلح جدوجہد میں حصہ لینا ہوتا ہے، چونکہ مردوں اور عورتوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔اس لیے دونوں کی صلاحیتوں میں بھی فرق ہے۔ مردوں کو قوت و صلابت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انہیں جگر پاش محنت و مشقت سے سابقہ پڑتا ہے اور عورتوں کو نرمی، نزاکت، لچک، رحمدلی اور شفقت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انہیں بچوں کی پرورش، نگہداشت اور ان کی تیمارداری کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے دونوں کے دائرہ کار کے مطابق صلاحیتوں میں بھی قدرت نے فرق رکھا ہے۔[1]

تربیت کے نقطہ نظر سے بھی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہے ماں بچے کی حقیقی معلم ہوتی ہے۔

احمد محمد جمال فرماتے ہیں:

"خير متاع الدنيا لزوجها وأفضل معلمة لو لدها واو في راعية لشرف بيتها"[2]

کہ شوہر کے لیے بیوی دنیا کی بہترین متاع ہے۔اس کے بچوں کی معلمہ ہے اور اس کے گھر کو سنبھالنے والی ہے۔

ایک مسلمان خاتون کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے، کہ اللہ تعالی نے آئندہ نسل کے لئے یہ چند افراد مجھے سونپ کر ایک عظیم ذمہ داری میرے سپرد کی ہے، اور اب میرا اولین فرض یہ ہے کہ خدا کی اس امانت کو خدا کی رضا کے لئے، اس کی راہ میں تمام

---

① فقہ القرآن:3 / 52

② نساؤنا ونساؤهم : ص 16

زندگی وقف کر دینے کے لیے تیار کروں، بچوں کی تربیت کے اس فریضہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ماں خود بھی دین پر عمل پیرا ہو، فرض شناس اور شعور کے ساتھ زندگی گزارنے اور اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کا نمونہ بن کر دکھائے، اپنے بچوں کے ذہن ودل کو بچپن سے ہی خدا پرستی اور نیکی کی طرف مائل کرے۔ گھر میں اپنے علم و عمل کی روشنی میں ایسے ماحول کی تشکیل کرے، جس میں پلنے والے بچے، بہترین دینی اخلاقی، فضائل و اوصاف کے حامل ہوں، اور خدا پرستی، پرہیز گاری، شجاعت، سخاوت، رحمت و وفا اور سنجیدگی کے مرقع ہوں، جہالت سے دور اور علم و عمل سے مزین ہوں، جیسے صحابیات اپنے بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ خود بھی ان کو اسلامی سیرت و کردار کی مثال بن کر دکھاتی تھیں۔[1]

وہ اپنے بچوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں لاتیں، ان کے لئے دعائیں کرواتیں، ان کے اچھے اچھے نام رکھتیں اور ان کو دین کی تعلیم دیتیں، ان کے اندر جہاد میں شہادت پانے کا جذبہ ابھارتیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوْا أَدَبَهُمْ»[2]

کہ اپنی اولاد کا خیال رکھو، اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ۔

اس حدیث کے تحت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ماؤں کی گود بچہ کا ابتدائی مکتب ہے۔ اگر مکتب میں اس کی بہترین تربیت ہوئی، تو آخر تک اس طرح تعلیم و تربیت ہوتی رہے گی، اور اگر خدانخواستہ شروع ہی میں تربیت نہ ہوئی تو بہت مشکل ہو گی کہ پھر آئندہ اس کی اصلاح ہو سکے۔[3]

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ایک بیوہ صحابیہ تھیں، حضور ﷺ نے ان کے ہاں کہلا بھیجا تو اس ضمن میں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے خدا کے رسول ﷺ میرے ماں، باپ قربان ہوں، اب میری عمر کافی گزر چکی ہے، اور دوسرے یہ کہ میرے کئی بچے ہیں، جن کی خدمت و تربیت میری سب سے بڑی ذمہ داری ہے، ان کی دیکھ بھال اور اچھی پرورش کا تقاضا یہ ہے کہ میں ہر طرف سے یکسو ہو کر اس ذمہ داری کو ادا کروں اور اس میں کوتاہی نہ کروں۔[4]

یہ جواب سن کر حضور ﷺ نے قریشی عورتوں کی تعریف کی اور فرمایا:

« نِسَاءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى طِفْلٍ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ»[5]

کہ اونٹ پر بیٹھنے والی عورتوں میں سب سے اچھی قریش کی عورتیں ہیں، اپنے یتیم بچے سے انتہائی محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال و اسباب کی پوری طرح حفاظت کرتی ہیں، جو شوہر نے اس کے تصرف میں دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ صالح بیوی کی ایک صفت یہ بیان کرتے ہیں:

---

① خواتین اور دعوت دین از اسعد گیلانی: ص 12

② سنن ابن ماجة : كتاب الأدب ، باب برالوالدوالإحسان إلي البنات، 3671

③ احیائے علوم الدین از امام غزالی: 2 / 217

④ الطبقات الكبر ى: 8 / 153 ، خطب رسول الله ام هاني بنت أبي طالب فقالت يا رسول الله انى موتمة وبنى صغار قال فلما أدرك بنوها عرضت نفسها عليه

⑤ صحيح البخاري : كتاب النفقات ، باب حفظ المرأة زوجها في ذات يده، 3434

«وَ إِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ»[1]

اگر شوہر اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائے، تو وہ اپنے نفس (عصمت) اور اس کے مال کے معاملہ میں اس کی ساتھ خیر خواہی کرتی ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا انفقت المرأة من طعام زوجها غير مفسدة كان لها أجرها بما أنفقت ولزوجها أجره بما كسب"[2]

جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرتی ہے، غلط طریقہ پر نہیں بلکہ جائز حدود میں تو اس کو اس خرچ کا اجر ملتا ہے، اور شوہر کو اس کے کمانے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایک سلیقہ شعار بیوی کو انتظام خانہ داری میں بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ اسے چاہیے کہ خاوند کے مال میں بے اعتدالی سے خرچ نہ کرے، گھر کی چیزوں کی حفاظت کرے، جہاں تک ہو سکے، گھر کا کام اور خاوند کے لئے کھانا وغیرہ خود تیار کرے، اگر خاوند مفلس ہو اور اس محدود آمدنی سے گھر کا انتظام اور بچوں کی دیکھ بھال نہ ہو سکتی ہو تو اس وقت بیوی کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔ وہ چھوٹی موٹی تجارتی اور مفید صنعتیں اختیار کر کے اپنی تنگی وافلاس کو دور کر سکتی ہے۔

بہترین مسلمان بیویوں کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین پر ایمان رکھتی ہوں، اور عملاً اپنے اخلاق وعادات فضائل اور برتاؤ میں اللہ کے دین کی پیروی کرنے والی ہوں۔[3]

ایسی عورت جو طرح دار ہو، خوش اخلاق ہو، خوش گفتار ہو، نسوانی جذبات سے لبریز ہو، اپنے شوہر کو دل وجان سے چاہتی ہو، اور اس کا شوہر اس کا عاشق ہو۔[4]

بحیثیت ایک بیوی کے نیک عورت کی معیت ورفاقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں

«إِنَّ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»[5]

ڈاکٹر ملک حسین اختر اپنی کتاب ' تعلیم کا فن ' میں فرماتے ہیں:

بچوں کی اصل تربیت گاہ ان کا اپنا گھر ہے، گھر میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ان پر بہت اثر انداز ہوتا ہے، اور گھر کا ماحول خراب ہو جائے، تو بچے کی نفسیاتی زندگی میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ ایک متوازن انسان بننے کے قابل نہیں رہتا، مغرب میں جہاں مادرانہ اور پدرانہ فرائض میں بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، اب اس بات کی شدت محسوس کیا جا رہا ہے کہ ایک اچھا گھر ہی اچھے بچے پیدا کرتا

---

① سنن ابن ماجة : كتاب النكاح ، باب افضل النساء، 1857

② نيل الأوطار : باب ما جاء فى مصرف المرأة في مالها ومال زوجها، 7 / 140

③ تفهيم القرآن : 6 / 28

④ تفهيم القرآن : 5 / 283

⑤ سنن النسائي : كتاب النكاح ، باب المرأة الصالحة، 3232

ہے۔[1]

بیوی جو گھر میں ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے، اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے دست بردار ہو کر دفتر یا کارخانوں یا دوسرے سیاسی و معاشی جھمیلوں میں پڑ جائے، تو گھر میں اس کا اقتدار صرف مالک کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں کہلانے سے قائم نہیں رہ سکتا، یہ حیوانی رابطہ اس روحانی، اخلاقی اور مادی سلطنت کے قیام کے لئے کافی نہیں، جس کو گھر کہتے ہیں۔

مریم جمیلہ 'مسلمان عورت' کے مخصوص فرائض کی وضاحت اپنی کتاب (The Islam theory and practice) میں یوں لکھتی ہیں:

> In Islam the role the women is not the ballot box but maintainance of home and family. Her Success as a person is judged according to her fidelity to her husband and the rearing of worthy children. Purdah is indispensable means to this end, while men are actors on the stage of history. The function of the women is to be their helpers concealed from public gaze behind the scenes.[2]

اسلام میں عورت کا مقام بند صندوق نہیں ہے بلکہ گھر اور خاندان کو سنبھالنا ایک انسان کی حیثیت سے اس کی کامیابی اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار اور اپنی اولاد کی نگہداشت کرنے والی ہے۔ اس مقصد کے لئے پردہ ناگزیر ہے۔ مرد تاریخ کے سٹیج پر اداکار ہیں اور عورتیں ان کی معاون ہیں جو سین کے پیچھے عام لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہتی ہیں۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پرورش گاہوں میں تربیت یافتہ نسل شاذ منحرف ناقص انسانیت کی حامل ہے۔ تربیت گاہوں میں جو عورتیں ماں بنتی ہیں وہ جذبہ مادری سے محروم ہوتی ہیں، پھر بچوں کو تربیت گاہوں میں بھیجنے کے لئے انتہائی احمقانہ اور مجنونانہ حرکت کی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ ماں ملازمت کرتی ہے، تا کہ بچہ کی تربیت کرنے والی آیا کی تنخواہ دے سکے اور نتیجہ یہ کہ بچہ حقیقی ماں سے محروم اور آیا جذبہ سے مادری سے محروم۔[3]

تہذیب و تمدن سے ناآشنا بچے نوکروں کے ہاتھوں پلنے والے جب گھر سے باہر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں، تو وہ معاشرتی برائیوں کو جلد قبول کر لیتے ہیں، اور یہ بچے سینماؤں، شراب گاہوں اور کلبوں میں جانا شروع کر دیتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں، رات کو کورس اور مذہبی کتابیں پڑھنے کی بجائے، گندے لٹریچر اور فحش ناول پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے خدا اور رسول اور والدین کی نافرمان ہو جاتے ہیں، لہٰذا اگر عورت گھر سے باہر نکلتی ہے، تو انسان سازی کے اس عظیم منصب سے دستبردار ہو جاتی ہے، جس کے لئے فطرت نے اسے اس دنیا میں بھیجا ہے، لہٰذا اس مقصد کے لئے اپنے چلن سے عفاف و پاکیزگی، سوز و وقار اور گھریلو زندگی کی شادمانیوں کی بہترین ضامن ہو، جو اس کی ذات کا جزو اور اصل جوہر ہیں، جس سے تہذیب انسانی کے کردار کی تشکیل کر سکیں۔

---

① تعلیم کا فن از ڈاکٹر ملک حسن اختر: ص 42

② Islam the theory and practies by Marryam Jamila, P.86, Lahore 1967

③ النظور والثبات في حيات البشرية از محمد قطب، مترجم ساجد الرحمن صدیقی، انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء: ص 264

لہٰذا عورت کی پاکیزگی سے خاندان میں شرافت، اور رحم و محبت کے جذبات جنم لیتے ہیں، وہ ایک رفیق حیات کی حیثیت سے وفاداریوں اور جانثاریوں کا پیکر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان کی ساری رفعتیں اسی کے دم سے ہیں، اور گھر میں اس کی غیر موجودگی سے خلاء پیدا ہوتا ہے، جو کسی طرح بھی پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مائیں رات کو سوتے وقت اپنے بچوں کو پیغمبروں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس طرح بچوں کے دماغ پر ان کے کارناموں کا اثر رہتا تھا، اور بچے بھی ان کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیتے تھے۔ در اصل یہ ماں ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ بچے کو بد اخلاق بنائے، یا خدا پرست۔

مگر آج جو عورت کی آزادی کے بارے میں یورپ کی مثال ہمارے سامنے ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح عورت کو تمام سرگرمیوں میں مرد کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ اور عورت کو اس طرح گھر سے باہر لے آنے کے باوجود وہ لوگ تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں، مگر جب عورت کی آزادی کے بارے میں ہم یورپین مصنفین کی رائے کا مطالعہ کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر لانے کے بعد جو خاندانی انتشار پیدا ہوا ہے، اس کی بناء پر وہ اپنی حالت کو خطرے میں محسوس کرتے ہیں۔ کتاب 'مسلمان عورت' کے مصنف یورپ کے سربر آوردہ مصنف ژول سیماں کا بیان نقل کرتے ہیں کہ:

> جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے، اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیط کا فرض انجام دیتی ہے، مگر افسوس کہ وہ عورت نہیں رہتی۔ [1]

صنعتی انقلاب کی وجہ سے یورپ میں باپوں کے لئے اولاد شوہروں کے لئے بیویوں تک کی پرورش ناقابل برداشت بار بن گئی، ہر شخص مجبور ہو گیا کہ اپنی آمدنی کو صرف اپنی ذات پر خرچ کرے، اور دوسرے حصہ داروں کی تعداد جہاں تک ممکن ہو، گھٹائے۔

ان حالات میں عورتوں کو مجبوراً اپنی کفالت آپ کرنا اور خاندان کے کمانے والے افراد میں شامل ہونا پڑا۔ معاشرت کی قدیم اور فطری تقسیم عمل جس کی رو سے مرد کا کام کمانا، اور عورت کا کام گھر کا کام کرنا تھا، باطل ہو گئی اور عورتیں کارخانوں میں، دفتروں، میں خدمت کرنے کے لئے پہنچ گئیں، اور جب کسب معیشت کا بار ان کو سنبھالنا پڑا تو ان کے لئے مشکل ہو گیا کہ افزائش نسل اور پرورش اطفال کی اس خدمت کو بھی ساتھ ساتھ ادا کر سکیں، جو فطرت نے ان کے سپرد کی تھی۔ ایک عورت جس کو اپنی ضروریات فراہم کرنے یا گھر کے مشترکہ بجٹ میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے روزانہ کام کرنا ضروری ہو، کس طرح اس بات پر آمادہ ہو سکتی ہے کہ وہ اس حالت میں بھی بچے پیدا کرے، الغرض ان اسباب سے عورت اپنی فطری خدمت سے اعراض کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور پیٹ کی ضروریات اس کے ان جذبات کو مسترد کر دیتی ہیں، جو فطرت نے ماں بننے کے لئے اس کے سینے میں ودیعت کیے ہیں۔ [2]

اس پر شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> تمام امور معاش میں وہ مرد کی نسبت کمتر درجہ رکھتی ہے، محنت اور مشقت کے کاموں میں جن میں طاقت صرف کرنا پڑتی ہے،

---

① مسلمان عورت: ص 32

② اسلام اور ضبط ولادت از ابوالاعلیٰ مودودی: ص 17 ، 18

بالطبع وہ جی چراتی ہے۔[1]

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی اس اصل سے انحراف کیا گیا اور عورت کو اس کے فطری میدان کار سے اکھاڑ کر مردوں کے دائرہ عمل میں دھکیلا گیا تو تمدن، فساد کا نشانہ بن گیا اور بالآخر زوال انحطاط کا شکار ہوا ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وضاحت محترم عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> عورت کا گھر کی چار دیواری کو چھوڑنا عموماً دو وجوہ سے زوال کا سبب بنتا ہے، ایک تو یہ کہ زندگی کا بہت بڑا حصہ معطل ہو جاتا ہے اور اس کے بے شمار مسائل لاینحل رہ جاتے ہیں کیونکہ ان مسائل کو عورت ہی کا ناخن تدبیر حل کر سکتا ہے لیکن عورت جب مردانہ مسائل میں حصہ لینے لگتی ہے تو اس کے گھریلو مسائل لاینحل رہ جاتے ہیں عورت کو انہیں حل کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا، وہ بھی انسان ہے اس کی صلاحیتیں لامحدود نہیں ہیں، کہ وہ اپنے فرائض بخیر وخوبی ادا کرنے کے بعد بھی اس قابل رہ جائے کہ وہ مردوں کے حصے کے فرائض بھی انجام دے۔ جب وہ بیرون خانہ مسائل کی طرف رجوع کرتی ہے تو اندرون خانہ مسائل سے اغماض بھی برتنا ہی پڑتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مردوں کے قواعد عملیہ میں اضمحلال پیدا ہو جانا فطری تقاضا ہے کیونکہ جب کسی کو اپنے مسائل میں سہارا دینے والی کوئی ہستی میسر آجاتی ہے تو اسے یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ سارا کام مجھے ہی سرانجام دینا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں میرے کام کو بنانے والا بھی کوئی ہے اور اس یقین کی وجہ سے اس کے قواعد عملیہ کا سست پڑ جانا لازمی ہے۔[2]

ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جو خواتین بیٹھ کر امور خانہ داری نبھا رہی ہیں وہ معیشت کے لیے عضو معطل نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے حصے کا کام انجام دے رہی ہیں، اگر وہ اپنے حصے کا کام نہ کریں، یا ٹھیک نہ کریں تو معاشرے میں انتشار ہوگا۔ سوسائٹی کو بہتر افراد نہیں مل پائیں گے۔ اور یقیناً صنعتی کارکن کیلئے جن صلاحیتوں اور قوتوں کی ضرورت ہے وہ بھی پوری نہیں ہوں گی۔

یورپ کی اس موجودہ آزادی سے متاثر ہو کر جو عورتیں مردوں کے مشاغل میں شریک ہو گئی ہیں، جب اپنی کفالت کے لئے کام پر نکل پڑیں، کیونکہ کوئی ان کی کفالت کرنے والا نہ تھا، پھر عورت کو اپنے حقوق سے دستبردار ہونا پڑا، کیونکہ اخلاق مرد سے کام حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھا، یہ حیوان مرد ایک لقمہ خوراک دے کر اس سے اس کی عزت کا مطالبہ کر رہا تھا بالآخر عورت نے فتنہ انگیزی کی اشاعت اور مرد کو لبھانا شروع کر دیا، جس سے مغربی زندگی ایک بہت بڑی فحاشی میں بدل گئی۔[3]

یہی وجہ ہے کہ اکثر شادیاں طلاق پر منتج ہو جاتی ہیں، اور ایک رپورٹ کے مطابق[4] (Two marriages one divorce for every) (ہر دو میں سے ایک شادی طلاق پر ختم ہو جاتی ہے۔)

طلاقوں کی وجہ سے نہ صرف گھر تباہ ہوتا ہے، بلکہ عورت اور مرد کا ذہنی سکون بھی ختم ہو جاتا ہے، مطلقہ عورتیں ایک مشکل کا شکار ہو جاتی ہیں "Garoline Bird" کہتا ہے:

---

① حجة الله البالغة : 1 / 273

② فقہ القرآن: ص 3 / 63،62

③ انسانی زندگی میں جمود وارتقاء از ساجد الرحمن صدیقی: ص 232،231

④ What women want by Caroline Brid ,P.128

"Divorce has become a major source of economic hard-ship of women."[1]

عورت کے لیے طلاق ایک اہم معاشی مصیبت بن گئی ہے۔

King stey varis says:

Un-married coitus can have one or more of several out comes nothing at all beyond the act it self, when real disease an illegal pregnancy ending in abortion, a forced marriage or an illegitimate child. In view of diffusion of contraceptive and prophylactic techniques during the so called sexual Revolution as is strange that the undesired seqvalae home tended to rise rather than fall.[2]

شادی سے پہلے کے جنسی تعلق کا نتیجہ جنسی امراض، غیر قانونی حمل، جس کا انجام اسقاط حمل ہے، مجبوری کی شادی اور ناجائز بچے کی پیدائش کی صورت میں نکلتا ہے۔ جنسی انقلاب کے بعد سے مانع حمل ادویات اور وسائل کے استعمال کے باوجود یہ عجیب امر ہے کہ یہ غیر مطلوب خواہش نفس کم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھی ہے۔

آج ملک کی ترقی کا مفہوم صرف معاشی پیداوار کی ترقی سمجھ لیا گیا ہے، اس کے لیے عورتوں اور مردوں سب کو لا کر معاشی میدان میں کھڑا کر دیا گیا ہے، حالانکہ ترقی صرف معاشی پیداوار بڑھانے کا نام نہیں ہے۔ اگر عورتیں گھروں میں بیٹھ کر نئی نسل کو تربیت دیں، انہیں انسانی اقدار سے باخبر کریں، ان کے اندر اعلیٰ اخلاق اور خدا پرستی پیدا کرنے کی کوشش کریں، تو یہ بھی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے، ملک کی ترقی کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں ہے، کہ مرد بھی کارخانوں میں کام کریں، اور عورتیں بھی کارخانوں میں کام کریں، ترقی کا یہ بھی ایک بڑا ذریعہ ہے، کہ گھروں میں بچوں کو انسانیت کی تربیت دے کر تیار کیا جائے، تاکہ وہ دنیا میں انسانیت کے راہنما بنیں۔[3]

حقوق نسواں کی تحریکوں کو عورتوں کو گھر تک محدود رکھنے پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ

آدھی آبادی کو گھروں میں بٹھا دیں گے تو ملک کیسے ترقی کرے گا، میرے خیال میں یہ سوال کسی اعلیٰ درجے کی دانش سے زیادہ ادھورے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔ ملک کی ترقی کا اندازہ محض اس بات سے لگانا کہ فیکٹری میں کتنا مال تیار ہوتا ہے؟ پیداوار کتنی بڑھ جاتی ہے؟ ایکسپورٹ کتنی ہوتی ہے؟ بجٹ کتنے ارب کا بنتا ہے خسارے کا یا نفع کا؟ یہ ایک غلط انداز نظر ہے ترقی اس کا نام نہیں ہے۔ بظاہر دکھائی دینے والی ترقی تو یہی کہلائے گی لیکن اصل میں اچھے انسان تیار کرنا سب سے بڑا کام ہے کیونکہ جب محنتی، صحت مند، ایماندار، متقی، وقت اور وعدے کے پابند، وقت کی قدر کرنے والے، اعتدال پسند انسان معاشرے میں آجائیں گے تو معاشرے میں عدل وانصاف اور امن کی فضا قائم ہوگی۔ ہر محکمہ چاہے وہ سرکاری ہو یا پرائیویٹ، اس کو چلانے والے ایماندار ہوں گے، تو ہر طرح کا فساد رک جائے گا۔ پھر پیداوار بھی بڑھے گی اور ایکسپورٹ بھی زیادہ ہوگی۔

---

① AIBI. P.128

② sexual behaviour by King Stey varis,P.336

③ مولانا مودودی کے انٹرویو از ابو طارق: ص 486

اس لیے بحیثیت مسلمان ایک عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ظاہری اور جسمانی نشو و نما کے بعد باطنی اور روحانی تربیت اس طرح کرے کہ گھر راحت اور سکون کا مرکز بن جائے جہاں مرد پہنچ کر اپنی ساری پریشانیاں بھول جائے اور تازہ دم ہو کر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ادا کرے۔ پھر اسلام نے عورت پر اولاد کی اچھی تربیت کرنے کی جو ذمہ داری ڈالی ہے وہ صرف ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ اس پر ایک بڑے اجر کی امید دلائی ہے۔

علامہ علاؤالدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المرأة في حملها إلى وضعها إلى فصالها كالمرابط في سبيل الله وإن ماتت فيما بين ذلك فإنها أجر شهيد"[1]

عورت حمل سے لے کر بچہ جننے اور اس کو دودھ چھڑانے تک ایسی ہوتی ہے، جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا مجاہد جو کہ وقت جہاد کے لیے تیار رہتا ہے، اس دوران اگر وہ مر جائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

اسلام نے ریاست اور معاشرہ کے تحفظ کی اصل ذمہ داری مرد کے سر ڈالی ہے، اور عورت کی جدوجہد کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا، اور اس کی حقیقی پوزیشن یہ نہیں ہے کہ وہ بازار کی تاجر، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج، اور فوج کی سپاہی بنی رہے، بلکہ اس کے عمل کا حقیقی میدان اس کا گھر ہے۔[2]

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ ایک مقام پر یہ تحریر فرماتے ہیں:

دنیا کے اندر یوں تو بہت سی چیزیں اہم اور ضروری ہیں، لیکن بچوں کی تربیت اور ان کی دماغی اور ذہنی صلاحیتوں کی حفاظت جس قدر ضروری ہے، اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عورت دن رات اس چیز میں منہمک اور مشغول رہا کرتی تھی، وہ اپنے بچہ کو اس لیے نہیں پالتی کہ وہ اس کا لخت جگر اور نور نظر ہے، اور اس کے بطن سے نکلا ہے، یا آگے بڑھ کر وہ بڑھاپے میں اس کے کام آئے گا بلکہ ان کی تربیت اور اس کی محنت و مشقت کا مقصد ہی صرف یہ ہوا کرتا ہے کہ یہ قوم کی امانت ہے اور اس کو اس طرح قوم کے سپرد کرنا ہے کہ وہ قوم اور ملک کی صحیح خدمت اور راہنمائی کر سکے، ان کے مد نظر اپنے آرام و آسائش سے زیادہ قوم اور ملک کا آرام و آسائش ہے۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ جس بچے کی تربیت و نگرانی والدین نے صحیح طریقہ پر نہ کی ہو وہ دنیا میں کیا پنپ سکتا ہے۔ گھر کے ماحول کو درست رکھنا اور بچے کی صحیح نگرانی کرنا، والدہ کے فرائض میں داخل ہے۔ ہمارے معاشرے کے افراد کی بے راہ روی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے گھروں کی زندگی غیر منظم ہے، اور ان میں بچوں کے صحیح کردار کی نشو و نما کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خاندان معاشرہ اور قوم کے بناؤ بگاڑ میں ایک ماں اپنے بچوں کی بھلی یا بُری تربیت کر کے کتنا اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

---

① کنز العمّال: 16/ 411، 45159

② عورت اسلامی معاشرہ: ص 91

③ اسلام اور عورت از عبدالقیوم ندوی: ص 118

ناصر ایم شاہ اپنی کتاب "Pakistan Woman" (خاتونِ پاکستان) میں رقم طراز ہیں:

From this general premise she argued since the woman's basic role is that of manager of the family, female education should prepare her for this role.(1)

اسی اصولی بنیاد پر اس نے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ عورت کا اصل کام امور خانہ داری کو چلانا ہے، لہٰذا عورت کو ایسی تعلیم دی جانی چاہیے جس سے یہ مقصد پورا ہو۔

---

(1) Pakistan women by Nasir M. Shah , P. 257

2

فصلِ دوم

اسلامی تاریخ میں عورت کا معاشی کردار

اسلامی تاریخ میں عورت کا معاشی کردار

اسلام نے عورت کا دائرہ کار صرف گھر تک نہیں رکھا بلکہ اسکی پرواز عمل کیلئے وسیع فضا مہیا کی ہے۔ وہ جس طرح علم وادب کی راہ میں پیش قدمی کر سکتی ہے اسی طرح عورت کو مختلف پیشوں کو اپنانے اور بہت سی ملی واجتماعی خدمات کے انجام دینے کی بھی اجازت ہے۔

اسلام ایک فطری دین ہے اس نے عورت کو اس کے فطری دائرہ کار میں رکھتے ہوئے اسے عزت وعظمت کا بہترین مقام عطا کیا ہے اور اسے تعلیم وتربیت کے مواقع فراہم کیے ہیں کہ جن کی بنا پر وہ اپنی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے معاشرہ میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکتی ہے اسلامی تاریخ گواہ ہے صحابیات اور قرون اولی کی مسلمان عورتیں امور خانہ داری کے علاوہ دیگر معاملات مثلاً معیشت، تبلیغ وجہاد میں پیش پیش تھیں اور اسلامی معاشرہ ان کی راہ میں حائل نہیں ہوا۔ خواہ عرب کا علاقہ ہو یا اندلس کا، ترکی کا ہو یا ایران کا، برصغیر کا ہو یا افریقہ کا، غرضیکہ ہر جگہ اور ہر دور میں کبھی بھی مسلمان عورت کو غیر ضروری قید وبند میں نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس نے حتی المقدور ہر شعبہ زندگی میں اپنی حدود میں رہتے ہوئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

بنیادی طور پر کسب معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے لیکن حالات وواقعات کی مناسبت سے اگر یہ ذمہ داری عورت پر بھی آجاتی ہے تو اسلام اس کو ممنوع قرار نہیں دیتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُوا۟ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ﴾(1)

مردوں کے لیے ان کی کمائی کے مطابق حصہ اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کے مطابق حصہ ہے۔ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہا کرو۔

کسی حد تک تو عورت کا معیشت، معاشرت، زراعت، اور تجارت کے امور میں شرکت کرنا مستحسن بھی سمجھا گیا ہے کیونکہ انسان کو خوراک، لباس، مکان، علم، ترقی اور خوشحالی کی ضرورت ہے، تہذیب وتمدن جس قدر ترقی پائینگے انسان کی احتیاجات میں اس قدر اضافہ ہوتا چلا جائیگا صرف شرط یہ ہے کہ یہ وسعت شریعت کے احکامات کی حدود کو پامال نہ کرے۔

روایات کے مطابق عرب کے جاہلی معاشرے میں کسب معاش کے چاروں ذرائع ، تجارت، زراعت، دستکاری، حرفت اور مزدوری واجرت۔ اختیار کرنے کی آزادی حاصل تھی اور وہ حقیقت میں ان کے ذریعہ مال ودولت کماتی تھیں۔ صرف پیٹ بھرنے کی حد تک نہیں اور نہ صرف تن ڈھانکنے اور سر چھپانے کی حد تک بلکہ باقاعدہ دولتمندی کے حصول کے لیے بھی۔ یہ حق وآزادی اور واقعہ تاریخی عہد نبوی کے مکی اور مدنی دور میں بھی استوار رہا اور خواتین ان چاروں ذرائع سے آمدنی حاصل کرتیں اور دولت جمع کرتی رہیں۔ ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔

اس سے اسلام کا مزاج اور رجحان کا پتہ چلتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش ہو کر رہے اور اپنے دائرہ سے باہر کبھی کوئی کام انجام ہی نہ دے کیونکہ صرف گھر میں رہنا اور اسی کی پرسکون زندگی کا عادی بننے سے عورت میں بڑی

---

(1) سورۃ النساء، 4 : 32

آسانی سے تکلف و تصنع، عیش و راحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جبکہ کامیاب سماجی جدوجہد میں شامل ہونے والی عورت جفاکشی، سادگی اور استقلال جیسی صفات کی حامل بن جاتی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ:

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے سمندری سفر کر کے جہاد کرنے والوں کے لیے بڑا اجر اوران کے فضائل ذکر کیے توام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے درخواست کی "دعا کیجئے اللہ تعالی مجھے بھی ان لوگوں میں داخل کر دے۔" آپ ﷺ نے اس سعادت مند گروہ میں ان کی شمولیت کی دعا کی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ گئے دوبارہ اٹھے توام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (پریشان نہ ہو) تمہارا شمار سابقین میں ہے۔[1]

غور کیجئے! جہاد اور وہ بھی سمندر پار کر کے۔ زندگی کا سب سے زیادہ صبر آزما اور ایثار و قربانی کا طالب عمل۔ اس میں عورت کی شرکت کی حضور ﷺ دعا فرما رہے ہیں۔ حالانکہ جہاد اس پر فرض نہیں ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے شدائد کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکے چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے عورت کو سادہ اور پر مشقت زندگی کی تعلیم دی ہے۔

عہد نبوی میں خواتین کی کاروباری دنیا

1. تجارت

عہد نبوی میں بہت سی عورتیں تجارت کیا کرتی تھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت شام سے وسیع پیمانے پر تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا مکی عہد میں چمڑے کی کھال کی تجارت کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے سلسلہ میں ان سے اپنے ایک ساتھی اور ہم عمر حضرت عبد اللہ بن حارث ہاشمی کے ساتھ بازار یا ان کے مقام تجارت پر ملاقات کی تھی۔[2]

حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی:

«إِنِّيْ إِمْرَأَةٌ أَبِيعُ وَأَشْتَرِى»[3]

کہ میں ایک ایسی عورت ہوں، جو مختلف چیزوں کو بیچتی بھی ہوں اور خریدتی بھی ہوں۔

اسی طرح خولہ، ملیکہ، ثقیفہ اور ام ورقہ رضی اللہ عنہن وغیرہ عطریات کی تجارت کرتی تھیں۔ اسماء بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں عطر کا کاروبار کرتی تھیں۔

ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكان ابنها عبدالله بن أبي ربيعة يبعث إليها بعطر من اليمن و كانت تبيعه إلي الاعطية فكنا نشتري

① صحيح بخاري : كتاب الجهاد والسير، باب غزو المرأة في البحر، 2665

② تفسير ابن كثير : 1 / 267،266

③ الطبقات الكبري : 8 / 311

منها"[1]

ان کا بیٹا عبد اللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر بھیجتا تھا اور وہ اسے بیچتی تھی اور ہم ان سے خریدتے تھے۔

اسی طرح عمرہ بنت الطبیخ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"انطلقت مع جارية لنا إلي السوق فاشترينا جريثة في زبيل قد خرج راسها ، وذنبها من الزبيل ، فمر علي فقال : بكم هذه؟ ان هذا لكثير طيب يشبع منه العيال"[2]

میں اپنی لونڈی کے ساتھ بازار گئی اور وہاں سے ایک بڑی مچھلی خریدی اور اسے جھولے میں رکھا اور مچھلی کا سر اور اس کی دم جھولے سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انہوں نے پوچھا: آپ نے یہ مچھلی کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی اور اچھی مچھلی ہے اسے سارے گھر والے سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ اپنی کنیز کے ساتھ، بازار جا کر مچھلی خریدی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو مچھلی کی تعریف کی، ان کے علاوہ حضرت کریمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابیات بھی سوداگری کرتی تھیں۔

حضرت نبہان التمار کے سوانحی خاکہ میں ایک خاتون کا ذکر آیا ہے جو ان سے تمر (کھجور) خریدنے آتی تھیں۔ حضرت موصوف تو کھجور کے بیوپاری ہی تھے وہ خاتون بھی شاید یہ کاروبار کرتی تھیں۔ روایات تفسیر میں اس واقعہ کا ذکر آتا ہے۔[3]

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ایسی عطر فروش تھیں کہ وہ "العطارہ" کے نام سے ہی مشہور ہو گئی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں آتی تھیں اور عطر فروخت کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے عطروں کی خوشبوؤں سے ان کو پہچان لیا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر میں پایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا تم لوگوں نے ان سے کچھ خریدا بھی ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آج وہ کاروبار کی غرض سے نہیں آئیں، اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شکایات کا تدارک فرمایا۔[4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان سے عطر خریدا کرتی تھیں۔

حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا، جو مشہور صحابی حضرت سائب بن اقرع ثقفی رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں عطر فروشی کا کام کرتی تھیں۔ ان کے فرزند حضرت سائب ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار میری ماں حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عطر فروشی کے ارادے سے پہنچیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد خرید ان سے ان کی ضرورت و حاجت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حاجت تو کوئی نہیں لیکن میرے چھوٹے بچے کے لیے، جو ان کے ساتھ تھا، دعا فرما دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔[5]

---

① الطبقات الكبري : 8 / 300، الإصابة في تمييز الصحابة : 8 / 118،119

② الطبقات الكبري : 8 / 488

③ اسد الغابه : 5 / 13

④ اسد الغابه : 5 / 432

⑤ اسد الغابه : 5 / 549

عہد نبوی میں خواتین عطایا کی فروخت کا کام بھی کرتی تھیں۔ کسی غزوہ میں ام سنان اسلمی رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کا ایک اونٹ ہدیہ کر دیا تھا جسے انہوں نے مدینہ پہنچ کر سات دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ (1)

غزوہ خیبر میں 20 خواتین کو عطایا ملے تھے اور غزوات حنین اور فتح مکہ و طائف میں بھی ان کو کافی چیزیں ملی تھیں جس کو انہوں نے فروخت بھی کیا تھا۔ موہوبہ یا عطا شدہ "اموال" کو نقد بیچ کر دوسری ضروری چیزیں خریدنے کا رجحان مردوں کے علاوہ خواتین میں بھی تھا بسا اوقات وہ منقولہ اسباب و اموال کے علاوہ غیر منقولہ جائیدادیں بھی خریدتی بیچتی تھیں غیر منقولہ آراضی و مکانات کی ملکیت اور ان سے مالی آمدنی کا ذکر روایات میں آتا ہے۔

2. فلاحت و کاشتکاری

تہذیب کی ابتداء ہی سے عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی رہی ہیں خصوصاً جس وقت مردوں کی تعداد کم ہوتی تھی عورتیں اپنے شوہر اور والد کے ساتھ چارہ خشک کرنے اور جانوروں کو کھیتوں میں چرانے کے کاموں میں مشغول رہتی تھیں، وہ صبح اور دوپہر کے وقت کھیتوں میں کھانا لاتی تھیں اور دوسرے کام کرتی تھیں۔ اس کی وضاحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہوتی ہے جب وہ مصر چھوڑ کر مدین روانہ ہوئے تو انہیں دو لڑکیاں ملیں جو اپنی بھیڑوں کی نگرانی کر رہی تھیں اور چرواہوں کے آنے سے پہلے اپنے جانوروں کے لیے کنویں سے پانی نکالتی تھیں۔ (2)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کا قصہ بیان کیا جا چکا ہے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے دوران بھی اس بات کی اجازت دے دی کہ جاؤ کھجور کے درختوں سے پھل اتارو ہو سکتا ہے کہ تم صدقہ کر دو اور ثواب کی حقدار بنو۔ (3)

سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا ، فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ ، ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا ، فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ ، وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا ، فَتُقَرِّبُ ذَلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذَلِكَ» (4)

ایک عورت کھیتوں میں سلق (ایک سبزی) بویا کرتی تھی، جمعہ کے روز وہ سلق کی جڑیں نکالتی اور برتن میں ڈال لیتی اور اس میں جو ملا کر اس کو پکا لیتی اور یہ غذا غذائیت میں گوشت کا نعم البدل ہوتی۔ جمعے کی نماز کے بعد اس عورت کے گھر ہم اکٹھے ہو جاتے اور وہ عورت ہمیں یہ خوراک پیش کرتی، ہم اس عورت کا شکریہ ادا کرتے اور اسی وجہ سے ہم جمعے کا انتظار کرتے۔

اس کے علاوہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بھی مشہور و معروف ہے ان کے خاوند نے ان سے ظہار کیا اور وہ دونوں

---

① واقدي : ص 287

② سورة القصص، 28: 221

③ سنن ابوداؤد : كتاب الطلاق ، باب في المبتوته تخرج بالنهار، 2297

④ صحيح البخاري : كتاب الجمعة ، باب قول الله تعالي : فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض.... من فضل الله، 938

نبی ﷺ کے پاس مسئلے کو دریافت کرنے کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے شوہر کو حکم دیا کہ جب تک اس مسئلے کے سلسلے میں کوئی حکم نازل نہیں ہو جاتا تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ بیوی نے کہا:

«يَارَسُولَ اللهِ! مَالَهُ مِنْ شَيْءٍ وَمَا يُنْفِقُ عَلَيهِ إِلَّا أَنَا» (1)

ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں۔ (پھر وہ مجھ سے الگ رہ کر کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں؟)

عہد نبوی میں کئی خواتین اپنے مردوں کے ساتھ کھیتی باڑی میں اس لیے شامل ہوتیں کہ ان کے غلوں اور جانوروں کے ریوڑ میں اضافہ ہو، ان کے شوہروں کی زراعت ترقی کرے مگر یہ تمام صحابیات کا مشغلہ نہ تھا بلکہ سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ مدینہ منورہ میں انصار کی تمام عورتیں کاشتکاری کرتیں اور خاص کر سبزیاں بوتی تھیں۔

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج بھی کرتی تھیں اور اپنے کھیتوں سے گھوڑے کا چارہ اور کھجور کی گٹھلیاں سر پر لایا کرتی تھیں جیسے کہ حدیث سے وضاحت ہوتی ہے:

«عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضى الله عنهما قَالَتْ تَزَوَّجَنِي الزُّبَيْرُ ، وَمَا لَهُ فِي الأَرْضِ مِنْ مَالٍ ، وَلاَ مَمْلُوكٍ ، وَلاَ شَيْءٍ غَيْرَ نَاضِحٍ ، وَغَيْرَ فَرَسِهِ ، فَكُنْتُ أَعْلِفُ فَرَسَهُ ، وَأَسْتَقِي الْمَاءَ ، وَأَخْرِزُ غَرْبَهُ وَأَعْجِنُ ، وَلَمْ أَكُنْ أُحْسِنُ أَخْبِزُ ، وَكَانَ يَخْبِزُ جَارَاتٌ لِي مِنَ الأَنْصَارِ وَكُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ ، وَكُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - عَلَى رَأْسِي ، وَهْيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ ، فَجِئْتُ يَوْمًا وَالنَّوَى عَلَى رَأْسِي فَلَقِيتُ رَسُولَ اللهِ- صلى الله عليه وسلم - وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَدَعَانِي ثُمَّ قَالَ « إِخْ إِخْ » . لِيَحْمِلَنِي خَلْفَهُ ، فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسِيرَ مَعَ الرِّجَالِ ، وَذَكَرْتُ الزُّبَيْرَ وَغَيْرَتَهُ ، وَكَانَ أَغْيَرَ النَّاسِ ، فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - أَنِّي قَدِ اسْتَحْيَيْتُ فَمَضَى ، فَجِئْتُ الزُّبَيْرَ فَقُلْتُ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ- صلى الله عليه وسلم - وَعَلَى رَأْسِي النَّوَى ، وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ ، فَأَنَاخَ لأَرْكَبَ ، فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ وَعَرَفْتُ غَيْرَتَكَ . فَقَالَ وَاللهِ لَحَمْلُكِ النَّوَى كَانَ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ رُكُوبِكِ مَعَهُ . قَالَتْ حَتَّى أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ بِخَادِمٍ يَكْفِينِي سِيَاسَةَ الْفَرَسِ ، فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَنِي» (2)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے میرا بیاہ ہو چکا تھا، لیکن ان کے پاس ایک پانی لادنے والے اونٹ اور گھوڑے کے سوا نہ کسی قسم کا کوئی مال تھا، نہ خادم اور نہ کوئی دوسری چیز میں خود ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور ان کا ڈول بھرتی۔ گھر کا کام کاج بھی خود کرتی، خود ہی آٹا گوندتی، اور روٹی پکاتی، روٹی اچھی نہ پکا سکتی تھی، پڑوس میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں، جو اپنی دوستی میں بڑی مخلص ثابت ہوئیں، وہ میری روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلے پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے دی

---

① الطبقات الكبري: 8 / 378

② صحيح بخاري: كتاب النكاح، باب الغيرة، 5224، الطبقات الكبري: 8 / 251،250

رکھی تھی میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی، ایک دن میں اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیوں کی ٹوکری لا رہی تھی کہ راستے میں حضور ﷺ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا تاکہ اپنی سواری کے پیچھے بٹھالیں، لیکن چونکہ آپ ﷺ کے ساتھ انصار کے بعض افراد بھی تھے، اس لیے مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوئی۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی غیرت کا خیال آیا کہ وہ سب سے زیادہ غیرت مند ہے۔ چنانچہ پس و پیش کرنے لگی تو حضور ﷺ بھانپ گئے، اور آگے بڑھ گئے۔ سارا واقعہ زبیر ﷺ سے ذکر کیا گیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ تمہارا گٹھلیوں کا لانا مجھ پر بہت شاق گزرتا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی نگہداشت کے لیے ایک خادم بھیجا جس کی وجہ سے مجھے اس بار سے نجات ملی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث مکمل طور پر اس کی وضاحت کرتی ہے کہ عورت کن صورتوں میں گھر کے علاوہ دوسری سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مکمل طور پر گھر کی ذمہ داری سنبھالتی تھیں اور اس ذمہ داری کے ساتھ کھیت میں کام بھی کرتی تھیں، یہی وہ تصور ہے جو اسلام نے ہمیں دیا ہے کہ عورت اگر گھریلو ذمہ داریوں کے باوجود بھی کام کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو اسلام اسے منع نہیں کرتا، کہ وہ اپنے لیے یا اپنے بچوں کے لیے روزی کما سکے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک غفاری اجیر اور ان کی اہلیہ ایک چراگاہ میں سرکاری جانوروں کی چرائی اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ایسا ثابت ہوتا ہے کہ چرواہی کا پیشہ خاص عورتوں اور بچیوں باندیوں سے متعلق تھا۔ آپ ﷺ کی ایک باندی ربیحہ نامی، جو بنو قریظہ کی اسیر جنگ تھیں، صدقات کے باغات میں سے ایک میں کام کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ ان کے جھونپڑے میں کبھی کبھی قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ مرض ابوفاۃ کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔[1]

عہد نبوی میں متعدد عورتوں کے چرواہی کے کام کرنے کا ذکر ملتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ماں بھی یہ کام کرتی تھیں اور گھروں میں خادمہ کا کام انجام دیتی تھیں، چرواہوں اور گھریلو خدمات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ اصلاً خاتونی پیشہ تھا۔ چرواہی سے وابستہ دوسرے کام باڑے کے دودھاری جانوروں کا دودھ دوہنا اور مالکوں کے گھروں میں پہنچانا تھا۔ بعض باندیاں اور آزاد عورتوں کے نجی کام کے علاوہ پیشہ ور چرواہیاں ہی یہ کام کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی کئی باندیاں جیسے سلمٰی رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا وغیرہ کے علاوہ بہت سے مکی اور مدنی اکابر کی چرواہیاں یہ کام انجام دیتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک "مولاۃ" حضرت وجیہہ رضی اللہ عنہا بھی ان میں سے ایک تھیں۔[2]

بہت سی خواتین خاندان کی معاشی ذمہ داری اپنی زرعی آمدنی کی وجہ سے بھی اٹھالیتی تھیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کی جائیداد ثقیف/طائف سے کچھ حصہ ملا تھا اور وہاں سے شہد آتا تھا اور بعض دوسری آمدنی بھی ہوتی تھی جو وہ اپنے خاندان بالخصوص سابق شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے یتیم بچوں پر خرچ کرتی تھیں۔

دوسری امہات المومنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی زرعی جائیدادیں طائف اور مکہ میں

---

① بلاذري: 1 / 543

② بلاذري: 1 / 513،514

تھیں۔اور متعدد انصاری خواتین کی زرعی جائیدادیں مدینہ منورہ میں تھیں۔[1]

یہود مدینہ میں دو قبیلوں بنو نضیر اور بنو قریظہ کے باغات زرعی ''اموال'' اسلامی ریاست کے قبضے میں آئیں۔تو ان میں سے بیشتر مہاجرین کو ملیں اور بعض محتاج و نادار انصار کو بھی عطا کی گئیں۔ان کے علاوہ خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ کی زرعی جائیدادوں کا معاملہ تھا۔ان میں سے متعدد بلکہ سب میں خواتین کام کرتی تھیں اور بعض کی وہ مالک بھی تھیں۔یہودی کاشتکاروں، باغ کے مالکوں اور دوسرے زرعی پیشہ والوں کے ہاں انصاری خواتین مزدوری کا کام عہد جاہلی سے کرتی آرہی تھیں اور اسلامی عہد میں بھی یہود مدینہ کی جلاوطنی کے زمانے تک کا کرتی رہیں۔

3.خیاطت اور کپڑا بننا

حضرت فاطمۃ بنت شبیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ انصار کی عام عورتیں سلائی کا کام کرتی تھیں۔[2]
متعدد خواتین، جاہلی اور اسلامی دونوں ادوار میں، کپڑا بننے کا کام کرتی تھیں اور بنے ہوئے کپڑوں کو بیچا کرتی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک پردہ اور ایک قالین اسی طرح خریدی تھیں۔ایک خاتون نے ایک چادر بن کر خدمت نبوی میں ہدیہ کی تھی۔قومی کاروان قریش میں مکہ کی خواتین نے سوت کات کات کر اور کپڑے بن کر بیچے تھے اور ان سے حاصل شدہ آمدنی قومی کارواں میں لگائی تھیں۔
یہ قومی کارواں قریش، غزوہ بدر 2ھ/624ء میں مکہ سے شام بھیجا گیا تھا اور جس میں تمام باشندگان مکہ نے بہت زیادہ سرمایہ لگایا تھا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت سی باندیاں خیاط تھیں یا کپڑا بننے والیاں تھیں۔خیاطی نجاری، نساجی اور ایسے بہت سے کام عورتوں سے متعلق تھے امام بخاری رحمہ اللہ کے كتاب اللباس کے باب لبس والقسي کے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ قسیہ/ قسی (ریشمی) کپڑا شام سے یا مصر سے آتا تھا۔وكانت النساء تصنعه لبعولتهن مثل القطائف يصفونها (اور عورتیں اس کو اپنے شوہروں کے لیے قطائف یعنی چادروں کی مانند پھیلا کر بُنا کرتی تھیں۔[3]

4.صنعت و حرفت

عورتیں کارخانے بھی قائم کرسکتی ہیں اور دکان کھولنے کی بھی اجازت ہے۔ضرورت کے وقت عورت کو شریعت منع نہیں کرتی۔اگر عورت بیوہ ہو، مطلقہ ہو، یا اس کا شوہر بیماری وغیرہ کی وجہ معقول رقم نہ کما سکتا ہو تو وہ معاشی ضروریات کے لیے کاروبار کا کوئی بھی سلسلہ اختیار کرسکتی ہے۔کوئی بھی کاروبار جو فائدہ مند قانونی اور معقول ہو، اختیار کیا جاسکتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ طبعی موت مرنے والے جانوروں کی کھال کو دباغت کے بعد استعمال کرلیا جائے۔[4]
میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ لوگ گدھے کے برابر بھیڑ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

---

① بلاذري : 1 / 427
② الإصابه في تمييز الصحابه : 13 / 81
③ فتح الباري : 10 / 360،361
④ صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، 366

سے پوچھا کہ تم اس کی کھال کو استعمال کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ یہ طبعی موت مری ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

پانی اور فلاں درخت کے پتے اس کی جلد کو پاک کر دیتے ہیں۔[1]

آنحضرت ﷺ کی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دباغت کا علم تھا اور جانوروں کی کھالوں کو دباغت دیا کرتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ "ایک مرتبہ ہماری ایک بھیڑ مر گئی اور ہم نے تازہ اتری ہوئی کھال کو دباغت دیا پھر اس میں کھجوریں بھر دیں۔[2]

محسوس ہوتا ہے کہ دباغت کا کام اس زمانے کی عورتوں میں عام تھا اور آپ ﷺ نے کسی عورت کو اس کام سے منع نہیں کیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کام کرنے والوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی ہے چاہے مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں اس کے ذریعے اپنے اور اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں۔

علقمہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

«أَنَّ زَينَبَ الأَنْصَارِيَةَ إِمرَأة إِبِي مَسْعودٍ وَ زَينَبَ الثقَفِيَّة امْرَأَة إِبْنِ مَسْعُودٍ أَتَتَا رَسُولَ الله صلي الله عليه وسلم تَسَأَلَانِهِ النَفَقَةُ عَلَى أَزْوَاجِهِمَا ، فَقَالَ لهُماَ رَسُولُ الله صلي الله عليه وسلم نَعَمْ لَكُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الصَّدَقَةِ وَ أَجْرُ القَرَابَةِ»[3]

عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زینب انصاریہ رضی اللہ عنہا زوجہ ابی مسعود اور زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا زوجہ ابن مسعود دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور دریافت کیا کہ کیا وہ اپنی آمدنی خاوندوں پر خرچ کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے لیے دوہرا اجر ہے صدقے کا اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا۔

رسول اکرم ﷺ نے ان کے کسب معاش کی تعریف و توصیف کی مگر کسی حدیث یہ ثابت نہیں ہوتا ان کو شوہرانہ نان و نفقہ پر انحصار کرنے کا حکم دیا ہو یا ان کے شوہروں کو کمانے اور نفقہ اٹھانے کی ہدایت فرمائی ہو۔ اس سے عورتوں کے کسب معاش کا اصول و حق نکلتا ہے۔

ان دونوں خواتین کی دستکاری سے کمائی ان کی مجبوری تھی ان کے شوہر کماتے نہ تھے اور ان کے نفقہ سے گزیراں تھے اور وجہ ان کی ناداری تھی۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے اور اپنی روزی نہ کما سکتے تھے تو ایسی صورتحال میں بیوی کا اپنے شوہر پر خرچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق دہرے اجر کا باعث ہے۔

حضرت زینت بنت جحش رضی اللہ عنہا اسدی خزیمی ام المومنین ایک دستکار خاتون تھیں طرح طرح کی چیزیں تیار کرتیں اور ان کو فروخت کر دیتیں۔ البتہ ان کی جو آمدنی آتی اسے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا کرتی تھیں، وہ صرف صدقہ و خیرات کے لیے حرفت و

---

① صحيح البخاري: كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم: 1492

② أسد الغابة في معرفة الصحابه : 5 / 485

③ الإصابه في تميز الصحابه : 4 / 319

دستکاری سے وابستہ تھیں اور ان کو اپنی معاشی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی قسم کے کاروبار کی ضرورت نہیں تھی۔[1]

مختلف خواتین بالخصوص انصاری خواتین کے کاریگر غلاموں کا ذکر بھی ملتا ہے ان میں سے ایک انصاری خاتون کا نجار (بڑھئی) غلام تھا۔ جو نجاری کا کام کر کے چیزیں بناتا اور فروخت کرتا تھا اور آمدنی مالکہ کو ملتی تھی۔ اسی انصاری خاتون نے رسول اکرم ﷺ کی فرمائش پر یا ازخود ایک عمدہ منبر بنا کر خدمت اقدس میں پیش کیا تھا جس پر آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبات جمعہ وغیرہ دیا کرتے تھے۔[2]

بہت سی عورتیں اجرت اور مزدوری پر بھی کام کیا کرتی تھیں ان کا کام ہنر اور مہارت سے زیادہ صرف محنت پر مبنی تھا جیسے فتح مکہ کے موقع پر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کی خدمات حاصل کر کے اس کے ذریعے ایک خط اکابر قریش کو بھیجا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے جاسوس نے اس سے بروقت حاصل کر لیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت حاطب نے اس اجیر عورت کو دس دینار (سو درہم) کی خطیر رقم بطور اجرت دی تھی۔[3]

5. طبابت وجراحت

طب اور جراحت میں رفیدہ، اسلمیہ، ام مطاع، ام کبشہ، حمنہ بنت جحش، معاذہ لیلیٰ، امیمہ، ربیع بنت معوذ، ام عطیہ، ام سلیم رضی اللہ عنہن کو زیادہ مہارت حاصل ہے۔ یہ جنگ و امن میں مریضوں کا علاج اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ روایات میں مذکور ہے کہ:

«رفيدة الأنصارية أو الأسلمية ....فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم اجْعَلُوهُ فِي خَيمَةِ رفَيدَةِ الَّتِي فِي المَسْجِدِ حَتَّى أعُودهُ مِنْ قَرِيْبٍ وَكَانَتْ امْرَأَةٌ تَدَاوِي الجَرحي وَتَحْتَسِبُ بِنَفْسِهَا عَلَى خِدْمَةٌ من كَانَتْ بِهِ ضَيعَةٌ مِنَ المُسْلِمِين»[4]

(رفیدہ انصاریہ یا اسلمیہ)......... تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے رفیدہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں لے جاؤ جو مسجد کے پاس ہے۔ تاکہ قریب ہونے کی وجہ سے میں ان کی عیادت کیا کروں، اور وہ مسلمان زخمیوں اور مریضوں کا علاج مفت کیا کرتی تھیں۔[5]

بعض خواتین پیشہ ور جراح اور طبیب کی حیثیت سے اپنے فن سے کماتی بھی تھیں۔ فی سبیل اللہ علاج و معالجہ کی خدمات تو غزوات، مہمات تک ہی محدود ہو سکتی تھیں کیونکہ وہ طبی خدمات کے لیے تو جنگ میں شریک ہوتی تھیں لیکن زمانہ امن و امان اور عام حالات میں علاج معالجہ ایک پیشہ ورانہ ذریعہ آمدنی ہے روایات سیرت و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی اور اسلامی دونوں ادوار میں خواتین طبابت سے آمدنی حاصل کرتی تھیں۔ گھریلو دوا دارو یا علاج معالجہ کا ایک عام فن بھی تھا اور بہت سی خواتین عصر اپنے مردوں کے مانند بسا اوقات فوری علاج کی خدمات انجام دے لیتی تھیں۔ یہ ہر ایک گھر کی کہانی تھی۔ بعض مثالیں ان کی تائید میں پیش ہیں:

---

① أسد الغابه : 5 / 494

② صحيح البخاري : كتاب البيوع ، باب النجار، 2094،2095

③ صحيح البخاري : كتاب المغازي ، باب غزوة الفتح، 4274

④ الإصابة في تمييز الصحابة : 12 / 255

⑤ صحيح البخاري : ادب المفرد ، باب كيف اصبحت، 1129

1. حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں سے بہتے ہوئے خون کا علاج کیا تھا۔ انہوں نے چٹائی کے ایک ٹکڑے کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھ دی تھی اور خون بند ہو گیا تھا۔ [1]

2. حضرت ام انمار رضی اللہ عنہا اور حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو داغ کر کے (اکتوی) علاج کیا تھا۔ [2]

3. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری میں حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں کھلی اور تیل (الکست و الزیت) کی بنی ہوئی دوا زبردستی ڈال دی تھی۔ یہ خاص طبی نسخہ ان دونوں خواتین عصر نے اپنے قیام حبشہ کے زمانے میں سیکھا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ عود ہندی (ورس) اور تیل سے بنی ہوئی دوا تھی۔ بہر حال خواتین مکرم نے حبشی طب سے استفادہ کر کے اس کا استعمال کیا تھا۔ [3]

عہد وسطی میں بہت سی ایسی خواتین کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے طب و جراحت میں مہارت حاصل کر کے شہرت پائی، چنانچہ بنی عود میں زینب بڑی طبیبہ اور ماہرہ امراض چشم تھیں۔ [4]

ام الحسین بنت القاضی ابن جعفر مختلف مضامین اور علم وفنون میں کمال کی دسترس رکھتی تھیں۔ لیکن وہ بحیثیت طبیبہ مشہور تھیں۔ الحفیظ بن زہر کی بہن اور اس کی بیٹی جو منصور بن ابی عامر کے زمانے میں مشہور تھیں، بہت اچھی طبیب تھیں، علم طب اور فن حکمت میں اپنے مشاہیر زمانہ میں سے تھیں۔ بالخصوص امراض نسوانی کی ماہر تھیں اور شاہی محل کی خواتین کے علاج معالجہ کے لیے انہی کو بلایا جاتا تھا۔ [5]

6. رضاعت بطور پیشہ

ایک خالص نسوانی ذریعہ آمدنی اور پیشہ وکاروبار رضاعت کا تھا۔ زمانہ قدیم سے عرب سماج میں پیشہ ور مرضعات (دودھ پلائیوں) کا ایک طبقہ ہر ایک علاقے میں چلا آتا تھا۔ بعض جدید وقدیم سیرت نگاروں نے اسے نفرت انگیز یا ملامت آگیں پیشہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ دودھ پلا کر اپنے رضاعی بچوں/بچیوں کے سرپرستوں سے عطایا حاصل کرنا ایک معزز اور محبت بھرا کام تھا جو متعدد خاندانوں اور قبیلوں کو رضاعی بچوں/بچیوں کے ذریعہ محبت والفت اور اتحاد و تعاون کے رشتوں میں باندھ دیتا تھا۔ یہ قدیم پیشہ عہد اسلامی اور عہد نبوی میں بھی جاری رہا اور رضاعی ماؤں کا ایک طبقہ ان کے ذریعہ آمدنی پاتا رہا۔ اس طبقہ محبت والفت کی وسعت کا ندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ تمام اشراف کے بچے اور بچیاں رضاعت کے لئے ”بادیہ“ (دیہات) میں ضرور بھیجے جاتے تھے اور اس بنا پر بدوی قبائل وبطون کا یہ خاص پیشہ تھا، شہری لوگوں میں اکا دکا۔

- مشہور ترین مرضعہ (دودھ پلائی) حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

① بلاذري : 1 / 324

② بلاذري : 1 / 178،179

③ صحيح البخاري : كتاب الطب ، باب الدود، 5712

④ المرأة في تصور الإسلامي : ص 64

⑤ تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ : ص 260

کے علاوہ متعدد دوسرے اکابر کو بھی رضاعت کے ذریعہ پالا تھا ان رضاعی بچوں کے سرپرستوں نے ان کو مناسب عطا سے نوازا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ان کو اور ان کی اولاد کو اپنے ہدایا اور تحائف سے مالامال کیا۔ یہی دوسروں کا بھی طریقہ تھا۔

- حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا بھی باقاعدہ مرضعہ (دودھ پلائی) تھیں جو کہ مکہ مکرمہ میں یہ خدمت انجام دیتی تھیں۔ انہوں نے بھی رسول اکرم ﷺ اور بعض دوسرے اکابر قریش کی خدمت کی تھیں اور ان کو سرپرست خاندان نے ہمیشہ عطایا سے سرفراز کیا تھا۔
- حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں تھیں۔ ان کو اور ان کے شوہر کو رسول اللہ ﷺ نے خاصی قیمتی چیزیں ان کی خدمت کے عوض دی تھیں۔[1]

اسی طرح امہات المومنین میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی مرضعات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

7. مختلف دوسرے پیشے اور ان کی خواتین

عرب جاہلی اور مسلم سماجوں میں بعض دوسرے پیشے بھی تھے اور ان سے زیادہ تر عورتیں ہی وابستہ تھیں۔ ان کا تعلق عورت کے مسائل و معاملات سے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے عورتوں کو ہی ترجیح دی جاتی تھی اور یہ فطری بات بھی تھی۔

مشاطہ

دلہنوں کو بالخصوص اور دوسری خواتین کی زیب وزینت اور آرائش کے لیے ایک خاص طبقہ تھا جو عام و خاص مواقع پر مشاطگی کرتا تھا یہ اپنے فن کی ماہر عورتیں ہوتی تھیں۔ زیبائش میں وہ بالوں کو سنوارنے کا کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک مشطہ کا ذکر خیر اوپر آچکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری خواتین عصر کے بیاہ اور رخصتی کے مواقع پر مشاطہ کا ذکر ملتا ہے۔

قابلہ

بچوں کی ولادت کے لیے دائیوں کا ایک طبقہ تھا۔ بعض اہل خاندان کی بڑی بوڑھیاں یہ کام ضرور انجام دے لیتی تھی مگر ان کے علاوہ خالص پیشہ ور "قابلہ" دائیاں ہوتی تھیں۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا ان میں سے ایک تھیں جنہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تمام بچوں / بچیوں کی ولادت کے علاوہ بنات طاہرات اور دوسری خواتین کے بچوں کی ولادت میں دایہ کا کام کیا تھا۔ مکی دور میں ام انمار بنت سباع رضی اللہ عنہا ایک دایہ بھی تھیں۔[2]

حاضنہ

کمسن بچوں اور بچیوں کی دیکھ بھال اور پرورش کے لیے عرب سماج میں عورتوں کا ایک خاص طبقہ حاضنہ (انا) کا بھی تھا۔ ان میں باندیوں کے علاوہ اجرت پر کام کرنے والی آزاد عورتیں بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی انا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اس باب میں شہرت وعظمت رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے فرزند گرامی حضرت ابراہیم کی بھی ایک دائی، انا اور کھلائی تھیں جن کا ذکر

---

(1) عہد نبوی میں رضاعت از ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی : ص 150

(2) بلاذري : 1 / 175

حدیث کی کتابوں میں آتا ہے حالانکہ ان کے شوہر لوہاری کا کام کرتے تھے مگر وہ خود مرضعہ اورانا کا کام کرتی تھیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند دلبند کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا۔

8. سرکاری نوکری

نظام حکومت یا انتظامیہ میں عورت کی شمولیت کا مسئلہ خاصا نازک ہے اور اپنی جہات کے لحاظ سے بہت اہم بھی ہے لیکن خاتون جراحوں، طبیبوں اور دوسری ماہرات فن سے کام لیکر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے کسی حد تک گنجائش ضرور نکالی ہے۔
بازار کی افسر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ایک خاتون کا تقرر کر کے ایک بہت اہم اور دوررس نتائج کا حامل اقدام کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کافی حیرت انگیز بات ہے کہ بازار کے خالص مردانہ تجارتی کاروبار کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام کے لیے آپ ﷺ نے ایک خاتون کا تقرر کیا تھا وہ تھیں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا جو مدینہ کے ایک بازار کی افسر تھیں۔

9. فوجی خدمات

قرون وسطی میں بہت سی خواتین فوجی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔ منصور کے عہد میں علی بن عبد اللہ کی صاحبزادیاں ام ایمن اور لبابہ لباس حرب میں ملبوس اسلامی افواج کے ساتھ بازنطین علاقے کی طرف مارچ کر رہی تھیں۔
ہارمن کے دور میں بھی یہ شہزادیاں گھوڑوں کی رکھوالی کرتیں اور فوجوں کو میدان جنگ میں بھیجتی تھیں۔ عہد نبوی میں بھی جہاد میں شرکت اور مجاہدین کی خدمت کے لیے بہت سی صحابیات مصروف عمل نظر آتی ہیں۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے جنگ احد میں حضور ﷺ کے دفاع کے لیے مردوں کی سی ثابت قدمی اور بے باکی وشجاعت کا مظاہرہ کیا کہ انتہائی افراتفری اور انتشار کے عالم میں بھی نبی ﷺ نے ان الفاظ میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی تعریف فرمائی:

«وَمَا أَلتفتُ يَمِينًا وَلَا شِمَالًا إِلَّا وَأَنَا أَرَاهَا تُقَاتَلُ دُونِي»[1]

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

«كُنَّا نَغزُوْا مَعَ رَسُولِ الله نَسْتَقِى القَومَ وَنَخدِمُهُم وُ نَرُدُّ القَتْلَي وَالجَرَحِيِّ إِلَي المَدِيْنَةِ»[2]

ہم نبی ﷺ کے ساتھ جہاد پر جاتی تھیں اور ہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ مجاہدین کو پانی پلائیں ان کی خدمت کرتیں۔ جنگ میں کام آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتیں۔

10. عدالت کی سربراہ

خلیفہ مقدر عباس کی ماں سب سے بڑی عدالت ''ولایۃ المظالم'' کی سربراہ تھی۔ حسن بن ابراہیم حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلیفہ مقدر عباس کی والدہ لوگوں کی Appeals سنتیں اور ان کی شکایات کا ازالہ کرتی تھیں۔[3]

---

① اسد الغابه في معرفة الصحابة: 5 / 605 ، الطبقات الكبري: 8 / 415

② نيل الأوطار: باب استصحاب النساء لمصلحة المرضي والجرحي والخدمة: 9 / 141

③ اسد الغابة في معرفة الصحابة: 5 / 509

تاریخ اسلامی میں خواتین بہت سے شعبوں میں کام کر رہی تھیں یہاں ان سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ عہد نبوی اور اسلامی ادوار میں خواتین کو کاروبار کرنے اور کسب اختیار کرنے کا حق حاصل تھا اور اس حق کو خواتین عصر نے خوب استعمال کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں بہت سی ایسی عورتوں سے ملے جو مختلف ہنروں کی ماہر تھیں یا مختلف کاروبار کرتی تھیں لیکن آپ ﷺ نے کبھی انہیں منع نہیں فرمایا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گھریلو حالات اور معاشی دباؤ کے تحت اگر عورتوں کو کارزار زندگی میں قدم رکھنا پڑے تو انہیں مختلف ہنر سیکھنے چاہیے اور ان میں حصہ بھی لینا چاہیے تاکہ روزگار کا سلسلہ بن سکے۔

3

فصلِ سوم

عورت کی فکر معاش کے اسباب

عورت کی فکر معاش کے اسباب

آج کی دنیا میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ ہر میدان میں کام کر رہی ہیں یا کام کرنا چاہتی ہیں۔ یہ تبدیلی اچانک نہیں آئی بلکہ اس کے پیچھے پہلی اور خاص طور پر دوسری جنگ عظیم کی بے پناہ تباہ کاریاں ہیں جن کے باعث مغربی معاشروں میں افرادی قوت کا بحران پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے ماہرین کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خواتین کو معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ شریک کر لیں۔ خواتین کی معاشی جدوجہد پر بات کرتے ہوئے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت ملازمت کیوں کرے جبکہ اس کی اور خاندان کی کفالت مرد کے ذمے ہے؟

اس میں شک نہیں کہ عورت کو معاشی مصروفیت سے آزاد رکھا گیا ہے تاکہ وہ خاندان کی بقا اور ترقی پر اپنا وقت صرف کر سکے لیکن بعض اوقات اسے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دوسرا کوئی کام کرنے کا حق نہیں رکھتی یا اس کے لیے معاشی جدوجہد کے تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں یہ ایک غلط خیال ہے اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عورتوں نے اپنے گھروں کے علاوہ معاشی جدوجہد میں ہمیشہ حصہ ڈالا ہے آج کی عورت بھی اپنے مرد کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے معاشرے میں مصروف عمل ہے اس کے باہر نکلنے کے بہت سے اسباب ہیں جن میں چند نمایاں اور اہم اسباب کا تذکرہ میں اس فصل میں کرنا چاہتی ہوں۔

1. بیوگی، بے سہارگی اور شوہر سے مالی تعاون

عورت کا ملازمت کرنا اسلام کے عائلی نظم کی روح سے متصادم ضرور ہے تاہم اسے حرام قرار نہیں دیا جاتا خاص طور پر جب یہ ملازمت ذاتی مجبوری اور حالات و حوادث کے دباؤ کے تحت کی جا رہی ہو تو یہ فعل اسلام کی نظر میں قابل تحسین بن جاتا ہے۔ جب شوہر کی معذوری یا موت یا شوہر کی مالی حالت کے اچانک کسی بحران کا شکار ہو جانے پر عورت کا جذبہ رفاقت اسے مجبور کرتا ہے کہ آگے بڑھ کر محنت اور ملازمت کر کے شوہر کے لیے سہارا ثابت ہو یا اس کی موت کی صورت میں معصوم بچوں کی کفالت کا فریضہ سرانجام دے۔ ایسے وقت میں ضرورت ہے کہ معاشرہ اعلیٰ اقدار کا حامل ہو اور کسی مرد کو مصیبت کا شکار ہو جانے پر معاشرہ اس قدر تعاون کرے جس کے نتیجے میں وہ ادبار و مصیبت سے نکل آئے۔ ایسے لمحات بھی پیش آجاتے ہیں کہ باپ بوڑھا ہے اور اس کی صرف بیٹیاں ہیں یا بیٹے سب سے چھوٹے ہیں اور کنبے کی معاشی حالت دگرگوں ہے تو چھوٹے بہن بھائی اور بوڑھوں کی کفالت اور گھر کی دال روٹی چلانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ گھر کی باصلاحیت، احساس ذمہ داری رکھنے والی اور کسی مناسب ملازمت کے لیے اہل خاتون ملازمت اختیار کرے تو ایسا کرنے میں کوئی شرعی اور اخلاقی قباحت نہیں ہے بس ملازمت کرنے والی خاتون کے دل میں یہ احساس رہنا چاہیے کہ گھر کے ماحول سے نکل کر باہر کی دنیا میں نوکری خاص حالات ہی میں اس کے لیے روا ہے۔ اس کی مثال حضرت شعیب علیہ السلام کی زندگی سے لی جا سکتی ہے وہ خود بوڑھے ہیں اور گھر میں کوئی بیٹا نہیں ہے تو ان کی دو بیٹیاں روزانہ کنویں پر پانی بھرنے لیے جاتی ہیں جس میں ایک دن ان کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو جاتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس حال میں کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس انتظار میں ہیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو بعد میں ہم پلائیں گے کیوں کہ ہمارا باپ بوڑھا اور

کمزور ہے وہ وہاں آنے کے قابل نہیں نہ وہ پانی نکال سکتا ہے نہ ہم اتنا بھاری ڈول نکال سکتی ہیں چرواہے چلے جائیں گے تو ان کا بچا کچا پانی ہم پلالیں گے یا بعد میں تھوڑا تھوڑا پانی نکال کر انہیں پلائیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مدد کی۔[1]

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کا اپنا ایک کفالتی نظام ہے وہ سرکاری بیت المال سے تمام ضرورت مندوں کو حصہ دلواتا ہے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے تمام ضرورتمند، محتاج، اور معذور لوگوں کی مالی امداد کرے اور ان کے اخراجات کی کفیل بنے۔ پھر اسلام ہر صاحب استطاعت پر زکوۃ فرض کرتا ہے صدقات وخیرات کے نظام کے ذریعے سے اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کی خبر لینے کی تاکید کرتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اپنی اس بیٹی پر خرچ کرو جو بیوہ یا مطلقہ ہو کر تمہارے پاس آگئی ہے اب اس کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔[2]

لیکن موجودہ حالات میں جبکہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی حکومت نہیں ہے مسلمان بھی اہل مغرب کی طرح مادیت اور نفسا نفسی کا شکار ہو چکے ہیں اپنے غریب رشتہ داروں اور ہمسایوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے بلکہ خود چچا اپنے یتیم بھتیجے، بھتیجیوں کی ساری جائیداد ہتھیا کر انہیں گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ ان حالات میں خواتین مجبور ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کا معاشی بار اٹھائیں۔

کسی جگہ پر اگر غریب رشتہ دار عورتوں کا بوجھ برداشت بھی کیا جاتا ہے تو بھی خواتین کو کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں سب سے بڑی مشکل عزت نفس کی قربانی ہے مجبور خواتین اور ان کے بچوں کی مالی مدد کے نتیجے میں ان کو اتنا زیر بار کیا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت ومرتبہ گھر کے کم تر افراد کا سا ہو جاتا ہے ایسی خواتین کا خود اپنی معاشی ضرورت کے لیے باہر نکل جانا بے عزتی تصور ہوتا ہے اور دینے والا ہاتھ افضل ہے کے مصداق گھر کے بقیہ افراد کی حیثیت ان کے مقابلے میں برتر ہوتی ہے ایسے موقع پر عورت بہتر سمجھی ہے کہ وہ غیر خاندان پر بوجھ بننے یا اپنی بے عزتی مزید برداشت کرنے کے بجائے خود معاش کی تلاش میں باہر نکل جائے کیونکہ ملازمت کرنے والی عورت کے عزت نفس کے مسئلے اتنے سنگین نہیں رہتے۔

لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ ایک دفعہ جب عورت کو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے میدان عمل میں آنا پڑتا ہے تو سارے خاندان کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ اب گویا اس نے ساری زندگی کام کرنا ہے، کمانا ہے اور سب کی ضروریات پوری کرنی ہیں اس صورتحال کو یکسر بدلنے کی ضرورت ہے اس طرح بچوں کا بچپن نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ چھن جاتا ہے گھر کا تصور پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔

گھر سے باہر نکلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات خاندان کی ضرورت ہوتی ہے کہ عورت معاش میں شوہر سے تعاون کرے یہ صورت حال بالعموم محنت کش طبقے میں دیکھی جاتی ہے کہ میاں بیوی دونوں کی سعی وجہد سے معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں انفرادی طور پر اس طرح کی مجبوری کسی اعلی تعلیم یافتہ یا ہنر مند خاتون کو بھی لاحق ہو سکتی ہے اس صورت میں وہ اگر کوئی جائز ذریعہ معاش اختیار کرتی ہے تو اس کا اسے حق ہو گا۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے بھی ملتی ہیں جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور اپنی تجارت خود کیا کرتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہی کا سامان تجارت لیکر اپنی عمر کے 25 سال میں شام کی طرف تشریف لیکر گئے۔ اور اسی سفر سے واپسی پر

---

① سورۃ القصص، 28 : 23، 24

② سنن ابن ماجه : كتاب الأدب ، باب بر الوالد والإحسان الى البنات، 3667

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانداری کا تذکرہ ان سے کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی مالدار ترین خاتون تھیں اور ان کی بین الاقوامی تجارت شام و یمن کے بین الاقوامی مراکز کے علاوہ عرب کے مختلف بازاروں سے بھی ہوتی تھی اور وہ مضاربت واجرت کی بنیاد پر گھر بیٹھے مردوں سے۔ مختلف مردوں۔ سے تجارت و کاروبار کراتی تھیں اور نفع کماتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت کا ایک اور اہم زاویہ ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے اور اصولی علماء وفقہا کے غور و فکر کے لائق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارتی سرگرمی جاری رہی اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر کے شریک وسہیم رہے۔[1]

ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

> میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی (طلاق کے بعد ان کو عدت کے دن گھر ہی میں گزارنے چاہیے تھے لیکن انہوں نے دوران عدت ہی) اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور (فروخت کرنے) کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا (کہ اس عرصے میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لیے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:
>
> «أُخْرُجِيْ فَجَدِّيْ نَخْلَكِ لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا»[2]
>
> کہ کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو (اور فروخت کرو) اس رقم سے بہت ممکن ہے کہ تم صدقہ وخیرات یا کوئی بھلائی کا کام کر سکو (اس طرح یہ تمہارے لیے اجر آخرت کا سبب ہوگا۔)

اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ شریعت عورت کو باہنر اور اس قابل دیکھنا چاہتی ہے کہ ضرورت پڑنے پر نہ صرف اپنی بلکہ وہ اپنے قریب دوسروں کی بھی معاشی مدد کر سکے اور اس کے ہاتھوں بھلے کام انجام پائیں اور چونکہ کھجوروں کو اتارنے کے لیے عدت کے ختم ہونے کا انتظار کرنے سے اس خاتون کے معاشی مفاد پر ضرب پڑتی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے احکام میں بھی گنجائش نکال لی۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امور خیر کی تکمیل کے لیے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دور اول کی خواتین ضرورت پڑنے پر بازار اور کھیت وغیرہ آیا جایا کرتی تھیں۔

بعض حالات میں عورت کی معاشی جدوجہد پر اس کو دوہرا ثواب ملنے کی نوید بھی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں اس کے ذریعے اپنے اور اپنے خاوند اور اپنے بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

> «إِنِّي امْرَأَةٌ ذَاتُ صَنْعَةٍ أَبِيعُ مِنْهَا وَلَيْسَ لِيْ وَلَا لِوَلَدِيْ وَلَالِزَوْجِيْ نَفَقَةٌ»[3]
>
> میں ایک کاریگر عورت ہوں، چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں (اس طرح تو میں کما سکتی ہوں لیکن) میرے شوہر اور بچوں (کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس لیے) ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔

---

① شبلي نعماني، سيرة النبي : 1 / 185-190

② مسند أحمد : باب حديث رائطة امرأة عبدالله، 16513

③ سنن ابوداؤد : كتاب الطلاق ، باب في المبتوته تخرج باالنهار ، 2297

اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کر سکتی ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا، ہاں! تم کو اس کا اجر ملے گا۔[1]

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے۔ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر نے ایک مرتبہ غیر ارادی طور پر کہہ دیا کہ آج سے تمہاری حیثیت میری ماں کی سی ہے۔ بعد میں دونوں مسئلہ دریافت کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے شوہر کو حکم دیا کہ اجازت ملنے تک تم اپنی بیوی سے الگ رہو، یہ سن کر بیوی نے کہا:

«يَارَسُولَ اللهِ مَالَهُ مِنْ شَيْءٍ وَمَا ينفق عَلَيهِ أَنَا»[2]

کہ اللہ کے رسول ﷺ! ان کے پاس تو خرچ کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں (پھر وہ مجھ سے الگ رہ کر کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں؟)

روزنامہ جناح نے ایسی خواتین کے شب و روز جاننے کے لیے جو کہ نامساعد حالات میں اپنے گھر والوں کو Support کر رہی ہیں ایک سروے کیا جس میں سے چند خواتین کے حالات درج ذیل ہیں۔

- نورین ایک کمپنی میں ادویات کی پیکنگ کا کام کرتی ہے اس کا کہنا ہے کہ اگرچہ کام کافی محنت طلب ہے لیکن اب میں عادی ہو گئی ہوں اور اب مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آتی ہم آٹھ بہنیں ہیں اور صرف والد کمانے والے ہیں جس کی وجہ سے اخراجات پورے نہیں ہوتے میں سب سے بڑی ہوں اور میں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے میں نے سوچا کیوں نہ میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاؤں اور ان کے بوجھ کو کسی طور پر کم کرنے کی کوشش کروں۔
- بشریٰ ایک کپڑوں کی سلائی کی فیکٹری میں کام کرتی ہے اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اس کے 4 بچے ہیں اسکا کہنا ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے اور بچوں کو پالنے کے لیے اسے مجبوراً گھر سے نکلنا پڑا 6 گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد بھی اتنی تنخواہ نہیں ملتی جس سے اخراجات پورے ہوں اس لیے وہ رات کو محلے کے لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ میں اس لیے سخت محنت کر رہی ہوں کہ کل کو میرے بچے پڑھ لکھ کر کچھ بن جائیں اور میرا سہارا بنیں۔
- خالدہ اپنے گھر میں مصالحے تیار کرتی ہے اور پھر انہیں دوکانوں میں بیچتی ہے اس کے علاوہ کشن میکنگ کا کام بھی کرتی ہے اسکا کہنا ہے کہ میرے دو بچے ہیں شوہر معذور ہے وہ گھر بیٹھ کر لفافے تیار کرتا ہے ہم دونوں کام کرتے ہیں اس کے باوجود گزارا مشکل ہوتا ہے لیکن میں اپنے بچوں کو پڑھا ضرور رہی ہوں تاکہ انہیں کسی قسم کا احساس کمتری نہ ہو اور وہ معاشرے میں سر اٹھا کر جئیں۔[3]

---

① السنن الكبري للبيهقي: 4 / 179

② طبقات ابن سعد: 8 / 276

③ روزنامہ جناح، 22 اپریل 2009

2. متعین معاشی حقوق سے محرومی

پاکستانی معاشرہ میں عورتوں کو حق وراثت اور حق مہر حاصل کرنے میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اکثر باپ تو اپنی زندگیوں میں ہی جائیداد بیٹوں کے نام کر جاتے ہیں لڑکیوں کی شادیاں اس وجہ سے نہیں کی جاتیں کہ جائیداد دوسرے گھروں میں داماد کے ہاتھ چلی جائیگی۔ چند دن پہلے ایک خاتون نے بتایا کہ ان کے امیر کبیر باپ نے اچھرہ میں اپنی 8 کروڑ کی پراپرٹی بیچی اپنی تین بیٹیوں کو 8،8 لاکھ روپے دیے اور بقیہ پراپرٹی میں سے 1،1/2 ،،1/2،1 کروڑ اپنے باقی تین بیٹوں کے نام کر دیے۔ اپنی وفات کے قریب وہ جس بیٹے کے پاس رہتا تھا باقی رہ جانے والی جائیداد Automatically اس کو مل گئی اس طرح تینوں بیٹیوں کو 8 کروڑ کی جائیداد میں صرف 8،8 لاکھ روپے ملے۔

ایسے بہت سے قصے ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ پھر شوہر سے نان و نفقہ کے حصول میں بیوی کو بہت سی پیچیدگیوں اور دشواریوں کا سامنا ہے۔ اور جب عورتوں کے معاشی حقوق یعنی ملکیت جائیداد، حق مہر اور وراثت وغیرہ عملاً روبہ عمل نہیں ہوتے تو ان میں غربت، بے بسی اور کمزوری کا احساس نشو و نما پاجاتا ہے اپنی اسی بے بسی اور کمزور حیثیت کو بدلنے کے لیے عورتیں خود ملازمت کے لیے گھروں سے باہر نکل آتی ہیں۔

معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے یہ انتہائی ناگزیر ہے کہ عورت کو اس کے حقوق دیے جائیں کیونکہ عورت نصف انسانیت ہے۔ ثابت شدہ بات ہے کہ اگر اس کے حقوق کی نفی کی جائیگی تو اس کے بھیانک نتائج رونما ہوں گے اور مجموعی طور پر معاشرہ بگاڑ اور انتشار کا شکار ہو جائیگا۔

قدیم معاشروں میں عورت کے حقوق کی تعیین انسانی عمل و علم کی بنا پر کی گئی جس کی بدولت عورت کے ساتھ بے انصافی اور انتہا پسندی کا رویہ رکھ گیا۔[1] جس کے نتیجے میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج پھر عورت کے حقوق کی غلط تعیین کی جارہی ہے ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے اس صورت حال کا منطقی اور فطری تجزیہ کیا ہے کہ جب کسی کو حقوق سے محروم کیا جاتا تو نتیجہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ہر انتہا پسند دعوی زندگی کو کسی ایک پہلو کی طرف موڑتا اور کھینچے لیے جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ سواء السبیل (صراط مستقیم) سے بہت دور جاپڑتی ہے تو خود ہی زندگی کی بعض دوسری حقیقتیں جن کے ساتھ بے انصافی ہورہی تھی اس کے خلاف بغاوت شروع کر دیتی ہیں اور یہ بغاوت ایک جوابی دعوے کی شکل اختیار کر کے اسے مخالف سمت میں کھینچنا شروع کر دیتی ہے۔ جوں جوں سواء السبیل قریب آتی ہے ان متصادم دعوؤں کے درمیان مصالحت ہونے لگتی ہے اور ان کے امتزاج سے وہ چیزیں وجود میں آتی ہیں جو انسانی زندگی میں نافع ہیں۔ لیکن وہاں نہ سوا السبیل کے نشانات دکھانے والی روشنی موجود ہوتی ہے ار نہ ہی اس پر ثابت قدم رہنے والا ایمان تو وہ جوابی دعوی زندگی کو اس مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتا بلکہ اپنے زور میں اسے دوسری جانب انتہا تک کھینچتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پھر زندگی کی کچھ دوسری حقیقتوں کی نفی شروع ہو جاتی ہے اور نتیجے میں ایک دوسری بغاوت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔[2]

---

① انسانی حقوق واسلامی تعلیمات کی روشنی میں از مولانا عبدالرحمن کیلانی: ماہنامہ محدث، شمارہ 100، جلد33، ص 47

② تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی: 1 / 454

4۔پاکستانی معاشرے میں عورت کا معاشی کردار

پاکستانی خواتین کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جنہیں نہ تو تعلیم تک رسائی ہے اور نہ علاج معالجہ کی سہولت میسر ہیں۔انہیں نہ تو روزگار کے مواقع میسر ہوتے ہیں اور نہ گھر کی چار دیواری میں مؤثر آواز ملتی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ ہمارا گھریلو نظام عورت کو معاشی تحفظ دینے اور خوشیوں کی ضمانت فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔دوسری طرف موجودہ خاندانی لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے معاشرتی اور سیاسی ترقی میں بھی شدید مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔جبکہ ان گھریلو لڑائی جھگڑوں کی بڑی وجہ خاندان کی معاشی ضرورتوں کا پورا نہ ہونا ہے ایک طرف منہ بسورتے میاں بیوی اور باپ بیٹے کے شکوؤں کا ذکر ہے تو دوسری طرف آئے دن چولھا پھٹنے کی وارداتیں ہمارے اس معزز معاشرے میں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔

شمالی علاقہ جات میں تو عورت ایک غلام کی سی زندگی گزار رہی ہے جس کی خرید وفروخت بھی کی جاتی ہے اکثر خواتین کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا ملکیت کو خاندان کے ندر رکھنے کے لیے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں خاندان میں جائیداد کی وجہ سے اکثر ان کی شادی ہی نہیں کی جاتی یا پھر قریبی رشتہ داروں میں بے جوڑ شادی کر دی جاتی ہے بعض علاقوں میں عورت کی شادی کے وقت ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لڑکیاں بڑی قیمت نہ لگنے کے باعث بوڑھی ہو جاتی ہیں وٹے سٹے کی شادی بھی اکثر عورت کے معاشی حقوق سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔

روزنامہ نوائے وقت کے مطابق

> پاکستان میں اسوقت 40 لاکھ سے زائد لڑکیوں کی شادی کی عمر گزر چکی ہے پاکستان کے ہر چوتھے گھرانے میں اس وقت 2 سے زائد لڑکیوں کی عمر شادی کی ہے۔اکثر والدین جہیز نہ ملنے کی وجہ سے بیٹیوں کی شادی میں بہت مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔[1]

روزنامہ پاکستان لکھتا ہے:

> پاکستان کی ساری عورتیں ملازمت پیشہ نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی مرضی سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے میں خود مختار نہیں ہیں۔حق مہر جو شریعت نے عورتوں کی معاشی حالت مستحکم کرنے کے لیے مقرر کیا تھا پاکستانی معاشرے کی زیادہ اکثریت کے لیے محض ضابطہ کی کاروائی بن کر رہ گیا ہے شادی کے وقت 32/49 روپے مقرر کرنے کا رواج عام ہے۔حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے بھائی صاف لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم سے تعلق رکھنا چاہتی ہو تو مال وراثت کے مطالبے کو بھول جاؤ۔[2]

کئی عورتوں کی شادی دیر سے ہونے کی وجہ ان کی معاشی کمزوری ہے لڑکے والے یہ توقع کرتے ہیں کہ ہر موقع پر لڑکے کے خاندان کے تمام لوگوں کے لیے انتہائی قیمتی تحفے تحائف دیے جائیں اور لڑکی جہیز کی صورت میں اپنے ساتھ تمام قیمتی اور اہم اشیاء ساتھ لائے۔

گھریلو خواتین مردوں کے مقابلے میں جو خدمات انجام دیتی ہیں وہ کسی طور بھی مرد کی ملازمت سے کم نہیں فرق صرف یہ ہے کہ مرد کو ملازمت کرنے کے بعد ایک معقول رقم بطور تنخواہ ملتی ہے جو اسے معاشرے میں ممتاز کر دیتی ہے گھریلو عورت چونکہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہے اس لیے اسے اپنے اخراجات کے لیے مرد کی خادمہ،ملازمہ بن کر اس کی منتیں کرنی ہوتی ہیں اسے اپنی خدمات کے بدلے میں بطور احسان مرد سے گھر چلانے کے لیے اور بچوں کا خرچ ملتا ہے جس کے ساتھ کوئی شکریہ یا تعریفی الفاظ نہیں ہوتے۔

---

① روزنامہ نوائے وقت، 9 جون 2008

② روزنامہ پاکستان، 5 اگست 2009

اس طرح عورتوں کا ملازمت کے لیے گھروں سے باہر نکلنے کی ایک بڑی وجہ ان کے اپنے مردوں کا رویہ ہوتا ہے مرد سمجھتا ہے کہ میں چونکہ کما کر لاتا ہوں اور عورتیں مفت میں بیٹھ کر گھر میں کھاتی ہیں اس لیے تمام قسم کے حقوق صرف مردوں کے لیے ہیں عورت کے لیے لازم ہے کہ اس کی تابعداری کے لیے اس کی خدمت کے لیے ایک لونڈی کی طرح ہر وقت تیار رہے۔

درحقیقت ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بیوی کو محکوم سمجھنے کی ایک روایت معاشرہ میں موجود ہے۔ خاوند بیوی کو انسان سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں اس کے زندہ وجود سے انکار کرتے ہوئے بعض اوقات اس کو بلکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اکثر گھروں میں شوہر اور بیوی کا تعلق آقا اور محکوم کا سا ہے۔ شوہر عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اور بچے پالنے کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں ان کے نزدیک یہ کام تو ہر عورت کر رہی ہے اس میں کیا خاص بات ہے۔ اس کے برعکس جب عورت ملازمت کرتی ہے۔ مرد کی ذمہ داری میں ڈائریکٹ تعاون کر رہی ہوتی ہے اور معاشرہ بھی اس کی مضبوط حیثیت کو تسلیم کر لیتا ہے تو ایسے میں وہ خاوند کی نظروں میں بھی اہم بن جاتی ہے اب خاوند کے رویوں میں واضح فرق نظر آنے لگتا ہے وہ بیوی سے Adjustment کی کوشش کرتا ہے اس کی رائے کو اہمیت دیتا ہے جبکہ یہی عورت جب اس کی پہلے بھی بیوی تھی تو مرد کو نہ تو اسکے موڈ کی پرواہ تھی اور نہ ہی اس کی خوشی کی۔ معاشی تعاون کرنے کی صورت میں اب مرد اسکی صحت کی طرف توجہ دیتا ہے اس کی تفریح کا بھی خیال رکھتا ہے۔

عورت کی ملازمت کا فرق مرد کے علاوہ عورت کے اپنے رویے پر بھی نظر آتا ہے۔ وہ خاتون جو پہلے ہر ایک کی نظر کرم کی منتظر سب کو راضی رکھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ مردوں کی حاکمیت کا بوجھ اس کی برداشت سے زیادہ تھا۔ وہ ساری کوششیں اس بات پر صرف کر رہی تھی کہ کسی طرح اس کے ارد گرد والے اس کی وجود کی اہمیت کو تسلیم کر لیں۔ بہن بھائی، سسرالی رشتہ دار ، اور ہمسائے اس کی ذات کو اہمیت دیں۔ اب معاشرہ میں مقام پا جانے کی بنا پر انفرادی طور پر ہر فرد کو راضی رکھنے پر مجبور نہیں رہی۔ وہ اپنی ذات کا اعتماد حاصل کر چکی ہے۔ اب ارد گرد کے رویے اسی کے مطابق Develop ہوں گے۔ اگر کوئی اس کے وجود کی اہمیت کو تسلیم نہیں بھی کرتا تو اسے فرق نہیں پڑتا۔ وہ خود اپنی اہمیت سے واقف ہو چکی ہے۔ اب وہ معاشی حقوق سے محرومی کی بناء پر خود ترسی کا شکار بھی نہیں ہے کہ اس نے اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا سیکھ لیا ہے۔

روایتی عورت کا مثالی کردار یہ تھا کہ وہ گھریلو کام کاج میں زندگی بسر کرے لیکن نئی صورتحال میں معاشرے کو یہ اصول تسلیم کرنا پڑا کہ روزی کمانے کے بنیادی حق میں مردوں اور عورتوں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا جب عورت روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو گھریلو فیصلوں میں اسکی رائے کا وزن بڑھ جاتا ہے اس کی مالی محتاجی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جس گھرانے میں مرد و عورت دونوں برسر روزگار ہوں وہاں مرد کی روایتی بالا دستی کو لازمی طور پر دھچکا پہنچتا ہے معاشی سطح پر خود کفیل عورت محض دو روٹی کے لیے نہ تو شوہر سے پٹائی کرانے پر امادہ ہوتی ہے اور نہ بچوں سے لیکر پیشہ وارانہ تک ہر معاملہ میں شوہر کے اشارہ آبرو کی محتاج ہوتی ہے۔

جب معاشی سرگرمی میں عورتوں کی بھرپور شرکت کو بطور اصول تسلیم کر لیا گیا تو عورتوں پر گھریلو کام کاج کا بوجھ کم کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہونے لگی چنانچہ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ گھریلو کام کاج میں مدد دینے والے بیشتر آلات مثلاً واشنگ مشین ، ویکیوم کلینر، بجلی کا چولھا اور ریفریجریٹر وغیرہ بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھائی دہائی میں متعارف ہوئے۔

ایک اور زاویہ سے جائزہ لیں تو دفتر یا کارخانے میں کام کرنے والی عورت سے یہ توقع نہیں رکھی جاتی کہ وہ ان عورتوں کی طرح

آٹھ دس بچے پیدا کریگی جن کی زندگی کا دائرہ شوہر، بچوں اور باورچی خانے تک محدود تھا چنانچہ خاندان میں افراد خانہ کی اوسط تعداد کم ہوگئی۔ معیار زندگی میں بہتری آئی افراد کو غذائیت، علاج معالجہ اور تعلیم کی بہترین سہولتیں میسر آنے لگ گئیں۔

اب آیئے سروے کے کچھ اعداد و شمار پر نظر ڈالتے ہیں:

اس سوال کے جواب میں کہ: کیا وجہ ہے کہ آپ ملازمت کرتی ہیں؟

18% کا جواب تھا کہ سرپرست موجود نہیں ہیں جبکہ 6 فی صد کا کہنا تھا کہ سرپرست ہیں مگر معذور ہیں 56 فیصد کا کہنا تھا کہ ان کے شوہروں یا سرپرستوں کی آمدنی بہت قلیل ہے جس میں گزارہ مشکل ہے۔ جبکہ شوقیہ ملازمت کرنے والیوں کی تعداد 4 فیصد ہے 15 فیصد اپنی صلاحیت کو استعمال کرنا چاہتی ہیں یعنی 18 فیصد عورتیں اپنے ذوق کی بنا پر ملازمت کر رہی ہیں باقی خواتین کے ساتھ مختلف مجبوریاں ہیں۔[1]

3. معاشرتی رسم ورواج

ہمارے مروجہ خاندانی نظام کی بنیاد دو نکات یعنی جائیداد اور دیگر ملکیتی مفادات کا تحفظ نیز جسمانی تقاضوں کو جھٹلائے، دبانے اور چھپانے پر ہے مروجہ نظام میں پائی جانے والی بیشتر خرابیوں کی تہہ میں مالی مفادات کارفرما نظر آتے ہیں ہمارے رسم ورواج مثلاً وٹہ سٹہ، بے جوڑ شادیاں، خاندان سے باہر شادی سے گریز، جہیز، ولور، سوارہ، لب وغیرہ کا بنیادی مقصد جائیداد اور دیگر ملکیتی مفادات کا ہی تحفظ ہے نچلے اور متوسط طبقے پر اقتصادی دباؤ بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان خرابیوں میں مزید اضافہ ہو گا۔[2]

عورتوں کے ساتھ ناانصافی پر بات کرتے ہوئے ایک خاتون لکھتی ہیں:

> بیٹی جب تک اپنے باپ کے گھر میں ہوتی ہے گھر کے تمام کام کاج کرتی ہے بڑوں سے لیکر چھوٹوں تک سب کی تابعدار ہوتی ہے اس کے باوجود اسے روٹی سب سے آخر میں ملتی ہے جب بیاہ دی جاتی ہے تو دوسرے گھر کی جاگیر ہوتی ہے یہاں بھی اسے سکھ کا سانس نہیں ملتا کبھی جہیز لانے پر طعنے سنتی ہے۔ کبھی اپنی حقوق کی بات کرنے پر جلا دی جاتی ہے چولھے ایسے ہی گھروں میں پھٹتے ہیں جہاں عورت اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی ہے۔
>
> غریب خاندانوں میں عورتوں اور کم عمر بچوں کی حیثیت پیداواری یونٹ کی ہوتی ہے جو کام کاج اور محنت مزدوری کر کے پیسے نہ لائیں تو فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[3]

رشتے کا انتخاب، شادی کی تقریب اور مابعد ضروریات کی مناسبت سے طرز زندگی میں ایسے رسم ورواج شامل ہو گئے ہیں جن کے باعث عام مالی حیثیت کے افراد کے لیے اس فریضہ کی ادائیگی خاصی مشکل بن چکی ہے لڑکیوں کے جہیز کے مسئلے کو حل کروانے کے لیے اور ان کی تقریبات پر اخراجات کے لیے لوگ پسند کرتے ہیں کہ لڑکیاں شادی سے قبل ملازمتیں کریں اور اپنا جہیز کا بوجھ خوا اٹھائیں۔ پھر جہاں ایک طرف لڑکی سے زیادہ سے زیادہ جہیز لانے کی امیدیں باندھی جاتی ہیں وہیں اس سلسلہ میں نمودونمائش کا

---

① خواتین: معاشی اختیار اور تعلیم از سلیم منصور خالد: ص 85

② روزنامہ آج کل 11 اپریل 2009

③ روزنامہ جنگ 6 اگست 2009

سلسلہ بھی عروج پر ہے اس لئے جو لوگ اپنی بیٹیوں کو بھاری بھر کم جہیز دیتے ہیں ان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ ہر چیز کو کھول کھول کر دنیا کو بھی دکھائیں۔

جہیز کی ذمہ داری کے علاوہ شادی کے موقع پر لڑکے کے لیے سلامی میں گاڑی، لڑکی کے نام پر پلاٹ اور بقیہ سسرالی رشتہ داروں کے لیے قیمتی تحائف مثلاً ساس کے لیے سونے کے کنگن، نندوں کے لیے جھمکیاں، دیور کے لیے موٹر سائیکل اور بقیہ بڑی تعداد میں سسرالی رشتہ داروں کے لیے قیمتی جوڑوں کا ہونا پاکستانی شادی کا لازمہ ہے جس کی ساری ذمہ داری لڑکی کے گھر والوں پر ہے۔ اس کے علاوہ اکیلے برات کا کھانا ہی چار، پانچ لاکھ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ لڑکے والوں کی ڈیمانڈ براتیوں کی بڑی تعداد، بہترین ہوٹل، شاندار کھانے کی ہوتی ہے اور یہ ان کی عزت و آن کا مسئلہ ہے ان ساری ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے لڑکیوں کے والدین کو خطیر رقم درکار ہوتی ہے۔

لہذا لڑکیوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی سے قبل اپنی تعلیم کا استعمال کرتے ہوئے اپنے والدین کی معاشی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹائیں اور ان کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ یہ پیسہ انہی کے مفاد پر خرچ ہو رہا ہے لہذا اس قسم کے رسم ورواج شادی سے قبل لڑکیوں کی ملازمت کرنے کی اہم وجہ بن جاتے ہیں۔

شادی کے بعد کی زندگی پر نظر ڈالیں تو عورت کی زندگی کا دائرہ کار اس کا سسرال ہے جس میں شوہر کی آل اولاد، والدین بہن بھائی اور اس خاندان کے ضعیف لوگ شامل ہیں۔ یہ خاندان عورت کا Work place ہے اس نے شوہر کے علاوہ ان سب کو راضی کرنا ہے اس نے ایک ڈھانچے میں پرزے کی طرح خود شامل ہونا ہوتا ہے ڈھانچہ نہیں بدلتا۔ پرزے کو ڈھانچے کی ضرورت کے مطابق خود کو ڈھالنا ہے جس کے لیے عورت کو سارے سسرال کی غلامی کرنا پڑتی ہے یہ دور اس وقت تک طویل رہتا ہے جب تک سسرال کے سارے بزرگ چھٹ کر صاف نہیں ہو جاتے اور اسے وہ بزرگی کی سیٹ نہ مل جائے۔ اب یہ جبر نئی آنے والی پر ڈھایا جاتا ہے جس سے وہ عورت خود گزری ہوتی ہے۔

اگر تو سسرال کا ادارہ اتنا مضبوط ہے کہ اس کو تسخیر کرنا عورت اپنا کمال سمجھتی ہے اور اسکے نتیجے میں اس کو فائدے کے امکان نظر آتے ہیں تو عورت کی گھریلو جدوجہد کے لیے یہ فائدے محرک بن جاتے ہیں لیکن موجودہ معاشرتی صورت حال میں خاندانی ادارہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور شدید معاشی بحران سے گزر رہا ہے جس میں نئے آنے والے بوجھ تو بنتے ہیں محافظ نہیں بنتے۔ اور نہ ہی خاندان اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ عورت اس کو تسخیر کرنے میں دلچسپی محسوس کرتی ہے اب اگر عورت تعلیم یافتہ ہے تو اس کے لیے سسرالی ادارے میں دلچسپی مفقود ہے اور وہ بیرونی دنیا کو تسخیر کرنے کا عزم لیکر گھر کے ادارے کو چھوڑ دیتی ہے بیرونی ادارے میں اسے وہ فوائد نظر آرہے ہیں جو اس کی مشقتوں کا صلہ بنتے ہیں اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ بہتر صلہ کی امید میں اپنی توانائیوں کو لگاتا ہے اور جب اس کو اپنی مشقت کے اختتام پر صلہ ملنے کی امید نہ ہو تو ایسی جگہ پر محنت کرنا بے فائدہ امر بن جاتا ہے لہذا آج کی عورتیں اپنی تعلیم اور ٹیلنٹ کا بہترین عوض پانے کے لیے خاندانی اداروں کی بجائے دیگر معاشرتی اداروں کو اہمیت دیتی ہیں۔

بسا اوقات مشترکہ خاندانی نظام اور سسرالی جھگڑے بھی عورت کی ملازمت کی بڑی وجہ بن جاتے ہیں مشینی دور ہونے کی وجہ سے شہری علاقوں میں گھروں میں کاموں کا وہ بوجھ نہیں رہا جو کچھ عرصہ قبل ہوتا تھا، پھر مشترکہ نظام میں کافی افراد ہوتے ہیں جو مل جل کر

کام جلدی سمیت لیتے ہیں اب گھریلو عورتوں کے لیے فارغ وقت میں مستقل جھگڑے، روک ٹوک، تنقید، غیبت و چغلی کے مواقع بہت آسانی سے میسر آتے ہیں خاوند تو صبح کا گیا شام کو ملازمت سے واپس آیا بیوی کو ساس، نندوں کے ساتھ ہی دن گزارنا ہے جس کے ساتھ اس کا شریکے کا رشتہ ہے اب عورت محسوس کرتی ہے کہ میں تو پورا دن صرف سسرال کی نوکری پر رہ گئی ہوں اور اس کے باوجود بھی سسرالیوں کے منہ سیدھے نہیں ہوتے ایسے میں تعلیم یافتہ عورت گھر سے باہر نکلنے کے بہانے نوکری ڈھونڈتی ہے میری اپنی ایک قریبی جاننے والی خاتون ہیں جو صبح 8 سے لیکر شام تک ملازمت کرتی ہیں کہ ان کی اپنی ساس سے بالکل نہیں بنتی حالانکہ ان کے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں اور شوہر معاشی طور پر مضبوط ہے اور ملازمت کے دوران میں ایک یا دو مرتبہ بچوں کی نگرانی کے لیے وہ گھر میں بھی چکر لگاتی ہے ان کا گھر میں گزارا مشکل تھا خود وہ ہنر مند ہیں تو انہوں نے یہی راہ فرار اختیار کی ہے ایسی بہت سی عورتوں کے قصے سننے میں آتے رہتے ہیں۔

رسم و رواج کے خاتمے کے لیے چند تجاویز

- غیر ضروری اخراجات پر پابندی کے لیے حکومتی قوانین پر سختی سے عمل درآمد کروایا جائے علاوہ ازیں جہیز اور نمود و نمائش پر پابندی کے قانون پر عمل درآمد کروانے کے لیے کوئی باضابطہ نظام اور طریقہ کار بھی واضح کیا جائے۔
- مساجد میں سماجی تقریبات کا انعقاد، خصوصاً نکاح کی تقریبات کے مسجد میں انعقاد کو فروغ دیا جائے اس سے بے جا اسراف میں خاطر خواہ کمی واقع ہو گی۔
- نکاح کی اجتماعی تقریبات کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ (سوڈان اور ملائیشیا میں اس کا عمومی اہتمام کیا جاتا ہے۔)
- بے جا اخراجات کو روکنے کے لیے بناؤ سنگھار انڈسٹری (بشمول بیوٹی پارلر) پر خصوصی ٹیکس عائد کیا جائے فی الوقت خواتین کا شادی پر اٹھنے والے اخراجات کا ایک بڑا سبب یہ صنعت بھی ہے۔
- نصاب تعلیم میں اسلامی تعلیمات اور مروجہ رسم و رواج کے درمیان خط امتیاز کو واضح کیا جائے اگر وہ دین کی واضح تعلیمات کے خلاف ہوں تو پھر ان کی بیخ کنی اولین ترجیح بن جانی چاہیے۔

4. معاشرتی تقاضے و ضروریات

اہل مغرب کی پیش نظر چونکہ ہر کام کا مقصد و منشاء مادی اغراض ہوتی ہیں لہذا مغرب میں تعلیم دینے کا مقصد محض اور محض مادی ہوتا ہے وہ انسان کو صرف معاش کمانے اور خواہشات کی تسکین کا مقصد دیتا ہے۔ لہذا وہ معاوضے کو بھی تنخواہ (یعنی جسم کی خواہش اور ضرورت) قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں بھی مغربی تعلیم بیش قیمت ملازمتوں کے حصول کے پردے میں دی گئی پہلے ان پر کاری وار کر کے ان کے معاش کے دروازے بند کیے گئے پھر اپنی تعلیم کے عوض ان کو ملازمتوں کا فریب دیا گیا۔

آج کل گلوبلائزیشن کا دور ہے امریکہ تمام دنیا سے اپنے معاشی فوائد سمیٹنا چاہتا ہے اسکا منشاء ہے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے تحت جب وہ مسلم ممالک میں داخل ہو تو وہاں اسے اپنی مصنوعات کی خاطر سستی لیبر مل سکے۔ وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب خواتین گھروں سے باہر ملازمتوں کے حصول کے لیے موجود ہوں اگر عورتیں پردہ دار اور گھروں میں بیٹھنے والی ہوں تو ان کے مفادات پورے نہیں ہوسکتے چنانچہ وہ اپنے معاشی مفاد کی خاطر بھی عورتوں کو گھروں سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔

اسی چیز کو اکبر الہ آبادی نے اس طرح بیان کیا ہے:

مذہب چھوڑو ، ملت چھوڑو ، صورت بدلو ، عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی اُمید اور اتنی مصیبت ! توبہ توبہ

موجودہ دور میں تعلیمی اداروں میں جو نصاب تعلیم رائج ہے اس کا مقصد محض امتحان پاس کرنا یا ڈگریاں لینا ہے ایسی تعلیم نوکریوں کے لیے مفید ہو سکتی ہے لیکن اسلامی تعلیم و تربیت کی ضرورت اس سے پوری نہیں ہوتی۔[1] یہی وجہ ہے کہ عورت فطری طور پر اپنے لیے تعلیم کے حصول کے بعد ملازمت کو ضروری سمجھتی ہے اور اس کے جواز کی کئی شکلیں پیش کرتی ہے جبکہ مغربی تہذیب کی جس ترقی یافتہ عورت کی چکا چوند سے متاثر ہو کر وہ ملازمت کے جواز پیش کر رہی ہے اسے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمارے مذہب اور ہماری مسلم معاشرت کے تقاضے اور روایات ان کے تمدن و معاشرت سے بالکل مختلف اور جدا ہیں۔

ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

یہاں نئی تعلیم نے ذریعہ ملازمت ہونے کے سوا کوئی اور فائدہ قوم اور لٹریچر کو نئی پہنچایا۔[2]

مغرب کی نقل کرتے ہوئے اخراجات کو اتنا وسیع اور زندگی کا معیار اتنا اونچا کر دیا گیا ہے کہ آمدنی اور خرچ کے دونوں سروں کو ملانا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے اور ہر ذریعہ سے کمانے کے بعد بھی ہل من مزید کے تقاضے ہیں یہی وجہ ہے کہ آجکل لڑکیاں بھی انہی مضامین کو بچپن سے پسند کرتی ہیں (یا والدین انہیں وہی مضامین لینے پر مجبور کرتے ہیں) جس کی اس وقت مانگ اور قدر و قیمت زیادہ ہے اسی خیال کا اظہار رسالہ عصمت میں بھی کیا گیا ہے۔

لڑکیوں کو تعلیم پہلے اس بات کو مد نظر رکھ کر دی جاتی ہے کہ لڑکے تعلیم یافتہ بیویاں پسند کرتے ہیں پھر یہ مقصد پیش نظر ہوتا ہے کہ شادی ہونے تک اور شاید شادی کے بعد بھی انہیں ملازمت کرنی پڑے عورتوں کو تعلیم دلانا حصول معاش کا ذریعہ ہے کا تصور اتنا عام ہو چکا ہے کہ اکثر غیور لوگ فی الواقعہ تعلیم اس لیے نہیں دلاتے کہ ان کے خیال میں عورت کا کمانا بڑی بے عزتی کی بات ہے۔[3]

قومی اور اجتماعی ضرورت بھی عورت کی ملازمت کا محرک بن سکتی ہے مثلاً لاکھوں طالبات، سکولوں، کالجوں اور جامعات میں زیر تعلیم ہیں۔ مرد اساتذہ کا ان طالبات کو پڑھانا بہت سے فتنوں کو جنم دے سکتا ہے۔ ان لاکھوں زیر تعلیم طالبات کو نامحرم مردوں کے سپرد کرنا بڑی برائی ہے اس کے مقابلے میں خواتین اساتذہ کو تعلیمی اداروں میں ملازم رکھ کر قوم کی بچیوں کو ان کے ہاتھوں زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہونے کا موقع دینا ایک اہم معاشرتی اور مذہبی ضرورت ہے۔

خواتین اساتذہ کے علاوہ گرلز کالجز میں ایڈمنسٹریشن میں بھی اگر خواتین ہوں تو زیادہ سہولت رہتی ہے۔ ہسپتالوں میں بیمار عورتوں کے علاج و معالجہ اور دیکھ بھال کے لیے خواتین ڈاکٹر اور نرسیں ہی موزوں ہو سکتی ہیں لہٰذا طب کے شعبے میں خواتین ڈاکٹروں اور نرسوں کا ہونا اہم قومی ضرورت ہے۔ نرسری کلاسز میں مردوں کی نسبت خواتین ٹیچر زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہیں اس طرح بے شمار

---

① خاتون اسلام کا دستور حیات از عبد القیوم ندوی: ص 156

② مسلمان عورت از فرید وجدی، مترجم ابو الکلام آزاد: ص 11

③ ماہنامہ عصمت، دسمبر 459، ص:323 جلد 103، نمبر 16

معاشرتی خدمات ایسی ہیں جہاں پر ایک عورت اپنی خدمت مرد کے مقابلے میں بہتر انجام دے سکتی ہے اس لیے ایسے بیش تر مواقع خواتین کے لیے مختص کیے جائیں جو خواتین معیشت میں حصے دار ہیں وہ معاشرے میں دوگنی خدمت انجام دے رہی ہیں اس لیے ان کے استحصال کو روکنے کے لیے ضرور آواز اٹھائی جانی چاہیے۔مثال کے طور پر ان کی تنخواہ کا سکیل مردوں کے برابر کیا جائے دوسری صورت میں ان کے اوقات کار میں کمی کی جائے تاکہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے لیے وقت نکال سکیں۔

عورتوں کی ملازمت کے بنیادی اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاشرے میں اعلیٰ تعلیم ،معاشی استحکام ار بہترین مناصب کے حصول کی خواہش دن بدن بڑھتی جارہی ہے لڑکوں کے علاوہ بالخصوص خواتین میں یہ طرز عمل جڑ پکڑ رہا ہے جس کی وجہ سے شادی کا مسئلہ بھی ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔انجام کار معاشرے میں لوگوں کی اچھی خاصی تعداد شادی کو اچھے کیریئر کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھتی ہے معاشی استحکام کی خواہش عورتوں میں بعض اوقات اتنی مضبوط تر ہوتی ہے کہ ان کی نہ صرف یہ کہ شادی کی عمر نکل جاتی ہے بلکہ اس کے بعد انہیں اپنے برابر کا کوئی ساتھی بھی ملنے میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔

مہنگائی اور بدلتے حالات کی وجہ سے خاندان کا تصور صرف میاں بیوی اور بچوں تک محدود ہوتا جارہا ہے اس کے علاوہ جو رشتے ہیں وہ کٹتے جارہے ہیں یوں دکھائی دیتا ہے کہ ہم اب ان رشتوں کو برداشت نہیں کرسکتے وہی چیز جو ایک بھائی اپنی بہن کے لیے پسند نہیں کرتا یا جہیز دینے پر اعتراض کرتا ہے جب اپنی بیٹی کی باری آتی ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے اور بھاری جہیز بھی مل جاتا ہے جس سے عورتوں میں اپنی بے وقعتی اور بے بسی کا احساس بڑھ جاتا ہے اس احساس کو ختم کرنے کے لیے آج کی ہر عورت اپنی ضروریات میں خود کفیل ہونا چاہتی ہے۔

پھر مادیت پرستی نے بھی آپس کی محبت کو ختم کر دیا ہے آج بھائی بھائی سے ، چچا بھتیجے سے ،دوست دوست سے نظریں چرائے ہوئے ہیں کہ کہیں مجھے دوسرے کے لیے کچھ کرنا نہ پڑ جائے اس سوچ نے ہر فرد کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنا پیسہ خود کمائے تاکہ دوسروں سے بے نیاز ہوسکے۔اسی طرح اگر کسی گھر میں بوڑھے ماں باپ ہیں کمانے والا صرف ایک اور کھانے والے کئی ہیں اور اردگرد کے رشتہ دار اپنی ذمہ داریوں سے نظریں چرائے ہوئے ہیں تو پھر گھر کی عورت کو بھی باہر نکلنا پڑتا ہے کیونکہ اب وہ صرف بیٹی اور بہن ہی نہیں ماں بھی ہے جو اپنے بچوں کو ناآسودہ نہیں دیکھنا چاہتی۔

مزید ازاں پاکستانی معاشرے کا معاشرتی (Setup) نمود و نمائش پر مبنی ہے جس کے پاس 4 پیسے ہیں وہ 8 پیسے شو(Show) کرنا چاہتا ہے کیونکہ عزت کا معیار(Status) ہے لہذا بڑا گھر،بڑی گاڑی ، شاندار زیور ،قیمتی لباس اور بہترین اسکول یہ سب بنیادی(Setup) کا حصہ بن گئے ہیں ان سب ڈیمانڈز کو پورا کرنے کے لیے ایک مرد کی تنخواہ کافی نہیں ہوتی ورنہ ماضی قریب تک اسلامی معاشرے کی روایت یہی رہی ہے کہ ایک مرد ہی اکیلے خاندان کا بوجھ اٹھاتا تھا لیکن ذرائع ابلاغ کی برکت سے ایک فرد کے لیے سارے اخراجات برداشت کرنا ممکن نہیں رہا اب مردوں کے ساتھ عورتوں کا (Earning Hand) لازمی ہے۔

عورتوں کے گھروں سے باہر نکلنے کے اسباب تلاش کرتے ہوئے میرے سامنے کئی مسائل واضح ہوئے ہیں جو کہ مختصراً درج ذیل ہیں:

معاشی اسباب

عورتوں کو حق مہر، نان ونفقہ اور حق وراثت کے حصول میں دشواریوں اور پیچیدگیوں کا سامنا ہے۔ ناکام شادیوں کے نتیجے میں ماؤں کی کفالت میں خاندان (Mother based families) وجود میں آرہی ہیں بچوں کی کفالت کے لیے ماؤں کو دہری ذمہ داریوں کا سامنا ہے۔

گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل خانہ کے اخراجات کا کفیل ہو اگر وہ اپنے فریضہ کی انجام دہی سے قاصر ہو، آمدنی کافی کم ہو تو عورت کو معاشی طور پر سرگرم ہونا پڑتا ہے۔

گھر کا سربراہ نہیں ہے وہ فوت ہو گیا ہے یا علیحدگی ہوگئی ہے یا بے روزگار ہے، کام نہیں کرنا چاہتا، بیمار ہے یا نشہ کرتا ہے۔ یہ نقطہ نظر عموماً مڈل اور لوئر کلاس کا ہوتا ہے۔

کنوری لڑکی اگر یتیم ہو جائے اور کوئی سرپرست یا نگران نہ ہو تو رہ معاش کے لیے باہر نکلتی ہے۔

معاشرتی رسم ورواج اور خاندانی جھگڑے

عصر حاضر کا ایک بڑا مسئلہ لڑکیوں کی شادی ہے لڑکیوں کے جہیز کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے لوگ اپنی لڑکیوں سے ملازمت کرواتے ہیں۔

عورتوں کے معاشی حقوق یعنی ملکیت، جائیداد اور وراثت وغیرہ عملاً روبہ عمل نہیں ہے عورتوں میں غربت اور بے بسی کا احساس بتدریج نشوونما پا رہا ہے اپنی بے بسی اور مقید حیثیت کو ختم کرنے کے لیے عورتیں معاشی میدان میں نکل آئی ہیں۔

مشترکہ خاندانی نظام اور سسرالی جھگڑے عورتوں کی ملازمت کی بڑی وجہ ہیں گھروں میں بیٹھی عورتیں غیبت، چغلی، بچوں کے جھگڑوں کے پیچھے کشیدہ تعلقات بنانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں دوسری طرف ساس بہو، دیورانی، جٹھانی کے جھگڑے ایسی وجوہات ہیں کہ گھر سے باہر نکل جانے والی عورت خود کو کارآمد اور مفید سمجھتی ہے۔

عصر حاضر کا تقاضا

بعض معاشرتی میدان ایسے ہیں جہاں صرف عورتیں ہی کر کام کر سکتی ہیں تو پھر عورتوں کو معاشی طور پر میدان میں نکلنا پڑتا ہے جیسے لیڈی ڈاکٹر، گرلز سکول و کالجز وغیرہ۔

اس مہنگائی کے دور میں اسودگی کے لیے عورت کی ملازمت ناگزیر ہو چکی ہے۔

ملک کی ترقی کے لیے ضرورت ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی کام کریں ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل پر لگانے کے لیے اپنی دماغی، جسمانی اور مالی قوت صرف کریں۔

موجودہ دور کی مادیت پرستی جس نے رشتوں کی پہچان ختم کر دی ہے اس سے بھی تنگ آکر عورتیں گھروں سے نکل آتی ہیں۔

مغربی تعلیم ملازمت کی بڑی وجہ ہے درحقیقت تعلیمی اداروں میں جو نصاب تعلیم رائج ہے اسکا مقصد ہی اوروں کی طرح محض امتحان پاس کرنا اور یونیورسٹی سے ڈگریاں حاصل کرنا ہے لہذا ایسی تعلیم ملازمت کے لیے مفید ہے۔ مزید ازاں نجی تعلیمی اداروں کے

بے حد و حساب قیام نے تعلیم کو کمرشلائز اور اسکول کی ملازمت کو ذمہ داری کی بجائے گلیمرس کر دیا ہے جو حال ہی میں تعلیم سے فارغ ہونے والی گریجویٹس اور ماسٹرز لڑکیوں کو متوجہ کر رہی ہے۔

اشتہار بازی پاکستانی معیشت کی بنیاد بن چکی ہے جس نے غیر ضروری کو بھی ضروری بنا دیا ہے یوں گلیمرس کی چوکا چوند ہر شخص کو حصول معاش کی ڈور میں شامل ہونے پر متوجہ کرتی جا رہی ہے۔

ہائیر مڈل کلاس کی زیادہ تر عورتوں کا کہنا ہے کہ ہم نے اتنی محنت اور پیسہ لگانے کے بعد جو تعلیم حاصل کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے ہنر اور صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ملازمت کریں اور ساتھ ساتھ معیار زندگی بھی بہتر سے بہتر کر سکیں۔

اعلیٰ معاشی طبقے کی خواتین کا کہنا ہے کہ ملازمت ضرورت تو نہیں لیکن مصروفیات کا ایک بہترین بہانہ ہے جس سے عورت Active اور جوان رہتی ہے کیونکہ اس کے شوق پورے ہو رہے ہوتے ہیں۔

معاشی جد وجہد عورت کی اپنی ذاتی ضرورت سے بھی ہو سکتی ہے مثلاً:

- عورت کی آمدنی کے بعض متعین ذرائع ہیں اسے شوہر کی طرف مہر ملتا ہے وہ زیورات کی مالک ہوتی ہے اس طرح اسلام نے وراثت میں اس کا حق رکھا ہے اس حق کے تحت امکان ہے کہ اسے نقد، زمین، دکان، مکان یا اور کوئی چیز مل جائے ان سب چیزوں کو وہ کسی نفع بخش کاروبار میں لگا سکتی ہے اور اپنی معیشت بہتر بنا سکتی ہے۔
- ایک زمانہ تھا کے عورت پر گھر کے کام کاج اور نظم و نسق کا بوجھ بہت زیادہ تھا اس میں خاوند اور بچوں کی خدمت کے علاوہ اناج صاف کرنا، چکی چلانا، کوٹنا، پیسنا، کھانا پکانا، پانی بھرنا، برتن اور کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی جیسے بہت سے مشکل اور محنت طلب کام شامل تھے۔ عورت اس میں مستقل مصروف رہتی تھی موجودہ دور مشینی ہے عورت جو کام پہلے زمانہ میں سخت محنت سے انجام دیتی تھی ان میں بیش تر کام مشینوں کے ذریعہ انجام پانے لگے ہیں اس وجہ سے کم از کم شہروں میں اسکی مصروفیت کم ہوتی جا رہی ہے بچے تین یا چار سال کی عمر میں نرسری بھیج دیے جاتے ہیں اس طرح عورت کو جو فاضل وقت مل رہا ہے اسے وہ منظم کرے اور اپنی اور خاندان کی معیشت کو بہتر بنانے کی کوئی معقول صورت پائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- شادی کے بعد عورت ایک خاص عرصے تک زیادہ مصروف ہوتی ہے اس میں بچوں کی پیدائش کا سلسلہ رہتا ہے ان کی پرورش، ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ان کی کردار سازی جیسے فرائض اسے انجام دینے پڑتے ہیں اسے اس کی زندگی کا مصروف ترین دور کہنا غلط نہ ہو گا لیکن جب اس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہونے لگتی ہے تو اس کی ذمہ داریاں بتدریج کم ہونے لگتی ہے لیکن اس عمر میں اس کی صلاحیتیں اور قوتیں ختم نہیں ہو جاتیں وہ چاہے تو زیادہ توجہ سے معاشی جد وجہد میں حصہ لے سکتی ہے۔
- عورت کی ملازمت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس پر گھریلو ذمہ داریاں نہیں ہیں جیسے اس کی شادی نہ ہو سکی، شادی نبھ نہ سکی اور اس کی اولاد بھی نہیں ہے یا میڈیکل پیچیدگی کی وجہ سے ایک یا دو بچے ہی ہوئے اور وہ بڑے ہو گئے ہیں تو اپنے فارغ وقت کے بہترین مصرف کے لیے وہ اچھے طریقے سے Social work کر سکتی ہے یا اپنی پسند کی کوئی اور معاشی سرگرمی اپنا سکتی ہے۔
- شوق، ضرورت، رسم و رواج یا معاشرتی تقاضوں نے جب عورت کو ملازمت کے میزان پر لا کھڑا کر دیا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت ملازمت پیشہ خواتین کی آسانی اور سہولت کے لیے ان کے ساتھ تعاون کرے خاص طور پر عورتوں کے لیے مختصر ڈیوٹی کے اوقات، ٹرانسپورٹ کی سہولت، بچوں کے لیے Day care centre مردوں کے برابر تنخواہ اور ذہنی دباؤ سے پاک ماحول عورت

کی ملازمت کی بنیادی ضروریات ہیں اور ان کے بغیر عورت کی ملازمت سوائے استحصال، زیادتی اور دہری ذمہ داری کے اور کچھ نہیں رہ جاتی۔

- اسلام نے عورت کی کفالت کا جو بندوبست کیا ہے وہ نہایت جامع اور مکمل ہے اگر اسی پر سختی سے عمل درآمد کرالیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ عورت کو کسی پریشانی یا دشواری سے دوچار ہونا پڑے۔ اسلامی نظام کفالت کو مضبوط بنانے کے لیے کچھ اقدامات کی ضرورت ہے مثلاً
- وہ خواتین جن کا کوئی کفیل موجود نہ ہو، اسلام کے کفالتی نظام کے مطابق یہ حکومت وقت کا فرض بنتا ہے کہ وہ سرکاری بیت المال سے انکی اور ان کے بچوں کی کفالت کا انتظام کرے۔ حکومت خود ایسی خواتین کو ڈھونڈے جو کہ ضرورت مند ہیں اور حکومت کی مدد کی مستحق ہیں۔ اس کے لیے ہر سطح پر کوئی کمیٹی تشکیل دی جائے اور اچھے اور مخلص لوگوں کو اس میں شامل کیا جائے۔
- اسلام میں زکوۃ کے مصارف میں سے ایک مد عزیز و اقارب کی بھی ہے۔ تو خاندان کو چاہیے کہ یہ رقم اپنے غریب رشتہ داروں پر خرچ کرلے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اپنی اس بیٹی پر خرچ کرو جو بیوہ یا مطلقہ ہو کر تمہارے پاس آگئی ہو اور اس کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔[1]
- معاشرے کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مجبور خواتین کی مدد کرے۔ ایک بیوہ کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے کو حدیث کی رو سے مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔
- بیواؤں کے لیے وظیفوں کا معقول اہتمام ہونا چاہیے۔
- خاص طور پر جن شعبوں میں عورت کی ضرورت ہے ان میں صرف عورتوں کو تعینات کیا جائے، مثال کے طور پر لڑکیوں کے اسکول، کالج اور ہسپتالوں میں عورتوں سے متعلقہ شعبے وغیرہ، اور جن شعبوں میں زیادہ محنت، مشقت اور مضبوطی کی ضرورت ہے ان میں صرف مردوں کو ہی تعینات کیا جائے، جیسے زراعت، فشری، صنعتیں، فیکٹریاں، باربرداری، ڈرائیونگ، دفاع، فوج وغیرہ:

5. ملازمت سے متعلق ذمہ داریاں اور کردار

جہاں حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملازمت پیشہ خواتین کے کام کو بہتر اور آسان بنانے کے لیے ان کے ساتھ تعاون کریں وہاں ملازمت کرنے والی خواتین کے اوپر بھی کچھ انتہائی اہم اور ضروری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کرنا خاتون کا حق ہے کہ اس کو ملازمت کے لیے باہر نکلنا چاہیے، یا نہیں۔ کیا اس کی ضرورت گھر میں زیادہ ہے؟ کیا باہر کا نقصان اور ملازمت کرنے کا فائدہ برابر ہے، دونوں کو ترازو میں رکھ کر تولیں اور پھر انصاف سے فیصلہ کریں ۔خواتین کو علم حاصل کرنا چاہیے کہ یہ فرض ہے لیکن اعلی تعلیم کے حصول کے بعد ملازمت کی خواہش یا معیار زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کا شوق ایک وبا کی طرح مغرب سے ہمارے مسلم معاشرے میں درآیا ہے۔ ہماری مائیں، بہنیں، بیویاں، بیٹیاں سب اسی قافلے میں شامل ہونے کے لیے بے چین دکھائی دیتی ہیں۔ خاندان کی اکائی کو برقرار رکھنا اور نئی نسل کی تربیت کرنا سب سے ضروری کام ہے لیکن یہ سوال اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ اس کا کیا نقصان ہو رہا ہے، یہ ہمیں آج نہیں 50 سال بعد پتہ چلے گا کہ ہم نے کیسی قوم تیار کی ہے۔ خواتین میں خود سے یہ شعور اجاگر ہونا چاہیے کہ قومی سطح پر کون سی چیز ہمارے لیے سود مند ہے۔ ہم سب انفرادی سوچ اور عمل کا شکار ہیں۔ جب تک اجتماعی سوچ نہیں ہوگی، ہم نہ ترقی کرسکتے ہیں اور نہ بگاڑ کو ختم کرسکتے ہیں۔

---

(1) سنن ابن ماجة، كتاب الأدب، باب برالوالدين والإحسان إلى البنات: 3667

جب خاندان میں افراد کا اضافہ ہوتا ہے یا پھر سماجی معیار بلند کرنے کی خواہش میں شدت آتی ہے تو پھر اخراجات بڑھ جاتے ہیں ۔اس کا ایک طریقہ تو وہی ہے جو ہمیں عام طور پر معاشرے میں مرض کی طرح پھیلتا دکھائی دیتا ہے اس کے برعکس دوسرا راستہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں والد کا فرض ہے کہ وہ پارٹ ٹائم جاب کر کے ضروریات پوری کرلے یا خاتون کو گھر پر ایسا کام مہیا کیا جائے کہ اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو، اس کا خاندان اس کی غیر حاضری کی وجہ سے متاثر نہ ہو اور وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کے لیے کام بھی کر سکے۔

یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کیا ہم نے وقت کی تقسیم ٹھیک کی تھی؟

اگر نہیں کر سکے تو اب ہماری ذمہ داری ہے کہ اس پر نظر ثانی کریں۔ اپنی ملازمت، ٹیلی ویژن اور تفریح کے ساتھ اپنے گھر اور بچوں کو مناسب وقت دیں۔ آج اگر امن وامان کی حالت دگرگوں ہے۔ گارڈز رکھنے کا کلچر بن گیا ہے، جو اب سے چند سال پہلے نہیں تھا ۔اس کی وجہ یہی ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو وقت نہیں دیتیں۔ماں جو کچھ بچپن میں اپنے بچے کو سکھاتی ہے وہ ساری عمر اس سبق کو یاد رکھتا ہے۔ وہ ماں کے الفاظ اور اس کے عمل کو نشان راہ بناتا ہے، جو اس کی ماں نے کہا تھا یا بتایا تھا۔ لیکن، اب ماں کے پاس وقت ہی نہیں، ملازم خواتین کو یہ امور ذہن نشین کرنے چاہیں۔

- خواتین کو ایسے اداروں میں جاب کرنی چاہیے، جہاں اللہ کے حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اور ان کی عزت مجروح نہ۔ جہاں واقعی آپ کو کام کرنا ہو۔ آپ کی جاب شو پیس (نمائشی چیز) کے طور پر نہ ہو۔
- طویل دورانیے کی ملازمت کو ترجیح نہ دیں، کیونکہ بچے تنہا رہ جائیں گے۔
- بچوں کو میڈیا کے حوالے نہ کریں، میڈیا ان کا دشمن ہے۔
- اپنا ٹائم ٹیبل بنائیں اور اسے کے مطابق ملازمت، سفر، باورچی خانہ، خریداری تقاریب، صفائی پر توجہ دیں اور بچوں کے ساتھ گزارنے کے لیے بھی وقت نکالیں۔
- اپنا طرز عمل ایسا رکھیں کہ بچے آپ کے کردار کو دیکھ کر اچھی باتیں سیکھ لیں۔

ملازمت کرنا ایک اضافی ذمہ داری ہے، جس کو ہم اکثر بلا جواز اٹھا لیتے ہیں۔ اگر ہمیں یاد رہے کہ ہمارا اصل کام بہترین انسان اور بہترین مسلمان تیار کرنا ہے، تاکہ ہم اس مجموعی سوچ میں حصہ دار بن سکیں کہ اپنے معاشرے کو بنانے اور سنوارنے کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ اگر ہم اپنے بچوں میں یہ جذبہ بیدار رکھ سکیں کہ اولیت اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور اطاعت کی ہے تو ہم نے قومی ترقی میں اپنا کردار صحیح طریقہ سے ادا کر دیا۔ دوسری بڑی صفت ایمان داری ہے کہ آپ جس جگہ ادارے یا گھر میں جو بھی کام کر رہے ہیں، اس میں خیانت نہ کریں۔ اپنی ملازمت میں پابندی لازمی ہے۔ اپنے کام میں شوق اور دلچسپی پیدا کرنا لازمی تقاضا ہے۔

سرکاری فون، ملازم، گاڑی، سٹیشنری یا اور کسی بھی چیز کو اپنے کام کے دوران اپنی ذاتی ضروریات کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ دفتری اوقات میں فون پر گپ شپ اور چائے پینے میں یا کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ وقت ضائع نہ کریں۔ کیونکہ یہ وقت آپ کا نہیں ہے۔ مہمان سے معذرت کرلیں اور کوئی ذاتی کام ہے تو اسے وقفہ کے لیے اٹھا رکھیں۔

اپنے تمام کام نہایت ذمہ داری اور تندہی سے انجام دیں۔ اگر آپ کسی مخلوط ادارے میں کام کر رہی ہیں تو اپنے لباس اور حجاب کے ساتھ ساتھ یہ خیال رکھیں کہ اپنے مرد ساتھیوں کے ساتھ براہ راست، دوٹوک اور محض ضرورت کی بات کریں۔ حتی کہ خاتون

ساتھی کے ساتھ بھی دفتر میں ایک حد تک دوستی رکھیں۔

محنت سے کمائے ہوئے اپنے رزق کو سوچ سمجھ کر خرچ کریں خاندان اور اپنے رشتے داروں کے بعد ضرورت مندوں کا خیال رکھیں۔گھر کے ملازم، ہمسائے غریب رشتے دار، یتیم، مسافر اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔لباس اور رکھ رکھاؤ پر اتنی توجہ ٹائم اور پیسہ خرچ نہ کریں کہ اس کی وجہ سے باقی تمام کام کا شیڈول یا بجٹ متاثر ہونے لگے۔

بچوں پر بے جا مت خرچ کریں ان کے بے جا لاڈ نہ اٹھائیں، بلکہ انہیں محنت کی عادت ڈالیں۔مائیں نرم دل ہوتی ہیں وہ چاہتی ہیں کہ ان کے لاڈلوں کی ہر تمنا پوری ہو یہاں جذبے کی نہیں عقل وفہم کی ضرورت ہوتی ہے۔بچوں کو قناعت کا سبق سکھائیں۔کیونکہ آج ایک اچھی ملازمت کی وجہ سے گھر میں خوش حالی اور آسائش ہے کل آزمائش بھی آسکتی ہے اور ملازمت جاسکتی ہے۔ آپ کا حوصلہ اور کردار تنگی ترشی اور خوش حالی میں ایک جیسا ہونا چاہیے۔کہ خوش حالی بھی اللہ کی طرف سے تھی اور اب آزمائش بھی اسی کی طرف سے ہے۔وقار کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں جب آپ کا اپنا کردار ایسا ہو گا تو بچے خود بخود آپ کو دیکھ کر سچائی، ایمان داری، محنت، دوسروں کی چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھنا، غصہ نہ کرنا، صبر کرنا، رحم دلی کرنا، ملازموں سے اور دوسروں سے نیک سلوک کرنا، فضول خرچی نہ کرنا سیکھ لیں گے۔جب آپ ان کی بے جا ضدیں پوری نہیں کریں گی تو کچھ پیسہ مشکل وقت کے لیے پس انداز کر سکیں گی۔

ملازمت پیشہ خواتین کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں کہیں بازار گئیں بلاضرورت گھر کی آرائش کی چیزیں، کپڑے، جوتے، جیولری، برتن اور ڈھیر سارے تحفے دوسروں کے لیے خرید لیتی ہیں۔ان کے لاشعور میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ خود اچھا خاصا کماتی ہیں۔کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہیں، لہذا انہیں اسراف کا حق پہنچتا ہے۔حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔بلاشبہ یہ آپ کی کمائی ہے لیکن اگر آپ احتیاط سے خرچ کریں گی تو آپ کی حق حلال کی کمائی پر فضول خرچی کا لیبل نہیں لگے گا اور دوسرا بچت آپ کے ہی کام آئے گی۔

اس بے جا سامان سے جس کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، گھر بھر لیا تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا میں نے ایسے گھر اور ایسی الماریاں دیکھیں ہیں کہ وہ مزید سامان سے پناہ مانگ رہی ہوتی ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی آخرت کو مت بھولیں اپنی پاک کمائی سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے نکال لیا کریں جس نے یہ رزق آپ کو دیا ہے اس کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔

اٹھتے بیٹھتے بچوں کے سامنے یہ نہ کہیں کہ ملازمت کرنی پڑ گئی ہے، کیا مصیبت ہے یا ہمارے پاس یہ اور یہ سہولتیں نہیں ہیں۔فلاں کے پاس ایسی کار ہے فلاں کے پاس زیور ہے ایسے اضطراب اور ناشکرے پن سے بچوں میں بھی یہی عادتیں آجائیں گی اور یہ بہت بڑی ناکامی ہو گی۔غرضیکہ آپ جن خطوط پر اپنے بچوں کی تربیت کرنا چاہتی ہیں اور انہیں جیسا انسان اور مسلمان بنانا چاہتی ہیں، پہلے خود ویسی بن جائیں۔

6. مسلمان عورت کے کسب معاش کے لیے شرعی اور اخلاقی حدود

ملازمت کرنے والی خاتون کے لیے لازمی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل شرعی اور اخلاقی حدود کا خیال رکھے۔

1. دین ایمان پر ثابت قدمی

دین و ایمان مسلمان عورت کی سب سے قیمتی متاع ہے اس کی قدر کرنا، دین کی تعلیمات پر خوشدلی کے ساتھ سعادت سمجھتے ہوئے

عمل کرنا واجب ایمان میں سے ہے ایسی فضا جہاں رہ کر دینی اقدار پر چلنا ممکن نہ ہو اسے چھوڑنا مومن عورت پر لازم ہے اگر وہ معاشی فوائد کے بدلے میں دین وایمان کے ضیاع کا خطرہ محسوس کرے تو اسے خدا کی رضا کے لیے اور دین سے محبت کے ثبوت کے طور پر اس کمائی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔

2. اخلاق کی پاسداری

عورت کی نسوانی قدر و قیمت کو اخلاق سے چمک نصیب ہوتی ہے اسے ملازمت اختیار کرنے سے قبل یہ ضمانت حاصل کر لینی چاہیے کہ جس مقام پر اسے کام کرنا ہے وہاں اخلاقی اقدار کی پاسداری آسان اور ممکن ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلْقًا»[1]

لہٰذا ملازمت ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ معاشرے میں اخلاقی انحطاط کا باعث ہے اور نہ وہ کسی ممنوعہ تجارت یا سرگرمی میں حصہ لے جو کہ اس کے مذہب، اخلاقی برتری، اسکی عظمت اور اس کے اچھے کردار کو متاثر کرتی ہو۔

3. پردہ وحجاب کا استعمال

ارشاد ربانی ہے:

﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ﴾[2]

جب وہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو سر کے اوپر سے چادریں لٹکا لیا کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ﴾

مسلمان عورت کو چاہیے کہ وہ حتی الامکان اپنی نگاہ کی حفاظت کرے اور آنکھوں کے ذریعے کسی ایسے فتنے میں نہ پڑے جو بعد میں اس کے لیے مشکلات پیدا کر دے۔

شیخ بن لطفی الصباغ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

وہ کام کے اوقات میں حجاب کی پوری پابندی کرے اور دوران ملازمت باوقار رویہ اختیار کرے۔ وہ پردہ میں رہ کر اپنی عصمت و وقار کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہوئے بیرون خانہ کاموں میں ہاتھ بٹائے تو کوئی حرج نہیں۔[3]

4. آزادانہ اختلاط سے اجتناب

اور یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے۔ حدیث میں آتا ہے:

---

① سنن ابو داؤد : كتاب السنة ، باب الدليل علي زيادة الايمان ونقصانه، 4682

② سورة الأحزاب، 33 : 59

③ عقل اور شریعت محمدی

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ»[1]

کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

5. اظہار زینت کی ممانعت

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾[2]

اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو۔

اسلام نے عورت کو محرم رشتہ داروں تک محدود رکھا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی پر گھر میں پیغام بھجوا دیتے تاکہ بیویاں اپنے آپ کو سنوار لیں مگر غیر محرموں کے سامنے اصول لا یبدین زینتھن ہونا چاہیے۔ عادل اصلاحی اپنی کتاب اسلامی طرز فکر میں لکھتے ہیں: بیرون خانہ ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے ایک مسلم خاتون کو دیکھنا چاہیے کہ اسکا سراپا کیسا نظر آتا ہے خواتین کے لیے ایسے حالات بنائے جائیں کہ وہ اسلامی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے کام کر سکیں۔ چنانچہ کسی ادارے کے سربراہ کو کسی مسلم خاتون سے یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ لباس کے معاملہ میں اسلامی شعار پر عمل نہ کرے۔[3]

6. شوہر کی اجازت

گھر سے باہر نکلنے کے لیے لازمی ہے کہ عورت کا شوہر اس بات پر راضی ہو۔ کیونکہ شوہر کی اطاعت وخدمت ازدواجی زندگی کی ضمانت کے علاوہ آخرت کی عظیم سعادت بھی ہے عورت اس زعم میں ملازمت نہ کرے کہ وہ مرد کے برابر ٹھہرے بحیثیت انسان دونوں ہی اللہ کی نظر میں برابر ہیں لہذا ملازمت مرد کی مجبوریوں میں تعاون کے جذبے کے ساتھ اختیار کی جائے نہ کہ مرد کو مجبور بنانے کے لیے ہو۔ بیوی ہے تو شوہر کی رضامندی شامل ہو اور اگر بیٹی ہے تو باپ کی رضامندی شامل ہو۔

7. گھریلو ذمہ داریوں کا احساس

عورت کی اصل ذمہ داری گھر سنبھالنا اور بچوں کی پرورش وتربیت ہے اگر اس کی ملازمت کی وجہ سے اس کی اصل ذمہ داری پوری نہیں ہو پا رہی اور گھر کا سکون وانتظام خطرہ میں پڑ گیا ہے تو اسکی اصل توجہ کا مرکز گھر ہونا چاہیے ایسے میں ملازمت کرنا اگر اس کی معاشی ضرورت ہے تو وہ کوئی ایسا کام کر لے جو وہ گھر بیٹھے ہوئے انجام دے سکے اور معاشی مسئلے میں صبر و تحمل سے کام لیکر گزارا کرے۔

المختصر اسلام نے عورت کو مکمل آزادی دی ہے کہ وہ معاشی میدان میں حصہ لے لیکن جہاں اس کو میدان عمل میں آنے کی اجازت دی وہاں اس پر چند پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں ان پابندیوں کا مطلب اس کی آزادی ختم کرنا نہیں بلکہ عورت کو مکمل تحفظ دینا ہے۔ لہٰذا اسکو ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اپنا معاشی کردار ادا کرنا چاہیے۔

---

① جامع الترمذي: كتاب الرضاع، باب ما جاء في كراهية الدخول علي المغيبات، 1171

② سورة الأحزاب، 33 : 33

③ اسلامی طرز فکر از عادل اصلاحی : ص 252

4

فصلِ چہارم

پاکستانی عورت کا معاشی کردار

پاکستانی عورت کا معاشی کردار

معاشی مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو انسان کی پیدائش سے چلتا ہے اور انسان کے مرنے پر ختم ہوتا ہے۔ بچپن میں اس کے معاشی مسائل کے حل کی ذمہ داری اس کے والدین کے کندھوں پر ہوتی ہے اور سن شعور پر پہنچنے کے بعد وہ خود اور عورت کے لئے اس کا شوہر یہ ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اس کو لحد میں اتارنے تک معاشی مسئلہ موجود رہتا ہے گو مرنے کے بعد اس مسئلہ کے حل کی ذمہ داری ورثاء کے سپرد ہو جاتی ہے یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے چل رہا ہے اس معاشی مسئلہ کے حل کے لئے انسان جو جدوجہد کرتا ہے اس کو معاشی کردار اور سرگرمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جب معاشرہ ایک فرد کو کسی اجتماعی شعبے سے وابستہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے تمام اداروں سے اپنا ناطہ توڑلے بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے فکر و عمل کی بیشتر صلاحیتیں اس پر صرف کرلے اور اپنی اصل توجہ اسی پر مرکوز کرے۔

چنانچہ اسلام نے بھی عورت کو خاندان سے متعلق تو ضرور کیا ہے لیکن اس کے فکر و عمل کی دنیا کو اسی ادارے کے اندر محصور نہیں کر دیا ہے اور نہ اس کو ان حقوق سے محروم رکھا ہے جو اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں-یہی نہیں بلکہ وہ اس کو اس قابل بھی بناتا ہے کہ معاشرہ میں کامیاب و بامراد زندگی بسر کرسکے۔

محترم عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

> عورت ہر میدان میں عملی حصہ لے سکتی ہے ایسا کوئی میدان نہیں ہے جس میں مرد عملی حصہ لے سکتے ہوں اور عورت کے لئے اس میں عملی حصہ لینا ممنوع ہو، شہادت، تعلیم و تربیت، عبادات، انفرادی و اجتماعی عبادات، عملی جدوجہد، عسکری جدوجہد، سربراہی خانہ، مشاورت، تنقید و احتساب، ذمہ دارانہ مناصب سنبھالنا، قاضی اور جج بننا، امامت صغری، سیاسی جدوجہد وغیرہ۔[1]

پاکستانی معاشرے کے کئی حلقوں میں عورتوں کے کسب معاش کو بنظر استحسان نہیں دیکھا جاتا بالخصوص روایتی دینی گھرانوں میں ان کے کسب معاش کے حق کو یا خرید و فروخت اور دستکاری و مزدوری کے معاملات کو بعض صحیح اصول کی بے اصول دھند میں چھپا دیا جاتا ہے۔ دلیل وہی کہ عورت پر کسب و مال کی ذمہ داری ہی نہیں لہذا اسے کمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے بعد اس پر تجارت و کسب و دستکاری و حرفت اور نوکری و اجیری کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ عہد نبوی کے واقعات سے اصل اصول اور واقعات دونوں ابھر کر سامنے آتے ہیں جن کی تفصیل پیچھے بیان کی جاچکی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو نہ صرف کسب معاش کا حق حاصل تھا بلکہ ان کو پورے مواقع فراہم کئے جاتے تھے کہ وہ اپنی ذاتی، خاندانی اور دوسری ضروریات کے لئے مختلف پیشے اختیار کریں۔

یہ تصور بھی غلط ہے کہ عورت صرف اور صرف گھر ہی کو ہو کر رہے اس پر سماج کے حوالے سے بھی ذمہ داری ہے اور اسے اپنے

---

(1) فقہ القرآن: 3 / 623

4۔ پاکستانی معاشرے میں عورت کا معاشی کردار

دائرے میں سماجی وسیاسی کاموں میں حصہ لینے کا حق ملنا چاہئے جب تک خواتین کو صحیح طریقے سے متحرک نہیں کیا جاتا، معاشرتی سدھار کے سلسلے میں کوئی ٹھوس کام نہیں ہو سکتا۔

اس احساس کو ابھارنے کی ضرورت ہے کہ بے شک عورت کی اوّلین ذمہ داری اس کا گھر ہے، لیکن کسی خاتون کے پاس اگر کسی بھی وجہ سے گھر کی ذمہ داری نہیں ہے یا ذمہ داری کم ہے یا ایک خاتون اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مزید کام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاتون قابلیت رکھتی ہے اور اس کو استعمال کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس بات کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اس معاملے میں اسلام کی عطا کردہ رہنمائی کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے کام کر سکے۔

جہاں ایک طرف خواتین کام کی تلاش کے لئے مواقع اور اپنی پسند کو مد نظر رکھتی ہیں، یہ دیکھنا بھی ضروری ہو گا کہ جن میدانوں میں خواتین کے کام کی ضرورت ہے وہ ان جگہوں کا انتخاب کریں آج خواتین کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ ہمارے معاشرہ میں افرادی قوت کی اصل صورت حال کیا ہے۔ موجودہ صورت حال میں تو پہلے ہی لیبر فورس اضافی ہے اس لئے فی الوقت عورت کے لئے مجرو معاشی سرگرمی میں شامل ہونا، نہ عورت پر لازم ہے اور نہ اس کی گنجائش ہی ہے۔ اس بات کو آج کی عورت کو بھی سمجھنا چاہئے اور عورت کے بہی خواہوں کو بھی۔ ہاں اگر معیشت میں اتنی گنجائش نکلے، نئی صنعتوں کا قیام ہو، مستحکم ادارے تعمیر ہوں اور صنعتی ترقی کے عمل میں اگر لیبر فورس میں کمی ہو تو پھر اس وقت ضرور اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ اس میں خواتین کی خدمات کس طرح شامل ہو سکتی ہیں او راس کا طریقہ کار کیا ہو؟

ایک پوائنٹ جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں مرد وعورت دونوں کے لئے ایک ہی جیسے مضامین پر مشتمل نصاب پڑھایا جاتا ہے اور یہ تقاضا ہے کہ ہر میدان میں دونوں کو یکساں کام کرنے کے مواقع دیئے جائیں جبکہ دونوں کی فطری صلاحیتیں بالکل فرق ہے۔ دونوں کے میدان کار مختلف ہیں پھر ہم انہیں ایک جیسی تعلیم کیوں دے رہے ہیں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دونوں کو تعلیم دیتے ہوئے ان کے کاموں کی مناسبت سے ان کے فرائض کے بارے میں بھی آگاہی ضرور دی جائے کہ آگے چل کر جو کام اور جونسی ذمہ داری انہوں نے سرانجام دینی ہے اس کے لئے وہ اپنے آپ کو تیار کر سکیں۔

پھر خواتین کو ملازمت دیتے ہوئے بھی اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ خواتین کو انہی پیشوں میں آنے کی اجازت دی جائے جس کی وجہ سے ان کی خاندانی زندگی متاثر نہ ہو اور جو ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ مثال کے طور پر پرائمری تک بچوں کی ساری تعلیم خواتین کے سپرد کر دی جائے کیونکہ بچوں کو توجہ، فطری نرمی اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے جو مرد کی نسبت ایک خاتون زیادہ دے سکتی ہے اور چھوٹے بچوں کے تعلیمی اوقات بھی کم ہوتے ہیں۔

المختصر عورت اسلام میں وہ تمام معاشی خدمات سرانجام دے سکتی ہے جن کی شریعت نے اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے اجازت دی ہے تاکہ مردوں کے دوش بدوش عورتیں سوسائٹی کے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور محنت شاقہ سے اپنا فرض اوّلین سمجھتے ہوئے اس کو پورا کر سکیں۔

مختلف شعبوں میں عورت کا معاشی کردار

بعض وجوہات کی بنا پر عورت کے لئے کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلنا ناگزیر حقیقت بن چکا ہے تو خواتین کو گھر سے باہر نکلنے

کے لئے اسلامی پابندیوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ پاکستانی مسلم عورت جس قسم کے باعزت پیشے اختیار کر سکتی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

تعلیم و تدریس

عورت کے لئے بہترین اور معزز پیشہ زنانہ سکول یا کالز میں طالبات کو پڑھانا ہے۔ اس طرح آمدنی کا سلسلہ بھی حل ہوتا ہے اور خدمت خلق بھی ہو گی کیونکہ اگر وہ ایک گھنٹہ میں پچاس لڑکیوں کو تعلیم دے گی تو اس قوم کی پچاس بیٹیاں علم کے نور سے منور ہوں گی جو آئندہ نسل کے لئے بہترین کردار ادا کریں گے بشرطیکہ استاد یا پروفیسر صحیح تعلیم دے۔ لڑکیوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے انہیں ماں جیسا اعتماد اور محبت دے۔ تعلیم کی افادیت سمجھائے کیونکہ موجودہ دور میں تعلیم کے لئے نکلنا، محض فیشن سیکھنا اور مغربی تقلید کو اپنانا سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے استاد کا خود با عمل ہونا ضروری ہے۔ اگر استاد یا پروفیسر خود تو نازیبا، تنگ و عریاں لباس پہنے، بے جا فیشن کرے، پردہ نہ کرے اور لڑکیوں کو ایسا نہ کرنے کی تلقین کرے تو کبھی بھی اچھے نتائج برآمد نہ ہوں گے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما المتعلم فأدابه ووظائفه الظاهرة كثيرة ولكن تنظم تفاريقهاعشر۔ جمل: الوظيفة الأولي: تقديم طهارة النفس عن رذائل الأخلاق و مذموم الأوصاف إذ العلم عبادة القلب و صلاة السر و قربة الباطن الى الله تعالي، وكما لا تصح الصلاة التى هي وظفة الجوارح الظاهرة إلا تطهير الظاهر عن الأحداث والأخباث فكذلك لا تصح عبارة الباطن و عمارة القلب باالعلم إلابعد طهارة ممن خبائث الأخلاق وأنجاس الأوصاف"(1)

کہ متعلم کے دس آداب ہیں: بُرے اخلاق، قابل مذمت صفتوں سے اپنے آپ کو پاک کرنا، کیونکہ علم دل کی عبادت ہے اور نماز کا راز ہے اور اللہ کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح نماز ظاہری پاکیزگی کے بغیر قابل قبول نہیں اس طرح باطنی صفائی کے بغیر علم بھی اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں، استاد کو چاہئے کہ وہ اپنے قول و فعل میں توافق پیدا کرے ورنہ صحیح افادہ ممکن نہ ہو گا۔ کیونکہ اقوال دل میں اترتے ہیں لیکن اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔ استاد کا اہم فریضہ یہ ہے کہ شاگرد کی ہمت افزائی کرے تاکہ وہ خود اپنے فہم و عقل کو کام میں لائے۔

درس و تدریس کے علاوہ محکمہ تعلیم کے انتظامی عہدے مثلاً اے ڈی آئی، زنانہ مدارس، ڈسٹرکٹ انسپکٹرس، ڈویژنل انسپکٹرس، ڈپٹی ڈائریکٹریس، محکمہ تعلیم وغیرہ موجود ہیں۔ محنت و دیانت کی بنا پر ہم ان عہدوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

بعض خاندانی افراد عورت کے لئے تدریس کے پیشے کو بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ ایک معزز معلمہ کو کلرک حضرات اور دفاتر کے بہت سے چکر لگانے پڑتے ہیں پھر بہت سے تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم ہے۔

(1) أحياء العلوم ، باب ما جاء فى آداب المعلم والمتعلم : ص 48

کلرک خواتین

موجودہ دور میں نظام تعلیم کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ زنانہ سکول اور کالجوں میں مرد کلرک رکھے جاتے ہیں حالانکہ میٹرک یا ایف اے پاس لڑکیاں اس خانہ پُری کے لئے بآسانی میسر آسکتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرد کلرک زنانہ استاد، پروفیسر اور لڑکیوں کو بہت تنگ کرتے ہیں۔ معمولی سے کام کے لئے ان کو کئی چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ مرد کلرکوں کی وجہ سے ایک تو خواتین کام کے لئے دقت محسوس کرتی ہیں اس کے علاوہ یہ پڑھی لکھی خواتین کی حق تلفی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنکوں سے روپیہ وغیرہ نکلوانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مردوں کو کلرک رکھے بغیر چارہ نہیں ہے، حالانکہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ خواتین اگر دوسرے فرائض انجام دے سکتی ہیں تو وہ بینک میں کیوں نہیں جاسکتیں اور پھر یہ کام ایک چپڑاسی رکھ کر بھی لیا جاسکتا ہے۔

لیڈی ڈاکٹر

نسوانی امراض کے علاج کے لئے لیڈی ڈاکٹر کا ہونا ضروری ہے کیونکہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس عورتیں بآسانی اور بالتفصیل اپنی امراض بیان کرسکتی ہیں جن کو مردوں کے سامنے بیان نہیں کیا جاسکتا- باپردہ خواتین لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانا ہی زیادہ موزوں سمجھتی ہیں۔

ایک نو مسلم مصنف لکھتا ہے:

There is nothing to prevent women from becoming doctors, lawyers, judges, preachers and designers but they should graduate in women's college and practice on behalf of women.[1]

یہ تعلیم اس قدر ضروری ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں اگرچہ باقاعدہ ہسپتال نہیں تھے۔ مگر جنگ کے دوران ایک مخصوص جگہ کو بطور ہسپتال استعمال کرنے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ مسجد نبوی کے قریب تھا جہاں آپ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

طب کے شعبہ میں پاکستانی خواتین اپنی صلاحیتیں منوا رہی ہیں۔ میڈیکل کے شعبے میں نہ صرف مسلم خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے بلکہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی خواتین کی تعداد بھی بڑھی ہے۔ نئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ خواتین فزیشنز، مرد فزیشنز کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر مریضوں کے ساتھ پیش آتی ہیں۔ ہمارے ہاں خواتین بھی مردوں کے ہم قدم بیماریوں کی دریافت کررہی ہیں اور سرجن بن رہی ہیں۔

ڈاکٹرز خواتین کا بڑا مسئلہ مخلوط تعلیم اور مخلوط پریکٹس کا ہے اس کے علاوہ ایسی ملازمت میں گھر کو وقت نہیں دیا جاسکتا لہٰذا شوہر اور بچوں کے منفی رویوں کا سامنا رہتا ہے۔

(1) Islamic Culture by P.M. Pichthat. P-146

نرسنگ

موجودہ دور میں اس پیشہ کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زنانہ ہسپتال میں مثلاً لیڈی ولنگٹن میں خواتین نرسنگ کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

ہماری نامور خواتین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جنہوں نے دوران جنگ زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور ہر طرح کی تیمارداری بھی کی۔ مگر انہوں نے اپنی حدود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آج کل کی نرسوں کا لباس موزوں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر خواتین اس لباس کو پسند نہیں کرتیں۔ اگرچہ وہ گھریلو معاشی مجبوریوں کی بنا پر جب کسی اور جگہ ملازمت نہ حاصل کرسکیں تو وہ اس پیشہ کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ دوسری یہ ملازمت باپردہ نہیں ہے۔ دو تین سال پہلے ایک نرس نے اخبار میں یہ درخواست کی تھی کہ ان کا لباس معتزز بنایا جائے۔ بہر حال اس پیشہ کو مناسب اصطلاحات کے ساتھ مقبول عام بنایا جاسکتا ہے۔

نرسنگ کے شعبے میں کام کرنے والی لڑکی کو معاشرہ اچھی نظر نہیں دیکھتا۔ ایک تعلیم یافتہ نرس نے بتایا ''کہ پتہ نہیں ہمارے بارے میں لوگ منفی سوچ کیوں رکھتے ہیں، جبکہ ایک لیڈر ڈاکٹر بھی ایسے ماحول میں یہ ہی کام کر رہی ہوتی ہے اور یہ تو مذہبی عبادت ہے کہ مجبور اور بیمار لوگوں کی مدد کی جائے۔''

میرے خیال میں اس کی وجہ پیشے کی ضروریات ہیں۔ ڈاکٹروں کا مریض سے واسطہ باوقار ہوتا ہے، نرس کا کام روزانہ، ہر وقت اور ہر لمحہ مریض کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح خواتین کے لئے حجاب اور مردوں و عورتوں کے علیحدہ معاشرت پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ان کا مریضوں کے ساتھ کسی حد تک جسمانی رابطہ ہوتا ہے پھر اپنے پیشے کی مجبوری کی بنا پر اکثر نرسوں کا بیمار لوگوں کے ساتھ رویہ کافی حد تک تلخ بلکہ تکلیف دہ ہوتا ہے یہ بھی ٹھیک ہے کہ بیمار بندوں کو سنبھالنا، اس کے رویے کو برداشت کرنا کافی مشکل کام ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ بندہ ذہنی یا جسمانی طور پر صحت مند ہے تو پھر وہ ہسپتال میں کیوں ہے؟ پھر بیماری، بیچارگی تو صحت مند بندے کو بھی کافی دلبرداشتہ کر دیتی ہے۔ میرے خیال میں نرسنگ کے پیشہ میں خواتین کو زیادہ تحمل، برداشت اور ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے اور اس مسئلے کا اصل اور مناسب حل یہ ہے کہ مخلوط ہسپتالوں میں مردانہ وارڈ کے لئے کمپوڈرز ہوں اور زنامہ وارڈ کے لئے نرسوں کا تعین کیا جائے تاکہ معاشرہ میں عورتوں کا مقام باعزت اور باوقار رہے۔

نگران زنانہ بورڈنگ ہاؤس

اکثر بڑے شہروں میں ہائی زنانہ سکولوں اور کالجوں سے ملحقہ ہاسٹل بھی بنے ہوتے ہیں جہاں پر دیہاتوں اور چھوٹے شہروں سے حصول علم کے لئے لڑکیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں اور ایسے بورڈنگ ہاؤس یا ہاسٹل کی نگرانی بھی ایک پڑھی لکھی عورت کے ماتحت ہوتی ہے یہ ملازمت عورتوں کے لئے مناسب ہے۔ تنخواہ بھی معقول ملتی ہے۔

زنانہ بورڈنگ ہاؤس کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ مرد خانسامے ہوتے ہیں جو کہ فضول حرکتیں کرتے ہیں اور لڑکیوں سے بدتمیزی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی بجائے اگر باورچی خانے میں عورتیں ہی ملازم رکھی جائیں تو بہتر ہے اس طرح ایک تو لڑکیوں کو کھانا حاصل کرنے میں دقت نہ ہوگی۔ دوسرے معمولی پڑھی لکھی سمجھدار عورتوں کو اچھا ذریعہ معاش مل جائے گا۔

بینکنگ

اب اس شعبے میں بھی کافی لڑکیاں کام کر رہی ہیں۔ اگرچہ بینک میں عورتوں کے لئے مخصوص عہدے ہیں مثلاً پبلک ریلیشن آفیسر، ٹیلی فون ریسپشنسٹ، کیشئر، آپریٹر اس کے علاوہ کم عہدے ایسے ہیں جن پر بینک میں خواتین کو ملازم رکھا جاتا ہے۔ اس شعبہ میں ایک تو خواتین کا مردوں سے اختلاط بڑا مسئلہ ہے۔ دوسرا بینک میں کام کرنے والوں کی کمائی پر قابل اعتراض باتیں ہوتی ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک ہماری ساری بینکنگ سودی نظام پر انحصار کرتی ہے اس لئے اس شعبہ میں کام کرنے والوں کی کمائی حلال نہیں ہے چاہے وہ اصل کردار ادا کرنے کے بجائے چھوٹے رینک پر ہی کیوں نہ کام کر رہی ہوں کیونکہ جو کام بذات خود حرام ہے۔ اس کے لئے کسی بھی رخ پر ایسی خدمات دینا ناجائز ہے نبی اکرم ﷺ نے شراب کے کام کرنے والوں میں 10 لوگوں کو مجرم قرار دیا تھا۔

وکالت

یہ پیشہ بھی عورتوں کے لئے بہترین ثابت ہو سکتا ہے اگر حکومت اس میں کچھ اقدامات کرے۔ خاتون وکیلوں کو مناسب سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ پردہ دار خواتین پردہ میں رہ کر یہ فرض سرانجام دے سکتی ہیں۔ موکلات کی وکیل لازماً طور پر ہونی چاہئے کیونکہ اپنی ہم جنس کی طرف سے وہ مردوں کی نسبت بہتر وکالت کر سکتی ہے۔ البتہ ایک بات سب مرد و خواتین وکلاء کو مد نظر رکھنی چاہئے کہ وکالت کا مقصد فاضل جج یا مجسٹریٹ کو رہنمائی دینا، مقدمہ کے چھپے ہوئے گوشوں کو منظر عام پر لانا اور مؤکل کے کیس کو بہتر طور پر پیش کرنا ہوتا ہے نہ کہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا۔

بعض خواتین اعتراض کرتی ہیں کہ موجودہ قوانین سراسر غیر اسلامی ہیں ان کی وکالت کرنا مسلمان خواتین کو زیب نہیں دیتا۔ مگر اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ ہم ان قوانین کے نفاذ کو بہ امر مجبوری برداشت کئے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان کی وکالت بھی نہ صرف مجبوری کے تحت کی جائے گی بلکہ اس پیشہ میں گھس کر اس کی اصلاح بھی کی جائے گی۔ ہماری پاکستانی خواتین نہ صرف قانون بلکہ پاکستان کے پورے نظام کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں وکیل طبقہ جو عملی کردار ادا کر سکتا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ انہی اصولوں کی بنیاد پر لائق اور باہمت خواتین کو جج اور مجسٹریٹ کی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس شعبہ میں خواتین کو جس طرح کے مسئلہ کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی انا عورت کی وکالت میں اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ ایک لڑکی اس کے مقابلے میں بحث کرے اور جیت جائے یہی وجہ کہ وکیل عورت کو پھر مرد حضرات تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ پھر عورت کو عدالت اور عدالت کے باہر بھی بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔

پولیس

ہمارے ملک میں زنانہ پولیس پہلے ہی موجود ہے۔ اس میں اگر مناسب اصطلاحات کر دی جائیں اور معاشرہ میں محکمہ پولیس کو بہتر بنیادوں پر استوار کیا جائے تو یہ محکمہ بھی پرکشش بن سکتا ہے۔ خواتین کو ان کی تعلیم کے لحاظ سے مناسب ترقیاں دی جائیں اور ایسا نظام ہونا چاہئے کہ ایس پی کے نیچے کا کوئی عہدیدار ان فرائض کی ادائیگی میں دخل انداز نہ ہو۔ زنانہ مجرموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔ ان کی جامہ اور گھر کی تلاشی وغیرہ لینا اور جیل اور حوالات میں ان کی نگرانی کرنا اور خوراک وغیرہ کا انتظام زنامہ پولیس بہتر طور پر

کر سکتی ہے۔ قیدی عورتیں اور کم عمر بچوں کو زنانہ پولیس اور زنانہ وارڈوں کے ذریعہ جرائم پیشہ کو چھوڑنے اور باعزت زندگی گزارنے کی تربیت دی جاسکتی ہے۔

البتہ جو عورتیں مردوں کے درمیان کام کرتی ہیں انہیں اچھا نہیں سمجھا جاتا خاص طور پر ٹریفک پولیس میں خواتین کا ہونا عورتوں کے وقار سے کمتر ملازمت ہے اور اس میں اسلامی حدود و قیود کا دھیان بھی نہیں رکھا گیا ہے پولیس کے ایسے تمام شعبے جن میں عورتوں کی ڈائریکٹ ڈیلنگ مردوں کے ساتھ ہے خواتین کو ان سے بچنا چاہئے۔

ٹیکسٹائل

موجودہ دور میں بے شمار عورتیں ٹیکسٹائل ڈائزیننگ کے شعبے میں بہت کامیابی سے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ ماضی میں خواتین کے لئے گھروں سے نکلنے پر پابندی تھی جبکہ آج کئی شعبوں میں وہ اپنے ٹیلنٹ اور صلاحیتوں کا بہترین اظہار کر رہی ہیں۔ ترقی کی راہ پر گامزن فیصل آباد ٹیکسٹائل یونیورسٹی میں پہلے صرف چند خواتین تھیں آج ان کی تعداد بیسیوں سے زائد ہو گئی ہے اسی طرح کالج آف آرٹس میں بھی خواتین کی کثیر تعداد ہے۔

دستکاریاں اور اندرون خانہ پیشے

اَن پڑھ خواتین یا کم پڑھی لکھی خواتین یا وہ خواتین جن کو کسی ادارے میں موزوں ملازمت نہ ملتی ہو وہ گھر میں بیٹھ کر بھی کسی قسم کے چھوٹے موٹے کام کر کے روپیہ کما سکتی ہیں کیونکہ گردش ایام کا کوئی علم نہیں کہ کب عورت پر معاشی بار آن پڑے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر عورت کو تیار ہونا چاہئے۔

الف) بستروں کے سیٹ وغیرہ پر پھول کاڑھ سکتی ہیں جو کہ ہاتھ اور پاؤں والی مشین کے ذریعے بنائے جاسکتے ہیں۔

ب) پڑھی لکھی خواتین تعاونی کمیٹیاں بنا سکتی ہیں۔ سربراہ خاتون لوگوں کے گھروں میں جا کر شادی بیاہ کے تیار کرنے والے جوڑے اور سیٹ وغیرہ لا کر دوسری عورتوں کو دے اور بعد ازاں مناسب اجرت لے کر منافع آپس میں تقسیم کر لیں۔

ج) کروشیے کی لیس اور بستروں کے سیٹ بنا کر ضرورت مند گھروں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

د) سویٹر بنانا بھی وقت گزاری کا بہترین ذریعہ ہے بعض ماہر عورتیں گھریلو کام کاج سے فارغ ہو کر دو روز میں سوئیٹر بنا لیتی ہیں۔ اُون دوسروں سے لے کر ان کو سوئیٹر بنا دیتی ہیں۔ دوکانداروں سے بھی خواتین اس قسم کے کام لے آتی ہیں۔

س) آج کل نائیلون کی تاروں سے چارپائیاں، کرسیاں، پیڑیاں، ٹوکریاں اور پرس وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور یہ کام بھی بازار جا کر دکاندار سے بات کر کے لا کر بنا سکتی ہیں۔

ش) بعض خواتین کھانے کی شوقین اور ماہر ہوتی ہیں۔ ایسی خواتین کیک، جام، چٹنی، مربے، اچار، مختلف ساسز، مایونیز، کیچپ وغیرہ بنا کر دوکانداروں کے ہاتھ فروخت کر سکتی ہیں۔

ص) کئی گھریوں میں باپردہ خواتین کپڑے فروخت کرتی ہیں۔ گھر کا سربراہ مرد خرید کر لاتا ہے اور محلہ کی عورتیں آ کر ان سے خرید لیتی ہیں۔ اس طرح خانگی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ آمدنی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ اس قسم کے کام عورتیں عموماً

اپنے زیور بیچ کر شروع کر لیتی ہیں اور بعد ازاں اپنی اصلی قیمت کو پورا کر لیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ محلے کی عورتیں بازار سے بچ جاتی ہیں۔

گندم اور چاولوں کا کاروبار

متوسط طبقہ کی خواتین جب فصل کی کٹائی ہوتی ہے تب اجناس سستی ہوتی ہے تو وہ گندم اور چاول وغیرہ خرید کر رکھ لیتی ہیں پھر محلہ کی عورتوں کو جب ضرورت پڑتی ہے تو خرید لیتی ہیں کیونکہ غریب لوگ جو سال بھر کی ضرورت کے لئے اجناس نہیں خرید سکتے اس طرح ان کی بھی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور فروخت کنندہ کو مناسب نفع مل جاتا ہے۔ ہاں اگر جنس اس نسبت سے خریدی جائے کہ سال کے اختتام پر مہنگائی ہونے پر فروخت کی جائے گی تو یہ بات شرعاً منع ہے۔ اس کے علاوہ سوت کات کر، مرغی خانہ کھول کر اور سبزیاں وغیرہ لگا کر بھی ضروریات پوری کر سکتی ہیں۔ مذکورہ بالا تمام پیشے عورتوں کے لئے باعزت ہیں وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر گھر کی معاشی ضروریات میں مردوں کا ہاتھ بٹا رہی ہیں مگر اس سلسلے میں انہیں چند مسائل کا سامنا ہے۔

خواتین کے کاروبار میں مڈل مین جو آڑھت کا کام کرتے ہیں زیادہ منافع لے جاتے ہیں وہ خواتین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں وہ خود نہیں آسکتی وہ گھر کے مردوں پر انحصار کرتی ہیں کہ وہ ان کو لے کر جائیں اور ان کی مصنوعات سیل کریں اس طرح وہ کم منافع کماتی ہیں ان سب مسائل کی وجہ ان کے مالی حالات ہیں کہ ان کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی کہ وہ مصنوعات بنا کر ان کی مارکیٹنگ بھی کریں اور انہیں بیچ بھی سکیں انہیں اپنے مردوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں عورتوں کی مدد کی ضرورت ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے ان کی مالی مدد کی جاسکے تاکہ وہ اپنے کاروبار خود شروع کر سکیں۔

اعزاز منظور نے کہا:

> ایسی خواتین جو انتہائی کم سرمایہ کاری سے کامیاب کاروبار کر رہی ہیں انہیں مزید سرمایہ کاری کر کے ملکی ترقی کے مواقع دینے کی ضرورت ہے انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں ہم نے لبرٹی مارکیٹ لاہور میں خواتین کے لئے ایک فلور مخصوص کر رکھا ہے تاکہ خواتین کھل کر اس میں سرمایہ کاری کریں اور ملکی پیداوار بڑھائیں ہم خواتین کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا چاہتے ہیں جہاں وہ کسی مڈل مین کی رکاوٹ کے بغیر کھل کر سامنے آسکیں اور اپنی مصنوعات مارکیٹ میں لا سکیں انہیں کسی بھی لحاظ سے مردوں سے کم حیثیت حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

صفدر بٹ نے کہا:

> لاہور میں پچھلے چند سالوں میں جتنے بھی پلازے بنے ہیں ان میں خواتین کے لئے الگ فلور رکھے گئے ہیں جہاں مڈل مین کے استحصالی کردار کی کوئی گنجائش نہیں ہے دور دراز کے علاقوں کی خواتین کے لئے ایسی امدادی کارروائیوں کی ضرورت ہے جہاں ان پر زیادتی نہ ہو سکے۔ [1]

یہ سارے اقدامات ان عورتوں کے لئے تو فائدہ مند ہوں گے جو اپنے گھروں سے نکل کر پلازہ یا مارکیٹ تک آرام سے پہنچ پاتی ہوں لیکن دور دراز کی عورتوں کے لئے اس طرح اکیلے بڑے شہروں میں آنا اور ان مواقع سے فائدہ اٹھانا بہت ہی مشکل ہے۔

---

(1) روزنامہ جنگ: 27 نومبر 2008ء

فضائی سروس

پاکستانی خواتین کا پائلٹ ہونا بھی کوئی اچھنبے کی بات نہیں رہی بلکہ پی آئی اے میں تو کئی خواتین پائیلٹس کے طور پر اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں اس شعبہ میں آکر خواتین نے اپنی بہادری اور جرأت ثابت کر دی ہے پھر فضائی میزبانی کی فیلڈ میں بھی جوق در جوق خواتین آرہی ہیں اس فیلڈ میں عورتوں کی سب سے بڑی کوالیفیکیشن ان کا اعتماد ہے۔ایک ایئر ہوسٹس فاطمہ کا کہنا ہے کہ یہ شعبہ عورتوں کے لئے بہترین ہے یہ لڑکیوں کو معاشی استحکام، خود اعتمادی عطا کر کے ان کی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

حمیرا جیلانی سمجھتی ہیں کہ اس شعبہ میں خواتین اس اعتبار سے زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں کہ انہیں صرف اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کلام نہیں کرنا ہوتا بلکہ سفر کی سہولت اختیار کرنے والے غیر ملکیوں پر بھی پاکستانی خواتین کا بہترین اثر چھوڑنا ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ گھر کا شیڈول اس سے متاثر ہوتا ہے تاہم تھوڑی سی سمجھ بوجھ کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔

شگفتہ اعجاز کے مطابق:

ایئر ہوسٹنگ ایک انتہائی دلچسپ جاب ہے کہ اس کے ذریعے آپ مختلف ممالک کا دورہ کر سکتے ہیں۔ریحات کا اس سے بہتر موقع کسی دوسری نوکری میں میسر نہیں آسکتا ہے۔[1]

میری رائے کے مطابق ہمارے معاشرے میں اس شعبہ کا منفی تاثر ہے ایئر ہوسٹس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا انہیں غلیظ نظروں اور غلط سوالات کا سامنا ہوتا ہے-والدین بھی بخوشی اپنی بیٹیوں کو اس شعبہ کی طرف آنے کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہوتے کیونکہ:

- فضائی Setup مکمل طور پر مخلوط ہے ایئر ہوسٹس بہت تیار ہو کر، سج دھج کر، غیر محرموں کے سامنے آداب بجالاتے ہوئے ان کی میزبانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں کیونکہ یہی ان کی جاب کا تقاضا ہے۔
- محرم کے بغیر عورت کا سفر ایک شرعی مسئلہ ہے کیونکہ جب وہ اکیلے سفر کرتی ہے تو مرد کے بالمقابل وہ جسمانی طور پر کمزور ہے پھر آسانی سے ٹریپ ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ عورت اپنے محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر بھی کرے۔

کئی فضائی سفر دنوں پر محیط ہوتے ہیں اور ایسی لمبی غیر حاضریاں عورت کے عائلی مسائل بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں پھر اولاد بہت زیادہ اگنور ہوتی ہے اس لئے اہل حل وعقد کے نزدیک یہ ملازمت کسی طور پر بھی موزوں نہیں ہے۔

معاشی ترقی وتعمیر میں عورت کا تعاون

مردوں کے ساتھ معاشی تعاون کرتے ہوئے عورت نے ہمیشہ اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کو استعمال کیا ہے۔قدیم تاریخی شواہد اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ خاندان کی معاشی ترقی اور تعمیر میں عورتیں بہت زیادہ متحرک اور فعال رہی ہیں۔ایک مدت تک زرعی معاشرے میں عورت کو زرخیزی کی علامت سمجھا جاتا رہا مثلاً ابتدائی زمانے میں عورت کھر دری زمین کھودتی تھی اور بیج بوتی تھی اور اس طرح زراعت پر اس کا قبضہ تھا مگر جب ہل ایجاد ہو گیا تو فصلوں سے عورتوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی اور اس کا سماجی رتبہ بھی کم ہو گیا۔

---

① روزنامہ خبریں: 28 مئی 2008

یہ عورت ہی تھی جس نے مردوں کو لباس دیا۔ طب و حکمت کی بانی بھی عورت ہی تھی۔ ہماری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی نرسنگ کے شعبہ پر عورت کی اجارہ داری قائم و دائم چلی ارہی ہے۔ ابتدائی دستکاریوں اور ہنر مندیوں کی بانی عورت ہے اسی نے کپڑا، پارچہ بانی اور کھیتی باڑی پر مشتمل تمام علوم و فنون ایجاد کئے۔لباس تیار کرنے کے لئے پہلے اٹی بنائی پھر چرخہ تیار کیا، یہی چرخہ بعد میں کھڈیوں کی شکل اختیار کر گیا۔ آٹا پیسنے والی پتھر کی ابتدائی چکیاں بھی عورت ہی نے بنائیں۔ جانوروں کی کھالوں کو صاف کرنے کا فن بھی عورت نے ایجاد کیا۔لباس کی کڑھائی و سلائی اور اس سے متعلق تمام اوزار بھی عورت نے ایجاد کئے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاندان کے معاشی استحکام کے لئے کام کرتے ہوئے معاشرے میں صنعتی انقلاب کی بنیادیں عورت نے رکھی ہیں۔

عورت نے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی کارکردگی کی انتہا کر دی ہے۔ تعلیم و تحقیق و طب کے میدان میں ان کی بھرپور صلاحیتوں کا اعتراف تو ایک عرصہ سے کیا جارہا ہے مگر اب تو سیاست، کھیل و ثقافت، معاشیات، انجینئرنگ، خلائی ہوابازی میں بھی ان کی موجودگی کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ عورتوں نے تحقیق کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے تو نوبل انعام حاصل کئے۔جنگی ہتھیاروں کو اپنانا شروع کیا تو ایڈمرل کے عہدے پر جا پہنچیں۔ آلات کے کل پرزوں کو بنظر غائر دیکھا تو بڑے بڑے جنگی جہازوں کو چلانے کے لئے انجینئر و کپتان بن گئیں۔ آسمان کی وسعتوں میں جھانکا تو پائلٹ بن کر ہوائی جہاز اڑانے لگیں۔سیاسی میدان میں اتریں تو وزارتیں اور صدارتی کرسیاں ان کی باندی بن گئیں۔[1]

سچ ہی تو ہے کہ عورت کا وجود معاشرے کے لئے فرحت اور راحت کا باعث ہے۔عورت کی موجودگی کے بغیر معاشرہ بالکل ادھورا اور کھوکھلا ہوتا ہے۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ صنف نازک نے اپنی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے اپ کو منوایا اور معاشرے میں اپنی اہمیت کا احساس جگایا ہے۔ خواتین کا معاشرے میں کردار دن بدن نکھر رہا ہے۔ ہمارے ہاں خواتین پورے جوش و خروش کے ساتھ سیاست، حکومت غرض یہ کہ ہر شعبہ ہائے زندگی میں حصہ لے رہی ہیں۔ وہ ڈاکٹرز بھی ہیں، بزنس مین بھی، انجینئر بھی، وکیل بھی، سفیر بھی اور آرٹسٹ بھی، ٹیچرز، شاعرہ، ادیب اور بیویاں بھی ہیں۔

ڈاکٹر شمشاد اختر کو بطور گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان منتخب کرکے صدر زرداری نے واضح کر دیا کہ پاکستانی خواتین معیشت جیسے پیچیدہ شعبے میں بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستانی خواتین چھوٹے پیمانے پر جیسا کہ کارپٹ تیار کرنے، سویٹر بُن کے، کھلونے بنا کے اور کھیتی باڑی وغیرہ کر کے ملک و قوم کی ترقی میں ہاتھ بٹا رہی ہیں اب تو خواتین کو دفاع کے شعبے میں بھی آنے کی اجازت دی جا چکی ہے۔ پھر ادب سے تعلق رکھنے والی پاکستان کی مشہور اور معروف خواتین ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے پوری قوم کا دل جیت لیا ہے۔

معاشرے میں معاشی کردار ادا کرنے والی خواتین کے بنیادی حقوق کے حوالے سے ایک منفی پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ ان محنت کش عورتوں کے اعداد و شمار کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی ان کے کام کی کوئی پہچان ہے۔ پاکستان میں اندازے کے مطابق 70 فیصد عورتیں لیبر فورس میں ہے۔ زرعی شعبے میں 67 فیصد، بھٹہ پر 65 فیصد، گھریلو ملازمت میں 42 فیصد، غیر رسمی شعبے میں 89 فیصد، گارمنٹس سیکٹر میں 82 فیصد اور قالین سازی کی صنعت مین 65 فیصد، محنت کش خواتین دن رات محنت اور لگن سے نامساعد حالات میں کام

① تاریخ اور عورت: ص 25

کر رہی ہیں یہ خواتین بڑھتی ہوئی مہنگائی میں بہت کم معاوضے پر کام کرنے پر مجبور ہیں۔ آج بھی ملک میں محنت کش خواتین کو 12 سے 14 گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اور انہیں مردوں کے مقابلے میں بہت کم تنخواہ دی جاتی ہے وہ دوہرے تہرے استحصال کا شکار تمام بنیادی سہولیات سے محروم ہیں اور کام کی جگہ پر صنف کی بنیاد پر ناانصافی کا سامنا کر رہی ہیں۔[1]

کسی مقام پر ایک سروے میں جب خواتین سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کس قسم کی ملازمت خواتین کے لئے پسند کرتی ہیں تو ٹیچر کی ملازمت کے لئے 80 فیصد خواتین نے پسندیدگی کا اظہار کیا، ڈاکٹر کے لئے 74 فیصد، نرس کے لئے 19 فیصد، ایئر ہوسٹس کے لئے 17 فیصد، فیکٹری ورکر کے لئے 11 فیصد، سیلز گرل کے لئے 6 فیصد اور آفس سیکرٹری کے لئے 9 فیصد نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔

میرے خیال میں عورت اپنے حالات و ظروف اور قوت صلاحیت کے لحاظ سے کئی ہنر اور پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ تعلیم و تدریس کے میدان میں جا سکتی ہے، ملازمت کی راہیں بھی اس کے لئے بند نہیں ہیں وہ تجارت، زراعت، صنعت اور انڈسٹری میں اپنا سرمایہ لگا سکتی ہے اور حسب ضرورت ان کی نگرانی کر سکتی ہے اس طرح معیشت کی اور بھی مناسب صورتیں وہ اپنے لئے سوچ سکتی ہے۔

صرف یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلام نے عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے لئے جو شرعی حدود و قیود مقرر کی ہیں ان کا دھیان رکھے کیونکہ یہ حدود نہ صرف ایک عورت کی پہچان ہیں بلکہ اس کی عزت بھی اسی میں ہے۔

پاکستان میں معاشی سرگرمی اور خواتین

حکومت پاکستان کے جاری کردہ قومی منصوبہ عمل برائے خواتین 2005ء کے مطابق ملک میں معاشی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کی صورت حال درج ذیل ہے:

لیبر فورس میں شراکت کی شرح	:	17 فیصد
پیشہ ورانہ اور منسلکہ کام (تعلیم اور صحت 56 فیصد سے زائد)	:	20 فیصد
پیداواری کارکن (زیادہ تر ملبوسات کی تیاری، فارمیسی وغیرہ میں)	:	4.9 فیصد
سرکاری ادارے	:	75 فیصد

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں تعلیم اور ملازمت کے حصول میں خواتین پر کوئی قانونی پابندی نہیں اور نہ ان کے معاوضوں میں، مردوں کی نسبت کوئی فرق ہی روا رکھا جاتا ہے۔ سرکاری شعبہ میں کل ملازم خواتین 5 فیصد سے کم ہیں۔ ان کی زیادہ تر تعداد تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کے محکموں میں ہے۔ اعلیٰ انتظامی عہدوں میں بہت کم تعداد میں خواتین ہیں نجی شعبہ میں بھی انتظامی شعبوں میں عورتوں کا حصہ انتہائی کم ہے۔

شہروں میں کام کرنے والی تین چوتھائی خواتین غیر رسمی شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اجرت پر گھریلو کام کاج کرنے والی خواتین بھی شامل ہیں، تاہم اب بینکنگ، کمپیوٹر اور دیگر دفتری امور میں خواتین کی شرکت روز افزوں ہے۔

دیہی خواتین میں زرعی امور میں خواتین کی شرکت زیادہ ہے، قومی اعداد و شمار برائے 1991ء کے مطابق دیہات میں صورت

---

① روزنامہ 'آج کل' :2 مئی 2009

حال یہ ہے:

محنت کشوں میں شراکت	:	57-43 فیصد
خاندان/ذاتی زمینوں میں	:	38-36 فیصد

اعداد و شمار کے مطابق زرعی شعبہ میں خواتین معاون کے طور پر بلا معاوضہ خدمات انجام دیتی ہیں، جبکہ بالمعاوضہ ملازمت میں ان کا حصہ 7.5 فیصد ہے۔

دیہی علاقوں میں کارکن مردوں کے بیرون ملک جانے کے رجحان، ان کے غیر زرعی شعبوں سے وابستگی اور کچھ دیگر امور کے باعث زرعی شعبہ میں خواتین کی شراکتی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ کپاس چننے کا کام تو مکمل طور پر عورتیں کرتی ہیں۔

معاشی عمل میں خواتین کی یہ شرکت غیر ہنر مند دائرے میں آتی ہے۔ حکومت پاکستان وزارت امور خواتین کے جاری کردہ پاکستان نیشنل رپورٹ برائے بیجنگ +10 کے مطابق معاشی عمل میں مصروف دیہاتی خواتین میں 90 فیصد اور شہری خواتین میں 70 فیصد غیر ہنر مند ہیں۔

خواتین کے معاشی کردار کے حوالے سے ایک اہم مسئلے کا سامنا ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں بہت سے ایسے شعبہ جات ہیں کہ لڑکی کو وہاں آنے نہیں دیا جاتا حالانکہ اس کو تعلیم ایسے ہی شعبوں کے لئے دلائی جاتی ہے بعض شعبہ جات تک لڑکیاں پہنچ جاتی ہیں لیکن ان میں خواتین کے لئے زیادہ آسامیاں نہیں ہوتیں جیسے بینک کا شعبہ، تعلیمی شعبہ وغیرہ ان کے لئے ہزاروں لڑکیاں خواہشمند ہوتی ہیں لیکن ملازمت نہ ملنے کی مشکلات، ملازمتوں کی کمی کے مسئلہ پر ایک تعلیم یافتہ عورت نے یوں کہا کہ

"پاکستان میں لڑکیوں کے لئے مناسب ملازمتوں کی کمی ہے اس لئے ہر شعبہ میں آسامیاں دی جائیں تاکہ لڑکیوں کو یہاں ملازمت کی سہولت حاصل ہو۔"

5

فصلِ پنجم

پاکستانی عورت کی بیرون خانہ جدوجہد
اور
مسائل

پاکستانی عورت کی بیرون خانہ جدوجہد اور مسائل

آج انسان کا اہم ترین مسئلہ اور پہلی ترجیح معاشی مسائل کی فراہمی بن چکا ہے۔ انسانی کی قدرو قیمت مال وزر کی کمی بیشی سے متعین کی جانے لگی ہے۔ قوت اور مال لازم وملزوم قرار پاچکے ہیں۔ معیار زندگی کی مسابقت نے فرد کو معاشرے سے، فرد کو خاندان سے بلکہ فرد کو فرد سے کاٹ کر رکھ دیا ہے ہر فرد کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاشرے میں اپنے لئے کسی مقام کا خواہشمند ہے تو معاش کی دوڑ میں سبقت لے جانے کی کوشش کرے معاشرے میں موثر اور طاقتور ہونے کے لئے معاشی خود انحصاری ناگزیر قرار پاچکی ہے۔

خواتین کے مرتبہ ومقام اور تعلیم کی بات انسانی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ معاشی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے اس لحاظ سے خواتین کی معاشی خود انحصاری کی اصطلاح گمراہ کن ہے -بنیادی سوچ یہی ہے کہ معاشرے میں کسی شخص کی قدروقیمت کا تعین اس سے ہوتا ہے کہ اس سے کس قدر مالی منفعت وابستہ ہے اس اصول کے تحت مختلف معاشروں میں عورت کی زبوں حالی کا اصل سبب یہ تلاش کیا گیا کہ چونکہ وہ خود مال وزر کما کر نہیں لاتی اس لئے ناروا اور امتیازی سلوک کا نشانہ بنتی ہے -صورت حال کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ عورتوں کو مردوں کے ہمراہ انہی جیسی تعلیم وتربیت دے کر معاشی دوڑ میں شامل کیا جائے۔ اس طرح نہ صرف اس کا سماجی مرتبہ بلند ہوگا بلکہ اسے خود اختیاریت (Empowerment) بھی حاصل ہوگی اور اس طرح قومی فی کس آمدنی میں اضافہ ہوگا جس سے مجموعی طور پر معیار زندگی بلند کیا جاسکتا ہے۔

حقوق نسواں کی علمبردار تنظیموں کے مطابق عورت کو آزاد اور معاشی طور پر خوشحال زندگی حاصل کرنے کے لئے اور ملکی معیشت کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورت معیشت میں اپنا حصہ ڈالے ان کے مطابق معیشت کو سہارا دینے والے ہاتھ جتنے زیادہ ہوں گے معیشت اتنی ہی بہتر ہوگی۔

ان کا خیال ہے کہ پاکستان چونکہ ایک ترقی پذیر اور پسماندہ ملک ہے اور اس کو ترقی یافتہ، خوشحال ممالک کی فہرست میں لانے کے لئے عورت کو عضو معطل نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے۔ گھر صرف عورت کی ذمہ داری نہیں ہے اس ذمہ داری کو مرد وعورت دونوں کو یکساں اٹھانا چاہئے - آج کی عورت کمزور نہیں ہے وہ ہر کام کر سکتی ہے اور جب مرد عورت برابر ہے (یعنی ایک چہرہ دوہاتھ، دوپاؤں، دو آنکھیں، دوکان ایک ناک) تو پھر یہ صنفی امتیاز کیوں؟

عورت نے باہر نکل کر مردوں کی طرح کمانے کی کوشش شروع کی تو اسے کافی تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ گھر کی چار دیواری میں وہ مرد کے جس ظلم کا شکار تھی باہر نکلنے پر مرد کا یہ ظلم اس پر کئی گناہ بڑھ گیا- ظاہری طور پر تو اس کی معاشی پوزیشن پہلے سے کچھ اچھی ہوگئی۔ لیکن اس پر دوہری ذمہ داری کا بوجھ پڑ گیا اس کی ملازمت کی وجہ گھر گھر والی سے، بچے ماں سے، شوہر بیوی سے اور بوڑھے معذور افراد خدمت کرنے والوں سے محروم ہوگئے، دوران ملازمت دفاتر، فیکٹریوں، غرض ہر جگہ عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ اٹھنے بیٹھنے سے مردوں میں انتشار اور انار کی بڑھتی گئی اور معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب امنڈ آیا۔

خاندانی نظام کی تباہی، عورتوں کی مردوں سے مسابقت کے باعث مرد عورت کے تحفظ اور احساس ذمہ داری سے فارغ ہوگئے۔ اب وہ عورتوں کے معاشی کفیل بھی نہ رہے۔ عورت کی معاشی ذمہ داری نے عورت کی مادی طاقت میں اضافہ کرنے کی بجائے ان کی

کفالت کی جگہ لے لی۔ جس کی بدولت عورت کو آزادی تو ملی لیکن ذمہ داری بڑھ گئی۔

عورت کی ملازمت کے حوالے سے منیر احمد خلیلی لکھتے ہیں:

جدید دور میں شیطانی نظام کے اندر عورت نے گھر سے نکل کر خود کمائی کرنے اور خود کفالتی کا درجہ پانے کے لئے جدوجہد شروع کی تو اس کا سب سے بُرا اثر خاندانی نظام، ازدواجی رشتے اور خانگی ماحول پر پڑا، عورت نے سوچنا شروع کر دیا کہ اب وہ شوہر کی محتاج نہیں رہی جب اپنا معاش خود کما رہی ہے تو شوہر کی اطاعت اس پر کہاں لازم رہی ہے-اس وجہ سے شادی ایک کھیل بن گئی اور طلاق ایک معمول۔ اسلام کی اپنی تعلیمات ہیں اور زندگی کے بارے میں اپنے خاص اصول ہیں۔ اسلامی نظام میں رشتہ ازدواج کی استواری پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ، ایک سماجی ذمہ داری ایک شرعی تقاضا اور سنت نبوی ہے۔[1]

عورتوں میں ملازمت کرنے کا رجحان اس لئے بھی بڑھ رہا ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے مطلوبہ خصائص میں ملازمت کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ملازمت پیشہ لڑکیوں کے جلد رشتے ملنے کی بنا پر اب اکثر والدین میں رجحان بڑھ رہا ہے کہ لڑکی کو ملازمت کروائیں۔ مردوں کے نان و نفقہ کی طرف سے عدم توجہی کی بنا پر بھی معاشی تحفظ کے لئے ملازمت کرنا چاہتی ہیں جبکہ عورتوں کی ملازمتوں سے بے شمار مسئلے پیدا ہو رہے ہیں۔

عورت کا فطری دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ جب عورت اپنے اس دائرہ کار سے نکلتی ہے تو بچوں کی پرورش و پیدائش، تربیت اور گھریلو امور کو پوری توجہ نہیں دے سکتی کیونکہ یہ جزوقتی نہیں کل وقتی مصروفیات ہیں۔ دوسرا جب عورت اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشی بوجھ بھی اٹھا لیتی ہیں تو بعض اوقات مرد بالکل نکمے اور نکھٹو ہو جاتے ہیں کہ ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، جان کیوں ہلکان کرو ں، عورت جس کا نان و نفقہ مرد کی ذمہ داری ہے اب وہ نان و نفقہ بھی کماتی ہے اور گھر بھی چلاتی ہے کیونکہ اسے اپنی بنیادی ذمہ داریاں بہر طور ادا کرنی ہیں۔

اگر مردوں کی یہ ذمہ داری مردوں پر ہی رہنے دی جائے تو عورت اپنے بنیادی اور فطری دائرہ کار میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا اظہار کر سکے گی۔ مرد کو چاہیئے کہ وہ عورت کو اس دائرہ کار سے بلا ضرورت باہر نہ نکالے اور عورت کے دائرہ کار کو تحقیر نہیں تحسین کی نظر سے دیکھے اور اس کے گھریلو امور کو فارغ رہنا خیال نہ کرے۔[2]

زینب الغزالی لکھتی ہیں: آزادی اور ملازمت کا شوق آج عورت کو اس کے اصل مرکز عمل اور حقیقی کارگاہ حیات یعنی اس کے گھر سے باہر نکال لے گیا ہے یہ خود عورت کے لئے اور مجموعی طور پر مسلم معاشرے اور ملت کے لئے سب سے بڑا گھمبیر مسئلہ بن گیا ہے اس کا حل یہ ہے کہ عورت پلٹ کر اپنی قلمرو میں آجائے اور باہر کے مسائل مرد پر چھوڑ دے ناگزیر حالات کے سوا گھر سے باہر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز نہ بنائے نسلوں کو چند ٹکوں کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہیئے۔ اس طرح اولاد ہی ضائع نہیں ہو رہی بلکہ ازدواج کے وظائف بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ ازدواجی زندگی کی عمارت ہدم و شکست اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ خاندانی نظام کا استحکام متزلزل

---

① خاندانی نظام، اس نشیمن کو بچانے کی فکر کیجئے: 86

② زاد المعاد : 5 / 186

ہو رہا ہے۔[1]

ملازمت کے لئے گھر سے باہر نکل جانے والی عورت کو جن جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

1. عورت کے اپنی ذات کے متعلق مسائل

موجودہ دور کی مسلمان عورت معاشی لحاظ سے ایک مسئلہ بن کر رہ گئی ہے ہر خاندان کے باشعور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ایک لڑکی کو لڑکے کے برابر مساوی حقوق دیتے ہوئے اس کی تعلیم و تربیت پر ایک خطیر رقم خرچ کی گئی ہے تو وہ کیوں نہ کنبے کے لئے ایک اقتصادی سہارا بنے اور کیوں نہ معاشرتی ابتری کو کم کرنے کا باعث بنے اور جب وہ معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے کسی دفتر یا رفاہی ادارے میں ملازمت اختیار کرتی ہے تو معاشرہ اس سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ معاشی الجھنوں کو کم کرنے کے لئے افراد خانہ کا ہاتھ بٹانے اور ستم تو یہ ہے کہ اسی لمحے وہ اس طریقہ کار کو بنظر استحقار دیکھتا ہے اب سماج کے ان دونوں متضاد تقاضوں کو بیک وقت پورا کرنا عورت کے لئے ایک مسئلہ بن جاتا ہے جبکہ اس معاشی جدوجہد میں اسے مخلوط تعلیمی اداروں میں ملازمت کا مسئلہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔بسا اوقات اسے اس جدوجہد میں اسے ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جس میں اسے اسلامی حدود سے تجاوز کرنا پڑتا ہے۔

معاشی پسماندگی دور کرنے کے لئے وہ اپنی عمر گزار دیتی ہے اور شادی کی عمر اسی جدوجہد میں ضائع ہو جاتی ہے۔ایک اچھی پوسٹ پر ملازمت کرنے والی خاتون نے کہا کہ لوگ میری ملازمت کی وجہ سے مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں یہ ان کا لالچ ہے کیونکہ اس سے پہلے جب میں جاب نہیں کرتی تھی تو کسی کو میرا ہنر اور سلیقہ نہیں نظر آتا تھا۔دوسری طرف یہی عورت اگر غریب گھر سے تعلق رکھتی ہے اور اپنی جاب کی وجہ سے گھر والوں کو سپورٹ کرنا چاہتی ہے تو اس کی ملازمت کو اس کے لئے یہ طعنہ بنا دیا جاتا ہے جس کو جواز بنا کر اس کی زندگی مشکل کر دی جاتی ہے۔بعض ملازمت پیشہ عورتوں کی شادی اس وجہ سے نہیں ہو پاتی کہ وہ اپنے خاندان اور دوسرے اہل خانہ کی کفیل ہوتی ہیں۔[2]

اس طرح بعض اوقات وہ خود کما کر بہت زیادہ خود مختار ہو جاتی ہیں کہ دوسرے کے بارے میں سوچنا، اس کے ماتحت رہ کر چلنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ کئی لڑکیاں ملازمت اس لئے کر رہی ہوتی ہیں کہ وہ اپنے والدین، بھائی بہنوں اور شوہر کو سپورٹ کرنا چاہتی ہیں لیکن اس کوشش میں وہ فطری ضروریات اور گھریلو زندگی کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ملازمت کرنے والی عورت کا بڑا مسئلہ دوہری ذمہ داری کا ہے جن کی نشاندہی 70 فیصد عورتوں نے کی ہے ایک ملازمت پیشہ عورت کہتی ہے کہ:

"میں جب ملازمت کے لئے نکلتی ہوں تو میں گھر کے سارے کام کر کے جاتی ہوں میں اپنے گھر میں اپنے بچوں کو بھی پڑھاتی ہوں مجھے شوہر کے بھی سارے کام کرنے ہوتے ہیں۔گھر کی صفائی، کھانا پکانا سب میری ڈیوٹی میں شامل ہے جبکہ میرا شوہر صرف ملازمت کی ڈیوٹی دیتا ہے۔میں سمجھتی ہوں کہ ملازمت سے دوہری ذمہ داری کا بوجھ پڑتا ہے۔اگر بچوں کو اور گھر کو وقت نہ دیں تو یہ تباہ ہو جائیں، یہی وجہ اکثر ملازمت پیشہ عورتیں ذہنی دباؤ کا شکار رہتی ہیں۔دوہری ذمہ داری پوری کرنے کے لئے یہ اکثر اپنے ذاتی آرام کو قربان کر دیتی ہیں۔ایک متوسط طبقے کی عورت نے جب تعلیم حاصل کی اور کیریئر بنانے کا موقع حاصل کیا تو اس وقت

---

① مسلمان عورت کا اصل مسئلہ :ص 9

② روزنامہ 'پاکستان' : 25 نومبر 1997

اس نے دیکھا کہ وہ اپنی ملازمت کی وجہ سے اپنی گھریلو زندگی کا سکون ہی کھو بیٹھی اور گھر کے کام جو بلا معاوضہ کرتی ہے۔ اس میں رشتہ داروں کی مدد سے بھی محروم ہو گئی اس وجہ سے اس کے پاس صرف دو راستے رہ گئے ہیں کہ یا تو وہ گھر کے کام کاج سنبھالے یا وہ ہمہ وقتی پوری ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ برداشت کرے۔

خواتین کی روزانہ کی کارکردگی کا اگر غیر جانبداری سے موازنہ کیا جائے تو وہ خواتین جو ملازمت کر رہی ہیں مردوں کی نسبت بہت زیادہ خدمات انجام دیتی ہیں۔ مرد گھر آنے پر کوئی دوسرا کام کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے جبکہ ملازمت پیشہ خواتین نہ صرف اپنے ادارے میں فرائض ادا کرتی ہیں بلکہ گھر آنے اور صبح ملازمت پر جانے سے قبل گھریلو کام احسن طریقے سے انجام دیتی ہیں۔ صبح اُٹھ کر گھر کی صفائی ستھرائی کرنا، کھانا پکانا، برتن دھونا، کپڑے وغیرہ دھونا، اور بعد ازاں انہیں استری کرنا۔ اسی طرح ملازمت سے آنے کے بعد بھی گھر کی دیگر ذمہ داریاں ادا کرنا معمولی کام نہیں۔

روزانہ صبح اُٹھنا، بچوں کو تیار کرنا، ان کی دیکھ بھال، ناشتہ بنانا، ناشتہ کے برتن دھونا، گھر صاف ستھرا رکھنا، کپڑے دھونا، دوپہر کا کھانا بنانا، بچوں کے سکول سے آنے کے بعد انہیں کھانا دینا، ان کی پڑھائی کا خیال رکھنا، ہوم ورک کروانا۔ بعد ازاں رات کا کھانا بنانا، شوہر کی ضروریات کا خیال رکھنا، دن میں کئی مرتبہ برتن دھونا، مہمانوں کی آمد پر ان کی خاطر مدارت کرنا یہ سب وہ کام ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ کسی گنتی میں شمار نہیں ہیں لیکن دن بھر عورت انہیں خوش اسلوبی سے سنبھالتی ہے اور گھر کا جس انداز سے خیال رکھتی ہے، مرد چاہے تو بھی نہیں کر سکتا اگر مرد عورت مل جل کر اپنے معاملات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہو گا کہ عورت مرد کے مقابلے میں ہر طرح زیادہ کام کرتی ہے لیکن مرد اپنی ملازمت کو بطور احسان جتاتا ہے جبکہ عورت کے لئے یہ جملہ "تم پورا دن کیا کرتی رہی ہو" بول کر اس کے کام کو بے مول گردانتا ہے خاص طور پر تعلیم یافتہ ملازمت پیشہ خواتین کو گھر کی ذمہ داریوں کے علاوہ معاشرہ میں قدم بہ قدم جن مسائل کا سامنا ہے اس کا تصور بھی محال ہے۔[1]

عورت نے معاشی ذمہ داری خود اٹھا کر اپنے کندھوں پر دوہرا بوجھ لاد لیا ہے اور مرد کی طرف سے استحصال سے بچتے بچتے خود ہی اپنا استحصال کرنا شروع کر دیا ہے اور اب جس مرحلے میں وہ پہنچ چکی ہے اس سے چھٹکارا مشکل ہو گیا ہے اب وہ اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی ہے لیکن کوئی اس کا کفیل نہیں ہے اس لئے اس کو اپنا مالی بوجھ خود برداشت کرنا پڑتا ہے۔

عورت کی ملازمت کی وجہ سے مرد اب اپنی ذمہ داریوں کی اہمیت کو کم محسوس کر رہے ہیں اب وہ معاش کی فکر میں صبح و شام کم ہی رہتے ہیں کیونکہ اب اس کام میں ان کی بیویاں برابر کی شریک ہیں۔

یہ عورت پر ظلم ہے کہ ایک طرف فرائض منزلی اور بقائے نوع انسانی کا اس کو ذمہ دار قرار دیا جائے اور دوسری طرف تلاش معاش وغیرہ کا بھی اس پر بار ڈالا جائے کیا یہ غلامی نہیں کہ مرد اپنا کام بھی عورتوں کے سپرد کر کے طبعی فرائض کی انجام دہی سے سبکدوش ہو جائیں اور عورت کو فرائض منزلی کے ساتھ تمدن و سیاست کے انتظام و اہتمام کا بھی ذمہ دار قرار دیں۔[2]

اس طرح معاشی تگ و دو میں حصہ لینے کی وجہ سے عورت بچوں کو زیادہ وقت نہیں دے سکتی جتنا وقت بچوں کی صحیح اور مناسب

---

① روزنامہ 'پاکستان' : 26 مارچ 2009

② مسلمان عورت : ص 62

پرورش کے لئے ضروری ہے اتنا بھی وہ ان کو نہیں دے پاتی جس کے نتیجے میں بچوں کی اپنے والدین کے ساتھ اتنی انسیت قائم نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہیئے پھر وہی بچے بڑے ہو کر ان سے شکایت کرتے ہیں اور وہی ماں جب بڑھاپے کو پہنچتی ہے تو ان بچوں کی طرف سے شفقت وعزت سے محروم رہ جاتی ہے۔

2. عورت کے خاندانی مسائل

عصر حاضر میں عورت کے سماجی کردار کی وجہ سے خاندان کے وجود کو ہمہ پہلو چیلنج درپیش ہے قرآن کی رُو سے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾[1] اقوام کی تعبیر وتفسیر کا تعین ہے ایک خیال یہ ظاہر کیا جاتا کہ جب عورت کمارہی ہے اور شوہر اس کا کفیل نہ ہو تو پھر قوام کیوں ٹھہرے۔ ایسی صورت حال میں عورت ہی قوام کیوں نہ ہو گھر کے ادارے میں مرکزیت کے لئے کسی ایک کو نگران ومنتظم کی ذمہ داری سونپی جانی تھی اللہ نے وہ ذمہ داری مرد کو سونپی۔ قرآن کے مطابق قوام بنانے کی ان دو وجوہ میں سے اگر ایک ساقط ہو جائے تو بھی مرد ہی قوام ہو گا۔ بنیادی طور پر نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد کی ہے اور عورت اگر کماتی بھی ہو، وہ مرد سے زیادہ مال بھی رکھتی ہو، تب بھی مرد کا یہ حق برقرار رہتا ہے۔ تاہم اپنے مال پر عورت آزادانہ تصرف کا اختیار رکھتی ہے اگر وہ اپنی خواہش سے گھر پر خرچ کرتی ہے تو یہ اس کی نفلی نیکی ہے۔

دسمبر 1979ء میں حقوق نسواں کے لئے ایک عالمی معاہدہ Convention on Elimination of all forms of Discrimination against Women (CEDAW) منظور کیا گیا اس میں یہ طے پایا کہ عورت اور مرد کو مساوات اور برابری کے مقام پر لانے کے لئے ہر طرح کے امتیاز کو ختم کیا جائے اس کی 30 دفعات میں سے 16 دفعات خواتین کے مختلف حقوق سے متعلق ہیں۔ بادی النظر میں یہ 16 نکاتی ایجنڈے سے بظاہر اختلاف ممکن نہیں ہے اس لئے کہ وہ عورت کی فلاح وترقی کے لئے جامع منصوبہ کی تصویر پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اس بظاہر صورت حال سے فریب کھانے کی بجائے ذرا گہرائی میں جاکر جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ دراصل یہ رد عمل کی ایک عالمی تحریک ہے- جس میں بہت سے پیغامات مضمر ہیں۔ عورتوں کی برابری کے نام پر ہر طرح کی تفریق ختم کرنے کی کوشش کے ساتھ یہ غیر منطقی تعلیم ذہنوں کو پراگندہ کر رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں پہلے 5 فیصد کوٹہ ملازمت خواتین کے لئے مخصوص تھا اب اس کو 50 فیصد تک لے جانے کی کوشش کی جارہی ہے اگر ملازمت کے 50 فیصد کوٹے پر اور 15 سے 20 فیصد میرٹ پر خواتین آجائیں تو تقریباً 70 فیصد ملازمتیں عورتیں کے پاس اور 30 فیصد مردوں کے پاس ہوں گی۔ اس طرح مردوں کی بے روزگاری میں اضافہ اور گھر میں تعاون اور ذمہ داری کی تقسیم پر اصرار سے معاشرہ کا ایک نیا نقشہ بنے گا۔ معاشی میدان میں عورتیں سرگرم اور مرد گھر ھست ہوں گے۔ ماں کے اندر ممتا کے رویہ میں اولاد کی پرورش کے لئے عطا کردہ تحمل، نرمی، الفت کی جگہ باپ کی بے لچک شخصیت لے لے گی۔ جس کو قدرت حق نے بیرونی محاذ کے لئے زیادہ طاقتور اور سخت جان بنایا ہے۔ اس طرح توازن کے بگڑنے سے اولاد اور خاندان پر منفی اثرات آئیں گے۔

مزید ازاں بچوں کی دیکھ بھال کے لئے گھریلو ملازم خاتون کا انتظام اور خود دن رات یا کئی کئی روز بیرون شہر یا بیرون ملک ملازمت،

---

① سورة النساء، 4 : 34

میٹنگوں، سیمیناروں، ورکشاپوں، اجلاسوں میں شرکت یا دورے اور فنکشنوں میں غیر محرم مردوں کے ساتھ اجتماعی و ادارتی سرگرمیوں میں مصروف رہنا، جہاں آئندہ نسلوں کی تربیت پر اثر انداز ہو رہا ہے، وہاں گھروں میں غیر محرم ملازم عورتوں اور شوہر کی موجودگی بھی معاشرے میں کئی کہانیوں کو جنم دے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ بچوں کو کارٹون، انٹرنیٹ، سی ڈی پروگراموں میں مصروف کرکے یا کئی کئی ٹیلی ویژن چینلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے یا معاشی ترقی کے خواندہ نقصانات کا موازنہ کرکے ایک بہتر لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔؟

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

میں اس خیال سے لرزہ براندم ہو جاتا ہوں کہ عورتیں قوت لایموت کا بندوبست خود کریں، اس طرز عمل سے نسائیت کا جوہر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

عورت کے معاشی استقلال کے نتائج بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عورت کے معاشی استقلال نے اسے مرد سے بے نیاز کر دیا یہ اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر سنبھالے قدیم ٹھہرا۔ جدت نے مرد وزن کو یہ نیا سبق دیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے اب دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو اور ظاہر ہے کہ محض شہوانی خواہشات کا پورا کرنا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کی خاطر مرد و عورت لامحالہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق ہی کی گرہ میں باندھیں اور ایک گھر بنا کر مشترک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے۔ اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے۔ اپنی زندگی میں دوسروں کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے وہ آخر محض شہوانی خواہش کی تسکین کے لئے کیوں ایک مرد کی پابند ہو؟ کیونکہ اپنے اوپر بہت سی اخلاقی اور قانون بندشیں عائد کرے؟ کیوں ایک خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے؟ جبکہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس کی راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں تو وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے یہ آسان، پرلطف اور خوشنما راستہ چھوڑ کر قربانیوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدا ہوا پرانا دقیانوس old fashioned راستہ کیوں اختیار کرے؟ گناہ کا خیال مذہب کے ساتھ رخصت ہوا اور سوسائٹی کا خوف یوں دور ہو گیا کہ سوسائٹی نے اسے اب روشن خیال اور مساوات کا نام دے دیا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جس نے مغربی معاشرت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔[1]

3. گھر کے مردوں سے متعلق پیش آمدہ مسائل

اگر پہلے عورتوں کو گھروں میں ایک طرح سے سخت پابند بنا کر ان کی جائز ضرورتوں اور حقوق سے انکار اور بیرون خانہ نقل و حرکت پر قدغن کی ایک انتہا تھی، تو اب میڈیا کی تحریک، کوٹہ سسٹم، رعایتوں وغیرہ کے ذریعے بیرون خانہ سرگرمیوں کے لئے عورتوں کو کھینچ کھینچ کر لانا ایک طرح کا ریاستی جبر ہے۔ جو دوسری انتہا ہے عورت پہلے ایک انتہا پر مظلوم تھی اور اب دوسری انتہا پر مظلوم تر ہے۔

① پردہ از مولانا مودودی: ص 25-26

معاشی ترقی اور خود انحصاری کے نام پر عورت کو مرد کی کفالت سے محروم کرنے اور عورت کی کمائی کے لئے عوامل پیدا کرنا عورت کے ساتھ خیر خواہی نہیں ظلم ہے۔ اگرچہ موجودہ مسلم معاشرے کسی بھی جگہ اپنی اصل روح کے مطابق اسلامی قدروں کی آبیاری نہیں کر رہے۔ تاہم 99 فیصد مسلمان مرد خواہ وہ دین کا کوئی فہم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یہ بات ضرور جانتے ہیں کہ اپنی بیوی بچوں کو کما کر کھلانا انہی کی ذمہ داری ہے۔

جدید دور میں معاشی ذمہ داری خود اٹھا لینے سے مرد و عورت میں طلاق کی شرح بڑھ گئی ہے۔ عورتوں نے معاش کے ساتھ ساتھ طلاق کا حق بھی مانگ لیا ہے۔[1] طلاق سے قبل بھی عورتیں گھر کا خرچ خود چلا رہی تھیں جو مرد طلاق سے قبل خرچ اٹھانے کا عادی نہیں تھا وہ طلاق کے بعد عورت کو بچوں کا خرچ کیوں دیتا۔ نتیجتاً single parent families نے جنم لیا اور عورتوں پر ذمہ داریاں کئی گناہ بڑھ گئیں۔[2]

دوسری طرف پاکستانی ملازمت کرنے والی عورت کے پاس دوہری ذمہ داری ادا کرنے کے باوجود معاشی خود انحصاری نہیں ہے اس کی وجہ سے اسے کئی مرتبہ اپنی ہی محنت کی کمائی کو چھپا کر خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر شوہر کے سامنے ایسے بودے بہانے بناتی ہے کہ یہ مجھے میرے میکے والوں میں سے کسی کی طرف سے تحفہ ملا ہے کیونکہ پاکستانی مرد اس وقت تک عورت کو committed ہی نہیں سمجھتا تا آنکہ وہ اپنی ہر چیز مرد کے سپرد نہ کر دے۔ ”ملازمت پیشہ خواتین میں سے کئی عورتیں ملازمت کے ذریعے جو رقم کماتی ہیں گھر کے مرد اسے اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔[3]

المیہ کی بات یہ ہے کہ دوہری مشقت و محنت کے بعد بھی یہ محنت کش عورتیں گھر میں مرد کے مقابلے میں دوسرے درجے کی مخلوق بنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں پھر یہ باعزت مخلوق مرد محض مرد ہونے کی وجہ سے گھر میں عورت کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے اور بسا اوقات ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ نتیجے میں بچے کے ذہن پر نقش ہونے والی پہلی تصویر عورت کا جو مقام بناتی ہے وہ مرتے دم تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا اس طرح ہم نسل در نسل ایسے فرد پیدا کرتے آ رہے ہیں جو بچپن سے ہی ذہنی طور پر خود کو عورت سے بلند تر سمجھتے ہیں۔[4]

حصول معاش اور سیاست کے میدان میں جب عورت اترتی ہے تو اسے ایک ایسے حریف مرد سے سابقہ پیش آتا ہے جو اس میدان کی بازیاں جیتنے کے لئے اس پر خلقی اور فطری برتری رکھتا ہے مرد کی یہ برتری اکتسابی نہیں بلکہ فطری inherent ہوتی ہے۔ اس وجہ سے عورت انتہائی جدوجہد کے باوجود بھی اپنے نقص کی تلافی کی کوئی راہ نہیں پاتی جس کا لازمی نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنی بے بسی تسلیم کر کے بالآخر مرد کی تابع مہمل بن کر رہ جاتی ہے اور اپنی شخصیت مرد کی شخصیت میں گم کر دیتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر ہر بات میں مرد کی ریس کرنے اور اس کی نقل اڑانے لگ جاتی ہے یہ دونوں حالتیں عورت کے لئے قابل رشک نہیں، ہو سکتا ہے وہ صلاحیتوں میں مستقل مایوسی کا شکار ہو جائے۔

---

① بیجنگ ڈرافٹ، دفعہ 17

② بیجنگ ڈرافٹ، دفعہ 10

③ روزنامہ 'پاکستان' : 25 نومبر 1997

④ روزنامہ ' آج کل': 21 مارچ 2009ء

اس مقابلہ میں پڑنے کے بعد عورت اپنے بہت سے اعلیٰ اوصاف کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوتی ہے اور ان کی جگہ دوسرے اوصاف پیدا کرتی ہے جو کسی بھی طرح اس کے اصل اوصاف کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ وہ دنیا میں جنم دینے والی اور پالنے والی بنا کر بھیجی گئی ہے لیکن اس مقابلہ میں پڑ کر اسے مطالبہ کرنے سے لے کر ہڑتال اور سٹرائیک، تخریب اور انقلاب پیدا کرنے کے سارے ہنگاموں میں حصہ لینا پڑتا ہے۔ قدرت نے اسے مامتا کا جمال اور زوجیت کی محبوبیت اور سکینت بخشی ہے لیکن سیاست اور معیشت کا روگ جب اسے چمٹ جاتا ہے تو وہ ایک ماں، ایک بیوی سے زیادہ اپنے اندر ایک حریف اور مدمقابل کی خصوصیات جمع کر لیتی ہے۔

سیاست اور معیشت کے میدان میں عورت خواہ کتنی ہی سر مارلے کوئی بڑی خدمت بھی انجام دے لے، مرد کی طرف سے مشکل سے ہی اس کا اعتراف کیا جاتا ہے مرد فی الواقع عورت کی قابلیت سے متاثر ہوتا ہے اور نہ اس کا اعتراف کرتا ہے وہ پارلیمنٹ کے ایوان کے اندر بھی عورت کو ایک مدبر اور قانون دان کی حیثیت سے دیکھنے اور اس کے تدبر اور اس کی معاملہ فہمی کی داد دینے کی بجائے اس کے دوپٹہ کی شکنوں اور اس کی ساڑھی کے رنگوں کو ہی دیکھتا ہے۔

یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے کہ بعض شعبوں میں عورتیں مفید کارکن کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں گھر کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں یہاں تک کہ بیوی کے مالی تعاون کے بغیر شوہر کے لئے تنہا بچوں اور گھر کے اخراجات برداشت کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے لیکن حیرت ہے کہ آج بھی کچن اور بچوں کی ذمہ داریاں انجام دینے میں عورت تنہا ہے اس کی اہم وجہ مرد حضرات کی انا پرستی ہے یعنی عورت کی ملازمت کرنے اور گھر کے اخراجات برداشت کرنے کو مرد معیوب نہیں سمجھتا لیکن گھریلو کام کرنے یا عورت کا ہاتھ بٹانے پر اس کی عزت پر حرف آتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک بیوی کا شوہر سے تعاون کے لئے ملازمت کرنا ایک اچھی بات سمجھی جاتی تھی اور اس قدم پر بیوی کی تعریف کی جاتی لیکن اب یہ بیوی کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ آج مرد تعلیم یافتہ بیوی کو اس پہلو سے بھی پسند کرتے ہیں کہ شادی کے بعد ملازمت کر کے ان کی معاشی ذمہ داری میں بھی ہاتھ بٹا سکتی ہے یا کم از کم اپنا اور بچوں کا بوجھ مرد پر نہیں ڈالے گی۔ اور اس کے جواز میں مغربی معاشرے کی مثالیں دی جاتی ہے۔ مرد حضرات کا کہنا ہے کہ مغربی ممالک میں بھی عورت ملازمت کر کے شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہے اس لئے پاکستانی عورت کی ملازمت کوئی انوکھی بات نہیں ہے اور جب بات بچوں کی دیکھ بھال اور کچن کے امور کی ہو تو ذمہ داریوں کو سنبھالنا تو دور کی بات بیوی کی تھوڑی سے مدد کرنا بھی مرد کی شان کے خلاف ہے۔

ایک طرف تو مرد اپنی ایک ہی ذمہ داری کی بنیاد پر عورت پر فوقیت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی گھر کے کام کاج کو احسن طریقے سے انجام دے، نہ تو وہ اس کو ملازمت چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں اور نہ گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ملازمت پیشہ خواتین کی شوہر سے شکایات میں سرفہرست یہ ہوتا ہے کہ ان کے شوہر بچے کا بھی کوئی چھوٹا موٹا کام نہیں کرتے، بچے کی رونے کی آواز سن کر بیوی کو خود ہی تمام کام چھوڑ کر اس کے پاس آنا پڑتا ہے چاہے شوہر بالکل بچے کے قریب ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔

صبح دفتر جانے سے قبل اور شام کو دفتر سے واپسی پر شوہر یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ بیوی ان کی تیاری میں اور سامان سنبھالنے میں پوری طرح تعاون کرے۔ ملازمت کرنے والی خواتین کی آمدنی سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے کے باوجود مرد اس کی اہمیت نہیں مانتے

جب کبھی آمدنی کی بات ہو گی تو شوہر اپنی انکم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تاثر یہ ہوتا ہے کہ گھر کے تمام اخراجات شوہر کی آمدنی سے پورے ہو رہے ہیں اور بیوی کی تنخواہ محض چھوٹے موٹے اخراجات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ معاملہ محض دوطرفہ نہیں مشترکہ خاندانوں میں سسرال والوں کا تقاضا بھی یہ ہوتا کہ بہو کی تنخواہ گھریلو اخراجات میں خرچ ہو۔

خواتین کی ملازمت سے بھرپور فائدہ لیا جاتا ہے لیکن اس کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مرد صاف کہتا ہے کہ تم اپنے لئے ملازمت کر رہی ہو، میری پر کوئی احسان نہیں ہے جبکہ وہ خود خاندان کی معاشی ضروریات کو پورا نہیں کر پا رہا ہوتا ہے۔ عورت کو اپنے لئے اور بچوں کے لئے مجبوراً گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں خواتین کی پہلی سوچ یہی ہوتی ہے کہ وہ شادی کے بعد جاب نہیں کریں گی بلکہ گھر کو پوری توجہ دیں گی وہ تسلیم کرتی ہیں کہ عورت کے لئے ملازمت کے ساتھ ساتھ گھر اور بچوں کو بھی توجہ دینا از حد مشکل ہے اس لئے زیادہ تر وہی خواتین شادی کے بعد ملازمت جاری رکھتی ہے جنہیں شوہر کے ساتھ مالی تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق شادی شدہ ملازمت پیشہ خواتین میں سے 80 فیصد گھر والوں کو سپورٹ کرنے کے لئے ملازمت کر رہی ہوتی ہیں۔

ایک اور رُخ سے نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر ملازمت عورت کے مسئلے کا حل ہوتی تو یہ ماسیوں کا طبقہ (جو گھروں میں کام کرتا ہے) بہت مطمئن ہوتا۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ان کے مرد بے روزگار ہوتے ہیں یا آرام طلب۔ ایک عورت صبح سویرے اٹھتی ہے اپنے گھر کا کام کر کے کسی کے گھر ملازمت پر آتی ہے۔ سارے دن کی مشقت کے بعد جب گھر پہنچتی ہے تو اس کی تھوڑی سے رقم بھی اس کا شوہر چھین لیتا ہے نہ دینے کی صورت میں تشدد اس کے حصے میں آتا ہے اس کے ساتھ ساتھ گھر کا باقی ماندہ کام، شوہر اور بچے اس کے منتظر ہوتے ہیں۔

پھر ایسی عورتیں شام کو گھر واپسی کا سفر اکثر پیدل یا بس کے فرش پر بیٹھ کر کرتی ہیں سیٹ پر اس لئے کبھی نہیں بیٹھتیں کہ ان کے کرائے زیادہ ہوتے ہیں اور چند روپے جو سفر کی مشقت برداشت کرتے ہوئے وہ بچا لیتی ہیں اس سے ان کے شام کا کھانا اور میاں کا نشہ آتا ہے۔

کراچی کی ایک مشہور سرجن اور ماہر امراض نسواں سے جب اس موضوع پر بات ہوئی تو ان کا کہنا تھا:

”شوہر حضرات سمجھتے ہیں کہ بیگم گھر کے تمام کام سنبھال ہی لیں گی اس لئے وہ اپنے خاندان کے دیگر لوگوں ہی کی ذمہ داریاں اٹھاتے رہتے ہیں اپنے گھر کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے۔“

ملازمت کرنے والی عورتوں کی تعداد بڑھنے کی بدولت مردوں کی بیروزگاری میں اضافہ ہو گیا ہے اکثر اوقات ایسی صورت حال بنی کہ عورت کو ملازمت اور معاش مل گیا اور مرد گھر بیٹھ کر بچوں کی دیکھ بھال کے فرائض سرانجام دینے لگے یا ان مردوں میں سے اکثر نے معاش سے چھٹی کو غنیمت جانا اور گھر بیٹھے مکھیاں مارتے رہے بچوں میں جرائم کا تناسب بڑھ گیا کیونکہ جس طرح مائیں بچوں کی نقل و حرکت پر توجہ رکھتی ہیں مرد وہ توجہ نہ دے پائے، پیدا ہونے والے ان مسائل کی نشاندہی اہل علم کر رہے ہیں۔

”اگر عورتوں کی ملازمت کے نتیجے میں مردوں میں بے روزگاری پھیلتی ہے تو یہ کسی بھی ملک کی مجموعی ترقی پر منفی اثرات مرتب کرے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کی آبادی سو فیصد تعلیم یافتہ تو ہو سکتی ہے لیکن سو فیصد تعلیم یافتہ کو روزگار مہیا کرنا ممکن نہیں۔ اگر تمام تعلیم یافتہ خواتین اپنا مقصد تعلیم حصول ملازمت کو بنالیں تو ان کی اچھی خاصی تعداد کو بے روزگار رہنا

پڑے گا اس کے مقابلے میں اگر خواتین تعلیم تو حاصل کریں مگر اپنے گھر کے نظم ونسق اور بچوں کی پیدائش و نگہداشت سے روگردانی نہ کریں۔ گھر کے باہر کے معاملات مردوں کے لئے چھوڑ دیں تو اس صورت میں اس قوم کا خاندانی شیرازہ بھی قائم رہے گا اور پڑھے لکھے افراد میں ملازمت کا توازن بھی متاثر نہیں ہو گا۔ عورتوں کی ملازمتوں میں برابری پر زور دینے کی بجائے اگر مردوں کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا جائے تو یہ معاملہ پہلے سے کہیں بہتر ہو گا۔[1]

پھر عورت کی ملازمت سے جس معاشی استحکام کی بات کی جاتی ہے۔ اس کے آتے ہی سارے اخراجات کا بوجھ ایک کمزور فریق پر ڈال دیا جاتا ہے، خاتون شکر کرتی ہے کہ اسے اخراجات کے سلسلے میں تھوڑی بہت سہولت مل گئی کہ بچے کو کپڑا اور بستہ لے دیا اور اس کو آئس کریم کھلا دی اور گھر میں تھوڑی خوشحالی آگئی ہے جبکہ مرد اس پر احسان جتاتا ہے: "میں نے تمہیں ملازمت کی اجازت دی ہے اس لئے تمہارے ہاتھ میں یہ پیسے آئے ہیں جن پر تم اترا رہی ہو۔" سوچنے کی بات ہے کہ خاتون نے اپنا وقت محنت اور ہنر دیا اور گھر آ کر گھر کا سارا کام بھی اسی کو کرنا ہے بلکہ اب تو بچوں کو سکول لانا لے جانا بھی اس کی ذمہ داری ہے- شاپنگ کرنا، داخلے کروانا، ہسپتال جانا، مکان بنوانا، قرضہ لینا، نقشے منظور کروانا وغیرہ وغیرہ غرض یہ لگتا ہے کہ اب عورت صنف کثیف ہے اور مرد کے ذمہ صرف کمانے کا کام باقی رہ گیا ہے-

4. معاشرتی مسائل

مردوں نے حیلے بہانے بنا کر عورتوں کو اپنے ہمراہ کام کرنے کے لئے مجبور تو کر دیا ہے لیکن بیرون خانہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے عورت جن مسائل کا شکار ہوئی ان میں اضافہ کی سب سے بڑی وجہ خود مرد کی ذات ہے۔ چونکہ فطرتاً مرد ہر معاملے میں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش صرف اعلیٰ گریڈ اور مناصب کے حصول ہی میں نہیں بلکہ ایک میز پر بیٹھے ہوئے باہم یہ مقابلہ ہوتا ہے کہ کون اپنی گفتگو میں سب سے زیادہ عمدہ اور فی البدیہہ جواب دیتا ہے۔

ایک خاتون صحافی پامیلا روبی کہتی ہیں:

برسر روزگار خواتین کے لئے دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو وہ خود کو مردانہ کلچر میں ڈھال لیں یا ان اداروں کو چھوڑ دیں۔

امریکہ کی ایک نو مسلم خاتون عائشہ علاوبہ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

بعض خواتین کی طرف سے حقوق کے مطالبہ پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس بات کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ کیا وہی مقام جو مغرب کی عورت حاصل کر چکی ہے اور جہاں سے نکلنے کے لئے وہ تڑپ رہی ہے۔ حقوق کی تلاش میں وہ منشیات، شراب، عریانی اور بے راہ روی کی تمام حدود پار کر چکی ہے۔

آخر میں وہ لکھتی ہیں:

میں مسلمان عورتوں کو تنبیہ کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور انہی راستوں پر بھٹکنے کی بجائے دل سے اپنے مقام پر غور و فکر کیا جائے۔[2]

---

(1) عورت اور ترقی از محمد عطاء اللہ صدیقی، محدث مارچ 2004ء: ص9

(2) خواتین، معاشی اختیار اور تعلیم از سلیم خالد منصور: ص 40

معیشت کے میدان میں مرد کے مقابلہ میں آکر بھی عورت اپنے مقام کو تبدیل نہیں کر سکی۔ وہ ایک خاص مقام سے آگے نہیں جاسکتی۔ وہ دفتری، کاروباری اور صنعتی امور میں شریک تو ہوگئی لیکن پیچیدہ اور دقت طلب کاموں میں اس کی ناکامی بہت واضح ہے کبھی بھی پر خطر مہمات کے لئے، دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے اس کا انتخاب نہیں کیا گیا ہمیشہ ہلکی پھلکی ملازمت ہی اس کو دی جاتی ہے۔ یہی صورت حال ان ممالک میں بھی نظر آتی ہے جہاں عورتوں پر گھر سے باہر کی ذمہ داریاں بڑے اہتمام سے عائد کی گئیں۔ ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی گئی، اور مراعات دی گئیں مگر ایک خاص مقام سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملی۔ امریکہ میں اس وقت چوٹی کی پانچ سو کمپنیوں میں سے صرف چار کی سربراہ خواتین ہیں اور چوٹی کی 20 یونیورسٹیوں میں سے چار کی سربراہی ان کے حصے میں آئی۔ 1920ء میں امریکی خواتین کو ووٹ کا حق ملا، اس وقت سے 2004ء تک منعقد ہونے والے اکیس عام انتخابات میں کسی بڑی سیاسی جماعت نے صدر کے لئے کسی خاتون کو کبھی نامزد نہیں کیا۔ پچپن ریاستوں میں سے پانچ کی گورنر خواتین ہیں۔ کانگریس میں عورتوں کی نشستیں 13 فیصد ہیں۔

پچاس فیصد ملازمت کرنے والی خواتین ڈھائی سو میں سے صرف اکیس پیشوں مین مصروف کار ہیں۔ عورتوں کی پسند کے اہم پیشے یہ ہیں:

> نرسنگ، سیل گرلز، تعلیم، ٹیلی فون آپریٹر، دفتروں میں سیکرٹری، استقبالیہ کلرک، بچوں کی دیکھ بھال، گھروں کی دیکھ بھال، فارمیسی اور کپڑے کی سلائی، پیکنگ، زمینی اور فضائی میزبان وغیرہ۔ اس کے برعکس اہم عہدوں پر مرد ہی کی اجارہ داری ہے، حتیٰ کہ کسی بڑے سٹور میں اگر مرد اور عورت دونوں کام کر رہے ہوں، تو بڑے اور قیمتی سامان کی فروخت کی ذمہ داری پر مرد متعین ہوتا ہے، چھوٹی اور کم قیمت اشیاء کی فروخت عورتوں کے ذمے ہوتی ہے۔ مثلاً کسی سٹور کے مردانہ اشیاء کے حصہ میں زیادہ قیمتی سوٹ مرد فروخت کرتے ہیں، جبکہ زیر جامہ اور عام پوشاک خواتین بیچتی ہیں۔

تعلیم کے میدان میں یکساں مواقع کے باوجود ڈاکٹریٹ کی سطح پر پہنچتے پہنچتے خواتین کی تعداد 15-13 فیصد رہ جاتی ہے۔ تعلیم کے شعبے میں خدمات انجام دینے والی زیادہ تر خواتین اسکول کی سطح پر تدریسی خدمات انجام دیتی ہیں۔ یونیورسٹی سطح پر اعلیٰ تعلیمی خدمات انجام دینے والے پروفیسر اور ایسوسی ایٹ پروفیسروں میں خواتین ایک تہائی سے بھی کم ہیں۔ ان سب کے باوجود پاکستان کے قومی کمیشن برائے منصب خواتین کا معاشی سرگرمیوں میں خواتین کی شمولیت بڑھانے پر اصرار موجود ہے۔ ان کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ:

- ہر فرد اپنے معاش کا خود ذمہ دار ہے۔
- فرد معاشی میدان میں جتنا مضبوط ہے وہ اتنا ہی طاقتور ہے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے تناظر میں قومی کمیشن برائے منصب خواتین 2003ء جو سفارشات پیش کر رہا ہے ان میں بہت سے اہم پہلو نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً:

- خواتین کی معاشی سرگرمیوں کے ضمن میں دیگر ممالک کے ان نتائج سے سبق نہیں لیا گیا کہ دنیا میں کہیں بھی جنسی مساوات کا نظریہ کامیاب نہیں ہو سکا۔
- ان سفارشات میں خاندانی استحکام کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چھ سال سے کم عمر بچوں کے لئے ماں کی جائے ملازمت پر یا اس کے نزدیک دیکھ بھال کے مراکز کی سفارش کی گئی ہے لیکن کیا تمام مسائل کا یہی حل ہے؟

- کیا یہ مراکز ماں کی گود اور گھر کے ماحول کا نعم البدل ہو سکتے ہیں؟
- بڑی عمر کے بچوں کے لئے کیا سوچا گیا ہے؟ انہیں اسکول چھوڑنا، لینا اور گھر پہنچنے پر ان کی دیکھ بھال---ماں کی عدم موجودگی میں ان کے لئے کیا متبادل انتظام کیا گیا ہے؟ یا انہیں ماں کی ضرورت نہیں؟
- گھر میں بوڑھوں، بیماروں کی دیکھ بھال کے لئے متبادل انتظام کیا ہو گا؟
- گھر کے دیگر انتظامات کے لئے کیا سوچا گیا ہے؟
- کیا زچگی کے لئے صرف بارہ ہفتہ کی چھٹی ماں اور بچے کی صحت اور ضرورت کے لئے کافی ہے؟
- شوہر اور بیوی کی تعیناتی اگر مختلف شہروں میں ہو تو مسئلہ کا حل کیا ہو گا۔
- ان سفارشات میں معاشرے میں حیا کے تحفظ کی کوئی بات نہیں۔ کیا واقعی اب ہم بھی "حیا" سے دستبردار ہونے کو تیار ہیں؟

اس طرح محنت کش اور ملازمت پیشہ عورت کو یہ مشکل بھی درپیش ہے کہ جو وہ کام کر رہی ہے اس کی محنت اور کام کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ دیہاتوں میں بھی کام کرنے والی عورت کو وہ معاوضہ نہیں دیا جاتا جو اس کا حق ہے۔ مردیا تو انہیں دو وقت کی روٹی دیتے ہیں یا زیادہ ہوا تو گندم، چاول کی ایک مخصوص مقدار بطور معاوضہ دی جاتی ہے جو بہت کم ہے۔

روزنامہ "جنگ" اس بارے میں لکھتا ہے:

> عورتوں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا اور ایسا رویہ مزدور عورتوں سے زیادہ روا رکھا جاتا ہے۔ بھٹہ میں کام کرنے والی عورتوں کو 18 گھنٹے کام کرنے کے باوجود جو معاوضہ ملتا ہے اس میں ایک وقت کی روٹی بھی نہیں چل سکتی۔ ان عورتوں کے مسائل عام ورکنگ ویمن سے مختلف قسم کے ہوتے ہیں، تنخواہیں یہ عورتیں خود وصول نہیں کر سکتیں بلکہ مالک سے ٹھیکیدار وصول کرتا ہے اور ان تنخواہوں کا ایک بڑا حصہ کمیشن کے طور پر رکھ کر باقی ان کو دیتا ہے۔ (1)

پاکستان کے چاروں صوبوں میں ہوم بیسڈ ورکرز جس میں بھٹہ مزدور، چوڑی ساز ورکر، ڈومیسٹک ورکر اور غیر رجسٹر شدہ فیکٹریوں میں کام کرنے والی عورتیں شامل ہیں۔ ان کو باقاعدہ مزدور ہی نہیں مانا جاتا نہ ہی انہیں کسی قسم کا تحفظ حاصل ہے ان کی روزانہ اجرت سے ان کی دو وقت کی روٹی نہیں چل سکتی۔

پاکستان میں اس وقت 20 ملین خواتین ہوم بیسڈ ورکرز کے طور پر کام کر رہی ہیں جو دن بھر کام کرتی ہیں مگر اجرت زندگی بسر کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

> فیکٹریوں میں کارکن خواتین کو کم از کم تنخواہ 3 ہزار یا 3200 مل رہی ہے جو وزیراعظم کی اعلان کردہ تنخواہ 6 ہزار سے بہت کم ہے۔ کھیتوں میں کام کرنے والی محنت کش خواتین آج اکیسویں صدی میں بھی جاگیرداروں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ صبح 5 بجے سے لے کر شام 6 بجے تک اپنے بچوں سمیت کھیت میں کام کرنے کے باوجود انہیں جائز معاوضہ نہیں ملتا۔ (2)

اگر کوئی بینکر خاتون، ڈاکٹر یا انجینئر خاتون اپنا حق مانگتی ہے تو اسے ٹرانسفر کر کے خاموش کرا دیا جاتا ہے پھر اپنے حقوق کی بات

---

(۱) روزنامہ 'جنگ' یکم مئی 1997

(۲) روزنامہ 'آج کل' 2 مئی 2009

کرنے کی بجائے ملازمت میں واپس اپنے شہر آنے کے لئے ایک لمبے عرصے تک در در کی ٹھوکریں کھاتی ہے جس میں اس کے ساتھ شوہر اور بچوں کو بھی کافی کچھ برداشت کرنا پڑ جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک سوشل ورکر صبا پرویزی لکھتی ہیں:

پاکستان میں خواتین کے حالات دوسرے ممالک کی نسبت بہتر ہیں پاکستان میں عورتیں جابز کرتی ہیں لیکن وہ مرد سے کہتی ہیں کہ گھر چلانا تمہاری ذمہ داری ہے جبکہ باہر کے ممالک میں عورت مرد کے برابر کام کرتی ہے، گھر میں برابر شیئر کرتی ہے اور مار بھی کھاتی ہے۔ پاکستان میں تو آزاد کشمیر جیسے شہر میں بھی عورتوں کے لئے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ خواتین پڑھتی بھی ہیں اور ملازمت بھی کرتی ہیں۔[1]

پاکستانی عورت کو چاہئے کہ آج مغربی خواتین کے حالات سے عبرت حاصل کر کے ''گھر واپس چلو کی تحریک'' شروع کرے۔ کیونکہ دنیا کی عورتیں معاشی فکر سے آزاد مشرقی عورت پر رشک کرتی ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ ان کا کوئی کفیل ہو جو ان کے معاشی بوجھ کو برداشت کرے ہمیں نئے سرے سے اس تجربے سے گزرنے کے بجائے کرنا یہ چاہئے کہ ہمارے معاشرے میں اسلام کے کفالتی نظام کے عمل درآمد مین جو کمزوریاں راہ پاچکی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

5. پاکستان کی دیہاتی عورت کے معاشی مسائل

پاکستانی دیہات میں معاشی تگ و دو میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مسلسل معروف عمل ہیں۔ بعد ازاں امور خانہ داری انجام دیتی ہیں۔ اس دگنی محنت کے باوجود گھر میں سکہ مرد کا ہی چلتا ہے جو جب چاہے کسی بھی بات پر عورت کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنا سکتا ہے۔

کشور ناہید لکھتی ہیں:

دیہاتی عورت کھیت میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کا سارا کام بھی کرتی ہے ایک پاکستانی عورت ساڑھے پانچ گھنٹے جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتی ہے ایک گھنٹہ دودھ دھونے اور چارہ ڈالنے میں اور پونے پانچ گھنٹے کھانا بنانے میں اور محفوظ کرنے میں ڈیڑھ گھنٹہ، کھیت تک کھانا لے کر جانا، گھر صاف کرنا، اُپلے تھاپنا، جانوروں کو پانی پلانا اور پھر مسلسل بچے کی دیکھ بھال کرنا ایک ایسی مصروف زندگی کی تصویر ہے جس میں دوپہر کو کمر سیدھی کرنے کا بھی اسے وقت نہیں ملتا۔[2]

دیہاتوں میں عورت مرد کی دسترس میں ہوتی ہے۔ خواہش رکھنے کے باوجود وہ اپنا دُکھ کسی کو بتا نہیں سکتی۔ چند ایک واقعات جو دنیا کی نظر میں آجاتے ہیں۔ انہیں بعد ازاں مک مکا کر کے مردوں کو ہی فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ خواتین کی بے حرمتی مرد اپنا حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ ایسا سلوک تو شاید عورت کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ ہوتا تھا۔ پڑھی لکھی تعلیم یافتہ عورتوں کے ساتھ معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ روز اخبار کی زینت بنتا ہے۔[3]

کبھی شاذ و نادر ہی اس طرف دھیان دیا جاتا ہے کہ حقیقی زندگی میں دیہاتی عورت کے معاشی مسائل کیا ہیں، وہ کس کورگھ

---

① روزنامہ ' جنگ' 5 مئی مارچ 2008

② عورت خواب سے خاک کے درمیان : ص 76

③ روزنامہ 'پاکستان' 26 مارچ 2009

دھندے میں الجھی ہوئی ہے، دوہری ذمہ داریاں ادا کرنے کے باوجود کیا وہ توجہ کی مستحق گردانی جاتی ہیں۔ ڈھور ڈنگروں کا خیال رکھنے، مال مویشیوں کو چارہ ڈالنے، دودھ دوھنے اور کھیتوں میں مزدوری کرنے کے عوض انہیں کیا ملتا ہے؟ جبکہ سن فلاور کی کاشت کے سلسلے میں مزدوروں کا کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے، سخت گرمی میں بوائی، پھولوں کو کاٹنا اور جمع رکھنا حد درجہ مشکل کام ہے۔ سورج مکھی کے پھولوں کی اونچائی عورتوں کے قد سے زیادہ ہوتی ہے اور پانچ عورتیں اگر دس روز تک مل کر یہ کام کریں تو انہیں فی ایکڑ 300 روپے ملتے ہیں۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے اس تناظر میں دیکھیں تو 10 روز کام کرنے کی عوض ملنے والے چند روپے کیونکر ان کی بنیادی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہوسکتے ہیں۔ بھنڈی اور کپاس کی کاشتکاری میں شریک عورتیں کیڑے مار دوائیوں کے سپرے کے مضر اثرات سے بیمار پڑ جاتی ہیں مگر رلیاں لگا کر جھونپڑی میں رہنے اور درختوں کے نیچے سونے والی ان عورتوں کے لئے کسی بھی طبی مرکز تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ سو جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ان بیمار عورتوں کو تکلیف اور صحت کی پرواہ کئے بغیر کام میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ نہ تو زرعی مزدور عورت خود اپنے حقوق کے لئے کوئی احتجاج یا مظاہرہ کرتی ہے اور نہ ہی معاشرہ میں ان عورتوں کی محنت کو کبھی شمار کیا گیا ہے جبکہ ماہرین کے تجزیہ کے مطابق گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے کے علاوہ زراعت کے متعلق دو تہائی کام عورت انجام دیتی ہے فصل کی کٹائی کی صورت میں یہ کام اور بھی بڑھ جاتا ہے اس کے کام کو تسلیم نہ کیا جانا بہت بڑی زیادتی ہے۔

تلخ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مزارع یا کھیت میں مزدوری کرنے کے بعد عورتوں کو اپنا معاوضہ گھر کے مردوں کے سپرد کرنا پڑتا ہے۔ خود انہیں اتنی بھی سہولت میسر نہیں ہوتی کہ وہ شہر جا کر اپنی مرضی سے کچھ خرید سکیں۔ یا مستقبل کے لئے کچھ پیسے جمع کر سکیں۔ زمیندار کے گھروں میں کام کرنے والیاں اکثر پیشتر انہی کی بچی کچی روٹی پر گزارا کرتی ہیں وہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے کر جاتی ہیں جو وہیں کہیں کھیتوں یا زمینداروں کی حویلیوں کے پچھواڑوں میں پڑے پڑے بڑے ہو جاتے ہیں۔

پھر اکثر عورتیں اپنے گھروں میں بھینسیں یا مرغیاں ہونے کے باوجود دودھ یا انڈہ استعمال نہیں کرتیں بلکہ انہیں بیچ کر قرضہ ادا کرتی ہیں جبکہ خوراک کی عدم دستیابی انہیں جیتے جی مار ڈالتی ہے۔ بھوک کو وہ اپنی سہیلی بنا لیتی ہیں۔ غذائی قلت کچھ ایسے مسائل پیدا کر دیتی ہے کہ زندگی بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتی ہے افسوس کے بروقت علاج معالجے کی سہولت نہ ملنے پر لاتعداد عورتیں موت کے منہ میں جا رہی ہیں مگر جہاں خوراک کے لئے رقم نہ ہو دوا کہاں سے آئے۔

بدقسمتی سے بہت سی عورتیں زرعی مزدوری کے دوران سانپ اور دوسرے حشرات الارض کے کاٹنے، مسلسل مٹی اور پانی میں رہنے سے ہونے والے پاؤں کے زخموں کا شکار ہو جاتی ہیں مگر سوائے چھوٹے موٹے دیسی علاج کے اسے کوئی سہولت میسر نہیں۔

زن، زر، زمین سے شروع ہونے والے جھگڑے بھی ان عورتوں کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں گھر سے جائیداد باہر نہ بھیجنے کی مذموم خواہش میں ان کی شادیاں قرآن سے کر دی جاتی ہیں ورنہ دوسری صورت میں حق بخشوا لیا جاتا ہے۔

المیہ ہے کہ بعض دیہاتی عورتیں گائے، بھینس، بکری کی طرح قابل فروخت بھی ٹھہرائی جاتی ہیں ان کی قیمت لے کر ان کے گھر

والے انہیں کسی بھی خریدار کے سپرد کر دیتے ہیں جہاں وہ عمر بھر ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے پر مجبور ہوتی ہیں۔[1]

دیہی علاقوں کی عورتیں (ایک رپورٹ کے مطابق) دن بھر میں 12 سے 15 گھنٹے صرف کھیتی باڑی یا اس سے متعلقہ کاموں میں صرف کرتی ہیں لیکن ان کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ خواتین کے نام نہ تو زمین کی جاتی ہے اور نہ ہی انہیں ان کا جائز حصہ دیا جاتا ہے۔

پاکستانی عورت (دیہاتی و شہری دونوں) دوراہے پر کھڑی ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کرے؟ یہی عالم تمام مسلمان معاشروں کی عورت کا بھی ہے وہ دونوں راہوں کے سنگریزے دیکھ دیکھ کر اسلام کی پہچان کی کوشش میں ادھ موئی ہو چکی ہے کبھی وہ عورت کے نسائی اور گھریلو کردار کو اسلام کی تعبیر قرار دیتی ہیں اور کبھی وہ ترقی اور معاشی استحکام کو اسلام کا تقاضا جان کر اسلامی معاشروں کے روایتی نسوانی کردار سے نفرت کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے کبھی وہ مغربی کی عورت کو تحسین نگاہوں سے دیکھتی ہے تو کبھی اسے نسوانیت کی تذلیل قرار دیتی ہے کبھی وہ اپنی ملی و قومی مفادات کے تقاضوں کو جانچنے کی کوشش کرتی ہے تو کبھی اپنی فطری نزاکتوں و کمزوریوں کو معاشرے میں تولنے لگتی ہے اپنے لئے کسی بھی راہ کے شعوری انتخاب کے باوجود بھی وہ احساس طمانیت سے خالی ہے۔

مسلمان عورت کے لئے یہ مسئلہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر اسلام اسے بہت سے معاشی حقوق دیتا ہے تو مختلف معاشروں کے رسم و رواج میں گھر کر مردوں سے اسے یہ جائز معاشی حقوق بھی حاصل نہیں ہوتے۔ مسلم حکومتیں قرآن و سنت میں ان کو ملنے والے جائز معاشی حقوق ہر مسلمان مردوں کو تعلیم و تربیت دینے کی بجائے ان کے لئے اصلاح کا جو ماڈل تجویز کرتی ہیں وہ بھی مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب سے رہنمائی لیتا ہے یہ امر شک و شبہ سے خالی نہیں کہ اسلام نے خواتین کو متعدد حقوق دیئے ہیں لیکن خواتین کو یہ معاشی حقوق موجودہ معاشروں میں حاصل نہیں ہو رہے اور مسلم خواتین کی یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک قرآن کریم اور فرامین نبویہ میں دیا گیا مقام انہیں حاصل نہیں ہو جاتا۔ اس لحاظ سے عورتوں کے یہ جائز معاشی حقوق مسلمان مردوں اور مسلم حکومتوں پر ایک گراں مایہ قرض ہیں جس کی پاسداری کر کے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں روز آخرت میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔

6. ملازمت پیشہ عورت کے مسائل کے حل کے لئے مطلوبہ لائحہ عمل

موجودہ حالات میں خواتین کو درپیش مسائل کے حل کے لئے ہمارا لائحہ عمل یہ ہونا چاہئے کہ:

- قومی سطح پر سفارشات مرتب کرتے ہوئے قرآن و سنت کو بنیاد بنایا جایا اس ضمن میں بین الاقوامی ضابطے وہی قابل قبول ہو سکتے ہیں جو قرآن و سنت سے مطابقت رکھتے ہوں۔
- جو عورتیں ملازمت کے لئے گھروں سے باہر نکلتی ہیں ان کی تنخواہیں مردوں کے برابر ہونی چاہئیں ان سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔
- وہ عورتیں جو کام کرنا چاہتی ہیں ان کے لئے مناسب روزگار کا بندوبست کیا جائے۔
- وہ عورتیں جو کاروبار کرنا چاہتی ہیں ان کے لئے معاشی منصوبے بنائے جائیں، ان کو منصوبوں سے آگاہ کیا جائے اور پیشہ ورانہ تربیت بھی دی جائے۔

---

① روزنامہ 'نوائے وقت' 9 جون 2008

- جہاں پر عورتیں کام کر رہی ہیں وہاں مناسب سہولیات مہیا کی جائیں۔
- خواتین کے کام کرنے والے اداروں میں ڈے کیئر سنٹر بنائے جائیں۔
- جو خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں ان کی دادرسی ضرور ہونی چاہئے کوئی قانون نہ ہونے اور کسی کے نہ پوچھنے کی وجہ سے ایسی خواتین اپنے آپ کو بالکل بے سہارا محسوس کرتی ہیں، ادارہ محتسب کو ان کی معاونت کرنی چاہئے۔
- حکومت کو چاہئے کہ وہ غیر رسمی شعبوں میں کام کرنے والے افراد کا صحیح اعداد و شمار اکٹھا کرے اور ان کو بحیثیت مزدور رجسٹر کرے، محنت کش عورتوں کی کم از کم اجرت کی حد مقرر کرے اور کام کرنے کے گھنٹوں کا بھی تعین کرے اس شعبہ میں کام کرنے والی عورتوں کو مزدور جانتے ہوئے ان کی سماجی، قانونی اور معاشی حیثیت تسلیم کرے۔
- معاشی کفالت کے حوالے سے جہاں مرد حقیقی مجبوری، بیماری یا نشے وغیرہ کی لت کی وجہ سے نہ کماتے ہوں یا کم کماتے ہوں وہاں بھی عورت کو کمائی کے لئے دھکیل دینے کی بجائے ریاست کو ایسا نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے کہ خوشحال رشتہ دار، برادری اور ریاست اس کی کفالت کا بوجھ اٹھانے میں مددگار ہو۔
- عورت مخصوص میدانوں کا انتخاب کرے یا ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں سے معاشرے کی خدمت و فلاح کے لئے کام کرنا چاہے اس کو اس کے لئے میدان کار مہیا کیا جانا چاہئے جہاں باہم مسابقت ہو مگر وہ صرف عورتوں کے مابین مرد و عورت کو مکمل مخلوط ماحول میں یا تحفظ فراہم کئے بغیر ملازمت و معاشی ترقی میں ساتھ ساتھ کھڑا کیا گیا تو بہت سے شرمناک اور المناک واقعات رونما ہوں گے لہذا ہر ہر سطح پر مخلوط ماحول جہاں اسلام کی روح اور اقدار کے منافی ہے وہاں خود عورتوں کے لئے بھی غیر محفوظ اور مسائل کا باعث ہے۔
- دیہی عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے سب سے پہلے تو ان پر ہمدردانہ غور ہونا چاہئے اور ایسا صرف اعلیٰ ایوانوں میں موجود عورتیں ہی کر سکتی ہیں جو خود بھی دیہی اور زرعی پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں جو پہلے عام عورت کی حقیقی نمائندگی کا وعدہ لے کر اعلیٰ ایوانوں میں پہنچتی ہیں اور یقیناً وہ دیہی عورت کے مسائل سے بخوبی واقف بھی ہوتی ہیں لیکن اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کے بعد وہ مصیبت ماری لاتعداد عورتوں کے مسائل سے نظریں چرا لیتی ہیں بہر حال اپنے رویوں پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ عورت ہی کو عورت کے مسائل سمجھنا ہوں گے طبقاتی فرق سے بالاتر ہو کر ورنہ کوئی آسمانی مخلوق ان مسائل کے سدباب کو زمین پر رونق افروز نہیں ہو گی۔
- بہت سی خواتین اپنا حقیقی کفیل نہ ہونے کی صورت میں اس بات پر مجبور ہوتی ہیں کہ وہ اپنے اندر معاشی خود انحصاری پیدا کریں۔ ریاست کو ایسی خواتین کے لئے معقول وظائف کا انتظام کرنا چاہئے اور یہ ریاست کی ذمہ داری ہونی چاہئے۔
- جو خواتین اپنے گھر کے مردوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے یا اپنے سرپرست کے نہ ہونے کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہیں تو یہ ان کا حق ہے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ہر ملازمت خواتین

کے لئے نہیں ہے اس میں آسان یا خواتین کے مزاج سے قریب تر ملازمتوں کو خواتین کے لئے مختص کرنا چاہئے۔

- وہ خاتون جو کسی بھی بناء پر گھر سے باہر اپنے معاش کے لئے نکلتی ہے وہ دوہری ذمہ داری کا شکار ہے اسے ضرور استحصال سے بچانا چاہئے۔ اس کے اوقات کار مردوں سے لازماً کم ہونے چاہئے تاکہ عورت کے اعصاب کو غیر ضروری بوجھ سے بچایا جاسکے اس کے علاوہ اس کو وہ تمام مراعات بھی ملنی چاہیے جن کی ایک خاتون مستحق ہے۔
- اس کے علاوہ عورت کی معاشی عمل میں شرکت کے لئے موثر ضابطے کی ضرورت ہے۔ بہتر ہے کہ ان کے لئے کوئی علیحدہ سروس سٹرکچر تشکیل دیا جائے۔
- اس کے لئے ایسے کام (جاب) فراہم کئے جانے چاہئیں جو وہ گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے انجام دے سکے۔
- اگر اسے گھر سے نکلنا ہی ہو تو 'کام' اس کے گھر سے قریب ترین ہو۔
- بیرون خانہ کام کے دوران اس کی اندرون خانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سہولت کا خیال رکھا جائے، تاکہ اس کے خاندان کا استحکام مجروح نہ ہو۔
- وہ گھر سے باہر جائے تو اس کے تحفظ کا معقول انتظام ہو۔
- خود عورت اور معاشرہ میں 'حیا' کی حفاظت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔ عورت کو تجارت کی جنس نہ بنایا جائے۔
- بیرون خانہ وہ باحجاب لباس میں آئے، تبرج الجاهلية سے اجتناب کرے۔ فی الواقع اختلاط مردوزن اور 'تبرج' سے جو اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس کے مقابلہ میں ان فوائد کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو عورت کی معاشی جدوجہد میں شرکت سے حاصل ہوسکتے ہیں۔
- بیرون خانہ کسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے سہولت فراہم کرنے کے ضمن میں اسے ٹرانسپورٹ کی سہولت فراہم کی جائے۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں علیحدہ نشستیں مخصوص ہوں۔
- ملازمتوں میں عورتوں کے لئے 50 فیصد کوٹہ کی تجویز تباہ کن ہے۔ میرٹ کو نظر انداز کرنا قومی سطح پر ایک بڑے خسارے کا سودا ہے۔ مزید برآں عورتوں کو خوامخواہ معاشی میدان میں گھسیٹنا کوئی نفع بخش سودا یا دانش مندانہ سوچ نہیں۔
- خواتین ڈاکٹروں کو میڈیکولیگل معاملات میں گواہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑے تو ان کو یہ خصوصی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

..... اس کو صرف اسی وقت طلب کیا جائے جب اس کی حاضری ضروری ہو۔

..... خاتون ڈاکٹر کو گواہی کے لئے عدالت میں آنا ہو تو متعلقہ پارٹیوں وکلاء اور عدالتی عملہ کی حاضری کو یقینی بنایا جائے تاکہ اسے دوبارہ حاضری کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

..... وکلاء کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ خاتون ڈاکٹر سے جرح میں شائستگی کو ملحوظ رکھیں۔

..... خواتین گواہوں کو ہراساں کرنے یا گواہی پر اثر انداز ہونے کو سختی سے روکا جائے۔

..... وہ عدالت میں حاضر ہو تو اس کو طویل انتظار کی زحمت نہ دی جائے۔

- گھر میں خدمات انجام دینے والی خاتون کو قومی ترقی کے عمل میں شریک سمجھا جائے۔ خاندانی نظام کو استحکام بخشنے، بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دینے، گھرداری کے امور سرانجام دینے، خاندانی روابط مضبوط بنانے، گھر میں بزرگ اور بیمار افراد کی تیمارداری کرنے جیسے اہم امور میں عورت کی خدمات کو قومی خدمات تسلیم کرتے ہوئے اور یوں معاشی عمل میں اس کو شریک خیال کرتے ہوئے GNP میں اس کے مقام کا درست تعین کیا جائے۔
- گھریلو دستکاری اور دیگر گھریلو صنعتوں cottage industries کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ خواتین کو گھر سے باہر نہ جانا پڑے- اس کے لئے انہیں خصوصی مراعات دی جائیں، جن میں فنی تربیت کے مواقع اور بلاسود چھوٹے قرضوں کی فراہمی شامل ہیں۔
- گھریلو دستکاری کا بہتر معاوضہ یقینی بنایا جائے۔
- سرکاری محکموں میں خواتین کو سیکرٹریٹ، اکاؤنٹس اور ٹیکس سے متعلقہ مسائل کے معاملے میں متعلقہ دفتروں کے چکروں سے نجات دلائی جائے۔ متعلقہ محکموں کو پابند کیا جائے کہ خواتین کی ملازمت سے متعلقہ تمام امور ان کی جائے ملازمت پر ہی طے ہو جائیں۔
- خاندانی مسائل میں خاتون کے کردار کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے استحقاقی یا اتفاقی چھٹی کے حصول کے طریقہ کار کو آسان بنایا جائے۔
- بچے کی پیدائش پر ملنے والی زچگی کی چھٹی کے دورانیہ کو بڑھایا جائے (اس مقصد کے لئے محض تین بچوں کی پیدائش تک سہولت کی فراہمی کی شرط کو ختم کیا جائے) یہ چھٹی بچے کی پیدائش سے چھ ہفتہ پہلے شروع ہو کر چھ ماہ بعد تک جاری رہے، تاکہ ماں کی اپنی صحت اور بچے کی پرورش کی قومی ذمہ داری کی انجام دہی یقینی بنائی جا سکے۔ پرائیویٹ اداروں کو بھی اس ضابطے کا پابند بنایا جائے۔ یہ چھٹی پوری تنخواہ اور دیگر سہولتوں کے ساتھ ہو۔

امید ہے کہ عورت کے عزت و وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے قومی معیشت میں اس کے کردار کے تحفظ کے لئے ان سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے گا۔

۵

بابِ پنجم

پاکستانی عورت کے معاشی مسائل
اور
کردار کیلئے عملی لائحہ عمل

فصل اول　معاشی مسائل کا تجزیہ ... مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی آراء میں (سروے رپورٹ)

فصل دوم　معاشی مسائل کا حل ... قابل عمل تجاویز

1

فصلِ اوّل

معاشی مسائل کا تجزیہ

مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی آراء میں

سروے رپورٹ

معاشی مسائل کا تجزیہ... مختلف طبقے سے تعلّق رکھنے والی عورتوں کی آراء میں

1. اعدادوشمار کا تجزیہ

زیر نظر تحقیق کا موضوع" پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار" سے متعلق خواتین کی آراء کا جائزہ لینا ہے اس سلسلے میں مختلف خواتین کی آراء کے حصول کے لیے سوالنامے مرتب کیے گئے۔ یہ سوالنامے مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین میں تقسیم کیے گئے۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ وہ خواتین کے معاشی مسائل کے بارے میں کیا آراء رکھتی ہیں۔ سوالناموں اور مختلف طبقے کی عورتوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

مختلف خواتین

1. گھریلوخواتین(تعلیم یافتہ) 10
2. بزرگ خواتین(پڑھی لکھی، ان پڑھ، دونوں) 10
3. ہائی کوالیفائیڈ ملازمت پیشہ(18/19 سکیل کی)عورتیں 10
4. چھوٹے گریڈ کی ملازمت پیشہ عورتیں(10 سکیل سے نیچے اور اس میں گھروں میں کام کرنے والیاں اور فیکٹری ورکز بھی شامل ہیں) 10
5. طالبات(Graduate and post graduate) 10

کل سوالنامے جو تقسیم ہوئے:10+10+10+10+10 50

یہ تجزیہ 5 جدول پر مشتمل ہے۔ ہر جدول کے آخر میں تجزیہ و تعبیر کی گئی ہے تاکہ اس کی روشنی میں حاصلات اور سفارشات مرتب کی جائیں۔

2. تجزیہ کا طریقہ کار

تحقیق سے متعلق مواد اکٹھا کرنے کے لیے مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کا انتخاب کیا گیا اور آلہ تحقیق کے طور پر سوالنامے کا انتخاب کیا گیا۔

سوالنامے کی تیاری

آلہ تحقیق کے طور پر 5 موضوعات سے متعلق 50 سوالات تیار کیے گئے۔اس سوالنامے کی تیاری میں نگران مقالہ اور یونیورسٹی کی پروفیسر ز خواتین کی رہنمائی کی گئی ہے علاوہ ازیں عنوان سے متعلقہ مواد کا عمیق مطالعہ کیا گیا تاکہ موزوں ترین سوالات کا انتخاب کیا جاسکے۔

نمونہ آبادی

مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی (تعلیم یافتہ / غیر تعلیم یافتہ) خواتین کا انتخاب Randomly کیا گیا۔

سوالنامے کی تقسیم اور واپسی

سوالنامہ مرتب کرنے کے بعد اسے کمپوز کرواکر 50 کاپیاں کروائی گئیں۔ اس سوالنامے کو مختلف طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین سے پر کروایا گیا۔ سوالنامے ذاتی طور پر خواتین میں تقسیم کیے گئے۔

مواد کا تجزیہ و تعبیر:

خواتین کے کچھ سوالات "ہاں / نہیں" کی صورت میں اکٹھے کیے گئے۔ جبکہ اکثر سوالات کے سامنے Options دی گئیں طالبات نے کسی ایک کو ٹک کرنا تھا۔ پر کیے گئے سوالنامے کی روشنی میں جن سوالات کے جواب "ہاں / نہیں" میں حاصل کیے گئے ان جوابات کا جدول کی صورت میں فیصد کے ذریعے سے تجزیہ کیا گیا۔ جبکہ جدول کے نیچے تمام سوالات سے حاصل ہونے والے معلومات ذکر کی گئی ہیں۔

3. جدول سازی اور 4. حاصلات

جدول نمبر:1

"حق مہر سے متعلقہ مسائل کے حوالے سے خواتین کی آراء کا جائزہ" سے متعلقہ خواتین کی آراء کا جائزہ

1. کیا ذاتی معاشی فوائد کے حصول کے لئے عورت کو نکاح میں دیا جاتا ہے۔ کتنے فیصد ایسا ہوتا ہے۔؟
2. پاکستانی عورت کیساتھ مہر کے معاملہ میں زیادتی کرنے والوں میں والدین، معاشرہ، سسرال اور شوہر سب شریک ہیں۔؟
3. معاشرے میں کتنے فیصد عورتوں کو حق مہر ملتا ہے۔؟
4. کتنے فیصد عورتوں کو حق مہر کے مال پر تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے؟
5. شرعی حق مہر (ساڑھے بتیس روپے) دینے کا رواج معاشرہ میں کتنے فیصد ہے؟
6. عورتوں کو حق مہر زیورات، جائیداد، پیسہ یا بری کے سامان کی صورت میں ملتا ہے؟
7. حق مہر شادی سے قبل، پہلی رات، طلاق کے وقت یا بیوہ ہونے کی صورت میں دیا جاتا ہے؟
8. عورت حق مہر اپنی ذات پر، شوہر و بچوں پر، والدین بہن بھائی یا دوست احباب پر خرچ کرتی ہے؟

اس جدول سے واضح ہوتا ہے کہ

1. 17 خواتین کے مطابق ذاتی معاشی فوائد کے حصول کے لیے عورتوں کا نکاح نہیں کیا جاتا۔ 14 خواتین نے کہا کہ 30 فیصد ایسا ہوتا ہے۔ 16 خواتین کے مطابق ایسا ہوتا ہے لیکن اس کی Ratio زیادہ سے زیادہ 10 سے 20 فیصد کے درمیان ہو گی۔ صرف 3 خواتین کا جواب اثبات میں رہا۔
2. 19 خواتین کے مطابق عورت کے ساتھ مہر کے معاملہ میں زیادتی شوہر اور سسرال والے کرتے ہیں۔ 9 خواتین نے اس

زیادتی کا الزام معاشرہ کو دیا۔3خواتین کے مطابق لڑکی کے والدین اس کے موجب ہوتے ہیں۔ بقیہ خواتین (19) نے کہا کہ معاشرہ، شوہر، سسرال، والدین تمام ہی حق مہر کے معاملے میں زیادتی کرنے والوں میں شامل ہیں۔

3. 20خواتین کے مطابق مختلف حیلے بہانے بناکر عورتوں کو ان کا حق مہر نہیں دیا جاتا۔ 15خواتین نے کہا کہ 60فیصد عورتوں کو ان کا حق مہر دیا جاتا ہے۔ 7عورتوں کا جواب کلی اثبات میں تھا کہ عورتیں حق مہر وصول کرتی ہیں۔ جبکہ بقیہ 8 خواتین نے کہا کہ صرف باشعور اور تعلیم یافتہ لوگ یہ حق دیتے ہیں ورنہ عام گھرانوں میں نہیں ملتا۔

4. 13خواتین کے مطابق عورتیں حق مہر کا مال اپنی مرضی سے خرچ کرتی ہیں۔14خواتین کا کہنا ہے کہ میاں بیوی دونوں کی مرضی سے استعمال میں لایا جاتا ہے اکیلے عورت کی مرضی حیثیت نہیں رکھتی۔23خواتین کے مطابق صرف شوہر کی مرضی سے خرچ ہوتا ہے جن میں سے چند شوہر اس پر بیوی کو بھی راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

5. 27خواتین نے کہا کہ آج بھی شرعی حق مہر (ساڑھے 32 روپے) دینے کا رواج معاشرہ میں عام ہے۔9خواتین نے کہا کہ علم حاصل کرنے کی وجہ یہ رسم پہلے سے کافی کم ہوگئی ہے اب اس کا رواج 40 فیصد ہوگا۔ جبکہ 14خواتین کے مطابق شرعی حق مہر کا رواج ختم ہو چکا ہے۔

6. 36خواتین کے مطابق لڑکیاں پیسہ یا زیورات کی صورت میں حق مہر وصول کرتی ہیں 10خواتین نے کہا کہ علیحدہ سے حق مہر کوئی بھی نہیں دیتا۔ بری کا سامان ہی عورت کا حق مہر ہوتا ہے۔4خواتین نے کہا کہ حق مہر کے نام پر نقدی کے علاوہ کوئی خدمت، وعدہ، تعلیم یا کوئی تعاون وصول کیا جاتا ہے۔

7. 24خواتین کا خیال ہے کہ حق مہر کا تعلق طلاق سے جوڑا جاتا ہے یعنی اگر کوئی عورت اپنی ازدواجی زندگی خوشگوار گزارتی ہے تو اس کو حق مہر نہیں ملتا۔19خواتین کے مطابق جن مردوں کی حق مہر دینے کی نیت ہوتی ہے وہ شادی کے موقع پر ہی دے دیتے ہیں۔ 7خواتین کا کہنا ہے کہ عورت کو حق مہر بیوہ ہونے کی صورت میں شوہر کے مال وراثت میں سے دیا جاتا ہے۔

8. 35عورتوں کے مطابق عورت اپنے حق مہر کو شوہر اور بچوں پر خرچ کرتی ہے۔ 7 کے خیال میں اپنی ذات پر ستعال کرتی ہے۔بقیہ 8خواتین کا کہنا ہے کہ عورت حق مہر کو والدین یا دوست احباب کو تحفے تحائف کی صورت میں دے دیتی ہے۔

جدول نمبر:2

”حق وراثت میں عورت کے مسائل“ سے متعلقہ خواتین کی آراء کا جائزہ

1. عورت کو حق وراثت نہ ملنے میں باپ بھائی / شوہر / معاشرہ / سسرال میں سے کس کا کردار زیادہ اہم ہے۔
2. کتنے فیصد عورتیں مال وراثت میں حصہ لینے میں کامیاب ہو پاتی ہیں؟
3. کتنے فیصد عورتوں کے مال وراثت ان کے شوہر لے لیتے ہیں؟
4. مال وراثت کے حصول کے لیے کتنے فیصد عورتوں پر شوہر اور سسرال والوں کا جبر ہوتا ہے؟
5. باعلم ہونے کی صورت میں کتنے فیصد عورت اپنے مال وراثت کو بہتر صورت میں حاصل کر سکتی ہے؟
6. کتنے فیصد باپ، بھائی عورت کی معاشی ذمہ داری اٹھانے کے بعد مال وراثت میں سے اس کی نفی کر دیتے ہیں؟

7. عورت کے مال وراثت کا محافظ کون بنتا ہے۔ باپ / بھائی / بیٹا / شوہر / کوئی بھی نہیں۔

8. کتنے فیصد مال وراثت عورت کے استحصال کا باعث بنتا ہے۔

9. کتنے فیصد عورتیں جہیز ملنے کے بعد بھی مال وراثت وصول کرتی ہیں۔

اس جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ

1. 32 عورتوں کا کہنا ہے کہ حق وراثت نہ دینے میں باپ بھائی سب سے اہم کردار ہیں۔ 12 عورتوں کے خیال میں باپ بھائی، معاشرہ، شوہر و سسرال سب ہی عورتوں کو وراثت نہ ملنے کی وجہ بنتے ہیں۔ صرف 6 عورتوں نے اس کا ذمہ دار معاشرہ کو قرار دیا۔

2. 29 عورتوں کے مطابق عورتوں کو حق وراثت نہیں دیا جاتا۔ 11 عورتوں کا خیال ہے کہ وہ مال وراثت میں حصہ وصول کرتی ہیں بقیہ 10 عورتوں کا کہنا ہے کہ وصول تو کرتی ہیں لیکن وہ شرعی تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتا اور یہ حصہ پانا 40 فیصد ہے۔

3. 37 عورتوں کے مطابق عورتوں کے مال وراثت ان کے شوہر وصول کرتے ہیں۔ 7 عورتوں کے خیال میں 40 فیصد ایسا ہوتا ہے۔ صرف 6 عورتوں نے کہا کہ مال وراثت عورتوں کی اپنی ملکیت ہوتا ہے۔

4. 36 عورتوں کا کہنا ہے کہ مال وراثت کے حصول کے لیے عورت پر شوہر اور سسرال والوں کا جبر ہوتا ہے۔ 6 عورتوں نے کہا کہ اس کو جبر نہیں کہا جاسکتا ہے بہر حال مرد اصرار ضرور کرتے ہیں کہ عورت اپنا حق اپنے میکے والوں کو کیوں دے۔ کہا جاسکتا ہے کہ عورت پر یہ جبر 40 فیصد ہوتا ہے۔ صرف 8 عورتوں کا خیال ہے کہ عورتوں پر شوہر یا سسرال کی طرف سے ایسا جبر نہیں ہوتا۔

5. 18 عورتوں کے مطابق باعلم ہونے صورت میں عورت اپنے حق وراثت کو بہتر طور پر حاصل کرتی ہے۔ 15 عورتوں نے کہا کہ باعلم ہونے کا فائدہ 40 فیصد تک ہو گا۔ بقیہ 17 عورتوں کے خیال میں علم وراثت کو جاننے کے باوجود عورت انے حق وراثت سے محروم کر دی جاتی ہے۔

6. 37 عورتوں نے کہا کہ والد، بھائی وراثت نہیں دیتے، معاشی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں۔ 13 عورتوں کا خیال ہے کہ اس کا تعلق نیت کے ساتھ ہے اگر وہ عورت کا حق تسلیم کرتے ہیں تو معاشی ذمہ داری بھی اٹھاتے ہیں اور وراثت بھی دے دیتے ہیں۔

7. 18 عورتیں، خواتین کے مال وراثت کا محافظ شوہر کو اور 8 عورتیں بیٹے کو سمجھتی ہیں۔ 16 عورتوں نے باپ بھائی کو محافظ قرار دیا ہے۔ جبکہ 8 عورتوں کا کہنا ہے کہ کہ عورت کے مال وراثت کا محافظ کوئی نہیں بنتا۔

8. 32 عورتوں کے مطابق مال وراثت عورت کے استحصال کا باعث بنتا ہے۔ 8 عورتوں کے خیال میں مال وراثت عورت کے خلاف نفرت اور دل کی تنگی کی وجہ بنتا ہے۔ بقیہ 10 عورتوں نے کہا کہ اس سے عورت کا استحصال نہیں ہوتا اس کو عورت کا ذاتی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

9. 35 عورتوں کے مطابق جہیز عورت کو حق وراثت کے نام پر ملتا ہے اس لیے جہیز لینے کے بعد عورت وراثت میں سے حصہ نہیں پاتی۔ 5 عورتوں کے مطابق وراثت اور جہیز دونوں وصول کرنا عورت کے حالات پر منحصر ہوتا ہے اگر وہ دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں ہو تو وہ بزور وراثت بھی حاصل کر لیتی ہے۔ صرف 10 عورتوں کا کہنا ہے کہ عورت کو جہیز کے ساتھ ساتھ وراثت میں سے بھی حصہ ملتا ہے۔

جدول نمبر:3

”عورت کے معاشی کردار سے متعلق خواتین کی آراء کا جائزہ“

1. کیا ملازمت کرنے والی عورت معاشرہ میں زیادہ عزت و وقار پاتی ہے؟
2. کیا معاشرے میں کردار ادا کرتے ہوئے عورتوں کی عزت محفوظ ہے؟
3. کیا ملازمت میں عورت کو مرد کے برابر معاوضہ دیا جاتا ہے؟
4. کیا ملازمت پیشہ عورت کو مرد جنسی تفریح کا ذریعہ سمجھتے ہیں؟
5. کمانے والی عورت کے Conveyance کے مسائل کون حل کرتا ہے؟
6. عورت کی ملازمت کے حوالے سے تعلیم، طب، بزنس اور گھریلو دستکاریوں میں سے کونسے شعبے اسلامی طور پر بہتر ہیں؟
7. پاکستان میں عورتیں کس میدان (گھر، طب، تدریس، عورت ذریعہ تفریح، بزنس) میں بہتر معاشی کردار ادا کر رہی ہیں؟

اس جدول سے واضح ہوتا ہے کہ

1. 26 عورتوں کے مطابق ملازمت پیشہ عورت معاشرے میں زیادہ عزت و وقار پاتی ہے۔24 خواتین کے مطابق وہ زیادہ عزت و وقار نہیں پاتی۔

2. 30 عورتوں کے خیال میں معاشرہ میں کردار ادا کرتے ہوئے عورتوں کی عزت محفوظ نہیں ہے۔20 عورتوں نے کہا کہ ان کی عزتیں محفوظ ہیں۔

3. 29 عورتوں کا کہنا ہے کہ عورت کو مرد کے برابر معاوضہ نہیں ملتا۔20 عورتوں نے کہا کہ دونوں کا معاوضہ برابر ہوتا ہے۔ ایک عورت کے خیال میں بعض مواقع پر عورت مرد سے زیادہ معاوضہ حاصل کرتی ہے۔

4. 38 عورتوں کے مطابق ملازمت کرنے والی عورت کو مرد جنسی تفریح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔12 عورتوں نے کہا کہ ایسا نہیں سمجھتے بلکہ عورت کے وقار کے مطابق اسے عزت دیتے ہیں۔

5. 31 عورتوں نے کہا کہ ملازمت کرنے والی عورت کی Conveyance کا مسئلہ اسے خود حل کرنا پڑتا ہے۔8 کے خیال میں اسکی ذمہ داری شوہر اٹھالیتے ہیں۔ جبکہ 11 عورتوں کے مطابق اکثر جگہ پر محکمہ والے عورتوں کو Conveyance خود مہیا کرتے ہیں۔

6. 20 عورتوں کے خیال میں عورتوں کے لیے اسلامی طور پر پسندیدہ شعبہ تدریس ہے۔18 عورتوں نے گھریلو دستکاریوں کو پسند کیا۔8 عورتوں نے طب اور بقیہ 4 عورتوں نے بزنس کو عورت کے لیے پسند کیا۔

7. 24 عورتوں کے مطابق پاکستانی خاتون تدریس کے میدان میں بہترین معاشی کردار ادا کر رہی ہے۔10 عورتوں نے پاکستانی عورت کی کمائی کا ذریعہ ”عورت ذریعہ تفریح“ کو بتایا۔10 عورتوں کے مطابق گھر عورت کا معاشی میدان ہے بقیہ 6 نے طب کو پاکستانی عورت کا معاشی میدان قرار دیا۔

جدول نمبر:4

”سسرال سے متعلق عورت کے معاشی مسائل میں خواتین کی آراء کا جائزہ“

1. کیا سسرال میں عورت کو گھر کے دیگر افراد کے برابر معاشی حقوق اور مواقع میسر ہیں؟
2. کیا سسرال والے عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں؟
3. کیا شوہر کے والدین اور سسرالی رشتہ دار عورت پر بوجھ ہیں؟
4. کیا عورت کے مسائل اور ذمہ داریوں میں سسرال والے تعاون کرتے ہیں؟
5. کیا کمانے والی عورت سے اس کے سسرال والے دب کر رہتے ہیں؟
6. کیا معاشی طور پر مضبوط عورت سسرال میں بہتر مقام پاتی ہے؟
7. کیا سسرال میں عورت خود کو آزاد محسوس کرتی ہے؟
8. شادی کے موقع پر جہیز اور سسرالی رشتہ داروں کے لیے قیمتی تحائف عورتوں کے لیے کتنے فیصد باعث عزت ہوتے ہیں؟
9. سسرال والوں کو قیمتی تحائف دینے کا مقصد کیا ہوتا ہے:

① شوہر کی ذمہ داری میں شمولیت ② سسرال میں قبولیت کی کوشش ③ صلہ رحمی کا استحکام ④ عورت کی انشورنس

اس جدول سے واضح ہوتا ہے کہ

1. 35 عورتوں کے مطابق عورتوں کو سسرال میں نہ تو معاشی مواقع میسر ہیں اور نہ ہی معاشی حقوق حاصل ہیں۔ 5 عورتوں کا کہنا ہے کہ سسرالی معاشی حقوق نہیں دیتے البتہ معاشی مواقع عورت کو میسر ہوتے ہیں۔ بقیہ 10 کے خیال میں معاشی حقوق اور مواقع دونوں میسر ہیں۔

2. 21 عورتوں نے کہا کہ سسرال والے عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ 12 کے مطابق تمام گھروں میں ایسا نہیں، معاشرہ میں 50 فیصد سسرال والے رکاوٹ بنتے ہیں۔ 17 خواتین نے کہا کہ سسرال والے عورت کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنتے۔

3. 30 عورتوں کے مطابق شوہر کے والدین اور سسرالی رشتہ عورت پر بوجھ ہیں۔ 20 کے خیال میں بوجھ نہیں بنتے۔

4. 20 عورتوں کا خیال ہے کہ عورت کے مسائل اور ذمہ داریوں میں سسرال والے تعاون کرتے ہیں۔ 10 خواتین کا کہنا ہے کہ مسائل سے تو انہیں واسطہ نہیں ہوتا البتہ ظاہری نظر آنے ولی ذمہ داریوں میں سسرال والے شریک ہوتے ہیں۔ 20 عورتوں کے مطابق عورت کے مسائل اور ذمہ داریوں میں سسرال والے کوئی تعاون نہیں دیتے۔

5. 25 عورتوں کے مطابق کمانے والی عورت سے اس کے سسرال والے دب کر رہتے ہیں۔ 10 عورتوں کے خیال میں سسرال والوں کا عورت کی ملازمت سے مرعوب ہونا اس کی ملازمت کے Status پر انحصار کرتا ہے۔ 15 عورتوں نے کہا کہ عورت کی ملازمت کا سسرال والے کوئی اثر قبول نہیں کرتے (یعنی دب کر نہیں رہتے)

6. 37 عورتوں کا کہنا ہے کہ معاشی طور پر مضبوط عورت سسرال میں بہتر مقام پاتی ہے۔ 4 عورتوں کے مطابق ایسا 50 فیصد ہوتا ہے۔ 9 عورتوں نے کہا معاشی طور پر عورت کی مضبوطی سسرال میں اس کی حیثیت ومقام میں کوئی اضافہ نہیں کرتی۔

7. 40 عورتوں نے کہا کہ سسرال میں عورت خود کو قید محسوس کرتی ہے۔ 10 عورتوں کے مطابق وہ آزاد ہوتی ہے۔

8. 42 عورتوں کا خیال ہے کہ جہیز اور سسرالیوں کے لیے قیمتی تحائف عورت کے لیے باعث عزت ہوتے ہیں۔ 8 عورتوں کے مطابق جہیز اور قیمتی تحائف عورت کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

9. 29 عورتوں نے کہا کہ شادی پر قیمتی تحائف دینا سسرال میں عورت کا قبولیت کی کوشش کرنا ہوتا ہے۔ 9 خواتین کے مطابق قیمتی تحائف دینا شوہر کی ذمہ داریوں میں شمولیت اختیار کرنا ہوتا ہے تا کہ عورت پہلے دن سے شوہر کی نظر میں پسندیدہ بن جائے۔ 9 عورتوں کے خیال میں قیمتی تحائف عورت کی انشورنس کا باعث ہوتے ہیں۔ صرف تین عورتوں نے کہا کہ قیمتی تحائف صلہ رحمی کے استحکام کے لیے دیے جاتے ہیں۔

جدول نمبر:5

”متفرق معاشی مسائل سے متعلق خواتین کی آراء کا جائزہ“

1. کیا ماں کی ملازمت کرنے میں بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے؟
2. کیا عورت کی ملازمت کی وجہ صرف اس کے معاشی مسائل ہیں؟
3. کیا ملازمت پیشہ عورت کو اپنی تنخواہ پر حق ملکیت حاصل ہے؟
4. کیا کمانے والی عورت کی ضروریات سے اس کے ولی بے نیاز ہوتے ہیں؟
5. رشتے ملنے کی دشواریوں میں معاشی وجہ کس حد تک ہے؟
6. کیا عورت کے گھر سے نکلنے سے گھر کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے؟
7. کمانے والی عورت میں طلاق کی شرح نہ کمانے والی عورت سے زیادہ ہے؟
8. کیا شوہر اپنی بیوی کو اس کی ملازمت کے Status کے مطابق عزت دیتا ہے؟
9. کیا عورت کے ولی (شوہر، باپ، بھائی) اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں؟
10. کیا اولاد عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟
11. کیا ملازمت کرنے سے عورت کے معاشی مسائل میں کمی واقع ہوتی ہے؟
12. کیا ملازمت کرنے والی عورت گھریلو عورت کی نسبت کامیاب بیوی اور ماں ثابت ہوتی ہے؟
13. کمانے والی عورت نہ کمانے والی عورت کے مقابلے میں اپنی ذات پر زیادہ خرچ کرتی ہے؟
14. کمانے والی عورت کو نہ کمانے والی عورت سے زیادہ صحت کی سہولت اور تفریحی مواقع میسر ہیں؟
15. کمانے والی عورت کو شوہر، سسرالی، میکے والے میں سے کس طرف سے بچوں کی ذمہ داری میں اضافی مدد حاصل ہوتی ہے؟
16. کیا کمانے والی عورت سے اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور سسرال والے معاشی مدد کی توقع رکھتے ہیں؟
17. کیا مرد عورتوں کو گھروں میں معاشی تحفظ دینے میں کامیاب ہیں؟

اس جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ

1. 30 عورتوں کا کہنا ہے کہ ماں کی ملازمت کرنے سے بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔6 عورتوں نے کہا کہ صرف چھوٹے بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ورنہ سکول جانے والے بچوں کو ملازمت پیشہ ماں کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔14 عورتوں کے مطابق ماں کی ملازمت کرنے سے بچوں کی حق تلفی نہیں ہوتی۔

2. 31 عورتوں کے مطابق عورت کی ملازمت کی وجہ صرف اس کے معاشی مسائل ہیں۔19 عورتوں کے خیال میں معاشی مسئلہ کے علاوہ اس کی متفرق وجوہات ہیں۔

3. 25 عورتوں نے کہا کہ عورت کو اپنی تنخواہ پر حق ملکیت حاصل ہے۔25 عورتوں کے مطابق عورت کو اپنی ذاتی کمائی پر بھی کلی ملکیت نہیں ملتی۔

4. 42 عورتوں کا کہنا ہے کہ عورت کی کمائی سے اس کے ولیوں پر منفی اثرات ہوتے ہیں وہ اس کی ضروریات سے مکمل طور پر بے نیاز و لاپرواہو جاتے ہیں۔8 عورتوں کے خیال میں ولی اس کی ضروریات سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتے۔

5. 33 عورتوں کے مطابق لڑکیوں کے رشتے نہ ملنے کی دشواریوں میں معاشی وجہ 90 فیصد ہے۔9 عورتوں کے خیال میں کسی حد تک معاشی مسئلے رشتہ نہ ملنے کی دشواریوں میں وجہ بنتے ہیں لیکن ایسا 40 فیصد ہوتا ہے۔8 عورتوں نے کہا کہ معاشی کمزوری رشتہ نہ ملنے کی وجہ نہیں بنتی۔

6. 30 عورتوں کے خیال میں عورت کی ملازمت سے گھر کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔5 عورتوں نے کہا کہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے۔15 عورتوں کے نزدیک ملازمت سے عورت کے گھر کے نظام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔بسا اوقات عورت زیادہ Disciplined ہو جاتی ہے۔

7. 29 عورتوں کے مطابق ملازمت پیشہ عورت میں طلاق کی شرح نہ کمانے والی عورت سے زیادہ نہیں ہوتی۔17 عورتوں کا کہنا ہے کہ ملازمت پیشہ عورت میں طلاق کی شرح 50 فیصد ہے۔4 عورتوں کے خیال میں ملازمت پیشہ عورت میں طلاق کی شرح نہ کمانے والی عورت سے لازماً زیادہ ہوتی ہے۔

8. 23 عورتوں کے مطابق شوہر اپنی بیوی کو اس کی ملازمت کے Status کے مطابق عزت دیتا ہے۔20 عورتوں نے کہا کہ عورت کا ملازمت کرنا شوہر کے رویے پر اثر ڈالتا ہے لیکن شوہر کا اس کی عزت کرنا اس کی ملازمت کے Status پر منحصر نہیں ہوتا 7 عورتوں کے خیال میں یہ مرد کے مزاج پر Depend کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کیا رویہ رکھتا ہے۔

9. 29 عورتوں کے نزدیک ان کے ولی (شوہر، باپ، بھائی) ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔21 عورتوں کے مطابق وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے ہیں۔

10. 26 عورتوں کے خیال میں عورت کی اولاد اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔24 عورتوں نے کہا کہ اولاد عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔

11. 32 عورتوں کے مطابق ملازمت کرنے سے عورت کے معاشی مسائل کم ہو جاتے ہیں۔12 عورتوں نے کہا کہ معاشی مسائل کسی حد تک حل ہوتے ہیں لیکن ملازمت کا اصل فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کا پیسہ اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی

کی جگہ پر اس کو خرچ کرتی ہے۔ کیونکہ جن گھروں میں مرد عورت کی معاشی ذمہ داری اٹھاتے بھی ہیں وہ پیسے خرچ کرنے میں عورت کی مرضی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔6 عورتوں کا کہنا ہے کہ ملازمت کے باوجود عورتوں کے معاشی مسائل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

12. 26 عورتوں کے خیال میں ملازمت پیشہ عورت گھریلو عورت کی نسبت کامیاب بیوی اور ماں ثابت ہوتی ہے۔24 کے نزدیک گھریلو عورت زیادہ کامیاب بیوی اور ماں ہوتی ہے۔

13. 23 عورتوں کے مطابق کمانے والی عورت نہ کمانے والی عورت سے زیادہ اپنی ذات پر خرچ کرتی ہے۔11 کے خیال میں وہ اپنے بچوں اور گھر پر زیادہ خرچ کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذات پر بھی 30 فیصد زیادہ خرچ کرتی ہے۔16 عورتوں نے کہا کہ ملازمت پیشہ عورت نہ کمانے والی عورت کے مقابلہ میں اپنی ذات پر زیادہ خرچ نہیں کرتی۔

14. 32 عورتیں کہتی ہیں کہ کمانے والی عورت کو گھریلو عورت کے بالمقابل تفریح اور صحت کی سہولتیں زیادہ میسر ہوتی ہیں۔5 عورتوں کے مطابق بہت واضح فرق تو نہیں ہے لیکن 30 فیصد زیادہ سہولت میسر ہوتی ہے بقیہ 13 عورتوں کے مطابق ملازمت پیشہ کو تفریح اور صحت کی سہولت عام عورت کی نسبت زیادہ مہیا نہیں ہوتیں۔

15. 35 عورتوں نے کہا کہ ملازمت کرنے والی عورت کے بچوں کی ذمہ داری میکے والے یا وہ خود کسی آیا اور Day care centre کے تعاون سے اٹھاتی ہیں۔7 کے مطابق ان کے شوہر ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں صرف 6 عورتوں کے نزدیک سسرال والے اس کی ذمہ داری میں تعاون کرتے ہیں۔

16. 32 عورتوں کے مطابق ملازمت پیشہ عورت سے اس کے والدین، بہن بھائی اور سسرال والے معاشی مدد کی توقع رکھتے ہیں۔10 کے مطابق صرف سسرال والے توقع کرتے ہیں والدین اور بہن بھائی نہیں رکھتے۔ صرف 8 عورتوں کے خیال میں والدین، بھائی بہن اور سسرال والے ملازمت پیشہ عورت سے معاشی تعاون کی امید نہیں رکھتے۔

17. 27 عورتوں نے کہا کہ مرد عورتوں کو گھروں میں معاشی تحفظ دیتے ہیں۔23 عورتوں کے مطابق عورتوں کے جاب کرنے کی سب سے بڑی وجہ معاشی آسودگی کا حاصل نہ ہونا ہے۔

5. نتائج

1. 100 فیصد عورتوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حق مہر کے معاملے میں عورتوں کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے۔ 38 فیصد نے اسکا ذمہ دار شوہر اور سسرال والوں کو ٹھہرایا 62 فیصد کے نزدیک اسکی ذمہ داری پورے معاشرے (یعنی والدین، سسرال، شوہر، معاشرہ) پر عائد ہوتی ہے۔

2. جہاں تک حق مہر کے مال کو خرچ کرنے کا تعلق ہے تو 46 فیصد عورتوں کے مطابق یہ پیسہ صرف مرد کی مرضی سے خرچ ہوتا ہے۔28 فیصد کے مطابق میاں بیوی دونوں کی مرضی سے خرچ ہوتا ہے جبکہ 26 فیصد کے نزدیک حق مہر کے مال پر عورت کو خود تصرف کا حق حاصل ہے۔

3. 54 فیصد خواتین نے کہا کہ آج بھی شرعی حق مہر (ساڑھے بتیس روپے) دینے کا رواج معاشرے میں عام ہے۔بقیہ 46 فیصد کے خیال میں اب یہ رواج کافی کم ہو چکا ہے۔

4. 92 فیصد کے مطابق عورتوں کو حق مہر زیورات، نقدی یا بری کے سامان کی صورت میں دیا جاتا ہے۔8 فیصد کے نزدیک اسکے علاوہ کوئی اور صورت (تعلیم، تعاون، خدمت وغیرہ) اختیار کی جاتی ہے۔

5. 48 فیصد کا کہنا ہے کہ حق مہر طلاق دینے کی صورت میں عورت کو دیا جاتا ہے۔38 فیصد کے خیال میں جن مردوں کا دینے کا ارادہ ہوتا ہے وہ شادی کے موقع پر دے دیتے ہیں۔ جبکہ 14 فیصد کے نزدیک بیوہ ہونے کی صورت میں مرد کے ترکہ میں سے عورت کو حق مہر دے دیا جاتا ہے۔

6. 64 فیصد عورتوں کے مطابق عورت کو حق وراثت نے ملنے میں باپ بھائی اصل وجہ ہوتے ہیں۔36 فیصد نے عورت کو حق وراثت نہ ملنے کا ذمہ دار پورے معاشرے (شوہر، سسرال، باپ، بھائی، معاشرہ) کو قرار دیا ہے۔

7. 88 فیصد عورتوں کے نزدیک خواتین کا مال وراثت ان کے شوہروں کی ملکیت بنتا ہے۔ صرف 12 فیصد عورتوں کے مطابق مال وراثت عورت کی اپنی ملکیت ہوتا ہے۔

8. 84 فیصد کے خیال میں مال وراثت کے حصول کے لیے عورتوں پر شوہر اور سسرال والوں کا جبر ہوتا ہے۔بقیہ 16 فیصد کے خیال میں عورتوں پر ایسا کوئی جبر نہیں کیا جاتا ہے۔

9. 80 فیصد کے نزدیک عورتوں کا مال وراثت استحصال، انکے خلاف نفرت اور دل کی تنگی کا باعث ہوتا ہے صرف 20 فیصد کے مطابق اسے عورت کا ذاتی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

10. 70 فیصد کے مطابق عورتوں کو جہیز حق وراثت کے نام پر دیا جاتا ہے۔30 فیصد کے نزدیک عورتیں جہیز اور وراثت دونوں وصول کرتی ہیں (اگرچہ بعض کے نزدیک اسکا انحصار عورت کی مضبوط پوزیشن پر بھی ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک دباؤ ڈال سکتی ہے)

11. 52 فیصد کے خیال میں ملازمت پیشہ عورت گھریلو عورت کی نسبت معاشرے میں زیادہ عزت ووقار پاتی ہے۔48 فیصد کے نزدیک ملازمت کرنے والی عورت کو لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

12. 60 فیصد کے مطابق معاشی کردار ادا کرتے ہوئے عورتوں کی عزت محفوظ نہیں ہے ان کو لوگوں کی غلیظ نظروں اور غلط تبصروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بقیہ 40 فیصد کے خیال میں ان کی عزتیں محفوظ ہیں۔

13. 60 فیصد کا کہنا ہے کہ عورتوں کو ملازمت کرتے ہوئے مردوں کے برابر معاوضہ نہیں دیا جاتا۔40 فیصد کے مطابق دونوں کا معاوضہ برابر ہوتا ہے۔

14. 84 فیصد کے مطابق ملازمت پیشہ عورت کو اپنے لیے خود Conveyance کا انتظام کرنا پڑتا ہے بصورت دیگر محکمہ والے مہیا کرتے ہیں۔16 فیصد کے مطابق شوہر حضرات یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔

15. 48 فیصد کے نزدیک عورتیں تدریس کے میدان میں سب سے بہتر کردار ادا کر رہی ہیں اور یہ شعبہ اسلامی طور پر بھی ان کے لیے بہترین ہے۔20 فیصد کے خیال میں عورتوں کے گھر انکے لیے بہترین معاشی میدان ہیں۔اور ملازمت کی ضرورت پڑنے پر انہیں گھریلو دستکاریوں کی طرف ہی توجہ دینی چاہیے۔20 فیصد کے نزدیک پاکستانی عورت فلم انڈسٹری، ماڈلنگ سے سب سے زیادہ کمائی کرتی ہے۔12 فیصد نے کہا کہ عورتیں طب کے میدان میں بہترین معاشی کردار ادا کرتی ہیں۔

16. 66 فیصد کے مطابق سسرال والے عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔انکے خیال میں شوہر کے والدین اور سسرالی رشتہ دار عورتوں پر بوجھ ہیں۔34 فیصد کے خیال میں وہ عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے اگرچہ معاشی طور پر ان کی ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے۔

17. 60 فیصد کے مطابق عورت کے مسائل اور ذمہ داریوں میں سسرال والے تعاون نہیں کرتے بقیہ۔ 40 فیصد کے نزدیک وہ عورت کی ذمہ داریوں میں تعاون کرتے ہیں۔

18. 82 فیصد کا کہنا ہے کہ معاشی طور پر مضبوط عورت سسرال میں بہتر مقام پاتی ہے اور عورت کی ملازمت کرنے سے سسرال والے اس سے مرعوب ہوتے ہیں۔18 فیصد کے خیال میں معاشی طور پر عورت کا مضبوط ہونا اسکے سسرال کے اندر مقام میں کوئی اضافہ نہیں کرتا اور نہ ملازمت پیشہ عورت سے سسرال والے دب کر رہتے ہیں۔

19. 84 فیصد کے مطابق شادی کے موقع پر جہیز اور سسرالیوں کے لیے قیمتی تحائف سے عورت سسرال میں قبولیت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔اوران سے وہ شوہر اور سسرالیوں کی نگاہ میں پسندیدہ بن جاتی ہے بقیہ 16 فیصد کے مطابق جہیز اور قیمتی تحائف عورت کے لیے باعث عزت تو نہیں بنتے لیکن اسکی انشورنس میں کردار ادا کرتے ہیں۔

20. 54 فیصد کے نزدیک مرد عورتوں کو گھروں میں معاشی تحفظ دینے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔46 فیصد کا کہنا ہے کہ عورتوں کی جاب کی سب سے بڑی وجہ معاشی ناآسودگی ہے۔

21. 72 فیصد کے مطابق ماں کی ملازمت کرنے سے بچوں (خاص کر چھوٹے بچوں) کی حق تلفی ہوتی ہے۔28 فیصد کے خیال میں اس سے نہ تو بچوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ ہی گھر کے نظام میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے بلکہ عورت خود بھی Disciplined ہو جاتی ہے اور بچوں پر توجہ زیادہ کرتی ہے۔

22. 50 فیصد کے مطابق عورت کو اپنی تنخواہ پر حق ملکیت حاصل ہوتا ہے۔50 فیصد کے نزدیک اسے ذاتی کمائی پر بھی کلی ملکیت نہیں ملتی۔

23. 84 فیصد کا کہنا ہے کہ لڑکی کے رشتہ ملنے کی دشواریوں میں معاشی وجوہات اہم ہیں۔16 فیصد کے خیال میں معاشی کمزوری رشتہ نہ ملنے کی وجہ نہیں بنتی۔

24. 58 فیصد کے نزدیک کمانے والی عورت میں طلاق کی شرح نہ کمانے والی عورت سے زیادہ نہیں ہوتی۔42 فیصد کے مطابق ملازمت پیشہ عورت میں شرح طلاق عام عورت کی نسبت کسی حد تک زیادہ ہوتی ہے۔

25. 86 فیصد عورتوں کے خیال میں عورت کا ملازمت کرنا مرد کے رویہ پر اثرانداز ہوتا ہے اور کئی مرد اپنی بیوی کو اسکی ملازمت کے Status کے مطابق عزت دیتے ہیں۔14 فیصد کے نزدیک شوہر کا بیوی کی عزت کرنا اسکے مزاج پر منحصر ہوتا ہے بیوی کی ملازمت کا Status اسمیں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

26. 88 فیصد کے مطابق عورت کی ملازمت کرنے سے اسکے معاشی مسائل کسی حد تک حل ہو جاتے ہیں۔اور ملازمت کا اصل فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنی تنخواہ اپنی مرضی کی جگہ پر خرچ کرتی ہے کیونکہ معاشی ذمہ داری اٹھانے والے مرد پیسہ خرچ کرنے میں عورت کی

مرضی کو ذرا اہمیت نہیں دیتے۔ 12 فیصد نے کہا ہے کہ ملازمت کے باوجود عورتوں کے معاشی مسائل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

27. 52 فیصد کے خیال میں ملازمت پیشہ عورت گھریلو عورت کی نسبت کامیاب بیوی اور ماں ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ Systematic اور Disciplined ہو جاتی ہے۔ 46 فیصد کے نزدیک گھریلو عورت زیادہ کامیاب بیوی اور ماں ہوتی ہے۔

28. 74 فیصد کے مطابق ملازمت پیشہ عورت کو گھریلو عورت کی نسبت صحت کی سہولت اور تفریح کے مواقع زیادہ میسر ہوتے ہیں۔ 26 فیصد کے خیال میں دونوں عورتوں کو ایک طرح کی سہولت میسر ہوتی ہے۔

29. 84 فیصد کے نزدیک ملازمت پیشہ عورت سے معاشی مدد کی توقع کی جاتی ہے اور خاص طور پر سسرال والے یہ توقع رکھتے ہیں۔ 16 فیصد کا کہنا ہے کہ ملازمت پیشہ عورت سے والدین، بہن بھائی، سسرال والے معاشی تعاون کی امید نہیں رکھتے۔

30. 58 فیصد عورتوں کے مطابق انکے ولی (شوہر، باپ، بھائی) اور انکی اولاد انکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ 42 فیصد نے کہا کہ نہ ولی اور نہ ہی اولاد کوئی بھی عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔

2

فصلِ دوم

عورتوں کے معاشی مسائل کا حل

قابل عمل تجاویز

عورتوں کے معاشی مسائل کا حل... قابل عمل تجاویز

اصلاح کے لئے تجاویز

آج مسلمان کی اکثریت اسلام کے قوانین وراثت حق مہر و نان نفقہ و سکنی اور احکام خداوندی کو نظر انداز کر کے غیر اسلامی طریقوں پر عمل کر رہی ہے-زمانہ جاہلیت کی طرح عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا جارہا ہے-ایسے حالات میں عورتیں مجبور ہو کر غیر شرعی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں اور مختلف سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں کا رخ کرتی ہیں اور ان سے عدل و انصاف کی بھیک مانگتی ہیں-ایسے حالات میں ایک باحمیت معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ظلم اور غیر شرعی رسموں کے خلاف علم جہاد بلند کرے اور معاشرے میں موجود تمام ادارے اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کریں تاکہ عورت اپنے شرعی حقوق با آسانی لے سکے اور معاشرے کھلے دل سے عورت کو اس کا حق دے۔ عورتوں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے-خاص کر اس کے معاشی حقوق کو کیونکہ عورت ایک خاندان کی بنیاد رکھتی ہے اگر اسے اس کے تمام تر حقوق دیئے جائیں گے تو تب ہی وہ اپنے خاندان کی اچھی بنیاد رکھ سکتی ہے-عورت کو اس کے معاشی حقوق سے محرومی اس کی شخصیت کو بڑی حد تک متاثر کرتی ہے عورتوں کے حقوق وراثت، نان ونفقہ، سکنی اور مہر ان کو اعتماد اور تحفظ فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اگر عورت کو اس کے یہ حقوق دے دیئے جائیں تو یقیناً اس کو دوسرے حقوق بھی تمام مل جائیں گے-

عورتوں کے معاشی حقوق کو بحال کرنے کے لئے جن اقدامات کی ضرورت ہے اس کے لئے چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں:

1. قرآن وسنت پر عمل

دور خلافت راشدہ کی حد تک نہ صرف یہ کہ مسلمان قرآن مجید کو پڑھا اور سمجھا کرتے تھے بلکہ تعلیمات اور احکامات قرآن وسنت پر حرف بہ حرف عمل بھی کیا کرتے تھے۔ جب نظام عدل و قسط قائم تھا۔ جوں جوں ہم خلافت راشدہ سے دور ہوتے چلے گئے تعلیمات قرآن وسنت پر عمل مشکل ہوتا گیا۔ آنے والے ادوار میں مسلمان بتدریجاً احکامات قرآن وسنت کو ترک کرتے چلے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بہت سے احکامات الٰہیہ کو یوں سمجھ لیا گیا کہ وہ قرآن وسنت ہوتے ہوئے آج کے مسلمانوں کے لئے موجود ہی نہیں اس ترک قرآن کی واضح مثال عورت کو جو کہ شرعی وارث ہے، وراثت سے محروم کرنا ہے۔اسلامی قوانین میں سے ایک اہم قانون عورت کو معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کرنے کا ہے اس کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے تمام اصول اور جزوی احکامات خود قرآن کریم میں واضح فرما دیئے مسلمانوں پر جیسے اسلام کے دیگر ارکان واحکام کو بجالانا اور ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے اسی طرح وراثت کے احکام کو ماننا، اس کے مطابق عمل کرنا، مہر کا ادا کرنا اور عورت کے نان ونفقہ وسکنی کی پوری ذمہ داری اٹھانا اور ایسی تمام رسومات کو ترک کرنا جو عورت کے لئے صرف بوجھ بن کر رہ گئی ہے، بھی ضروری ہے-مال کی محبت اور لالچ میں عورت اور اس کی فیملی کو زیر بار کرنا کسی صورت بھی درست نہیں-ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیواؤں کو ان کے شرعی حق ملنے چاہئے۔

2. حکومت کے لئے تجاویز

حکومت کو چاہئے کہ وہ درج ذیل پہلوؤں پر غور اور اقدامات کرے تاکہ پاکستانی عورت معاشی حقوق با آسانی حاصل کر سکے۔

قانون سازی

حکومت کسی بھی ملک کی قانون سازی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ عورت کو عملاً معاشی حقوق دلانے کے لئے قانون سازی کی جائے۔ صرف اسمبلیوں میں خواتین کی تعداد بڑھانے سے خواتین کے مسائل حل نہیں ہوں گے اس کے لئے مضبوط قانون سازی کی ضرورت ہے۔ پاکستان کا قانون عورت کے حق نفقہ اور حق مہر کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن اس قانون کو تحفظات بھی فراہم کرے۔ ایسے قوانین پاس کئے جائیں، جس میں مردوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ عورتوں کو ان کے شرعی معاشی حقوق ہر صورت ادا کریں۔ حکومت پاکستان کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ ایسی تمام عورتوں جن کو ان کے معاشی حقوق حاصل نہیں کرنے دیئے جاتے کی مدد کرے۔ ایسی خواتین کے لئے عدالتوں تک رسائی آسان ہو تاکہ خواتین بسہولت مسائل کی صورت میں عدالت سے رجوع کر سکیں۔ عدالت ہر ممکن انصاف فراہم کرے اور عورتوں کو ناجائز طور پر معاشی زیر بار کرنے پر سخت سے سخت سزا سنائی جائے۔ عدالتی کاروائی کو آسان اور مختصر بنایا جائے کیونکہ پاکستان میں عدالتی کاروائی بہت پیچیدہ اور اتنی طویل ہوتی ہے کہ کچھ عورتیں درمیان میں ہی ہمت ہار جاتی ہیں اور اس طوالت کی وجہ سے عورتیں مجبوری کی حالت میں عدالتوں سے رجوع کرنے سے گھبراتی ہیں۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ عورتوں کے تمام مسائل خصوصاً وراثت، حق مہر اور نان ونفقہ کے مسائل جلد از جلد عدالتوں سے حل کروائے۔

انجمن برائے حقوق نسواں کا قیام

حکومت کو چاہئے کہ عورتوں کے حقوق کے لئے کثیر تعداد میں انجمنیں بنائے جو ہر محلے، گوٹھ، گاؤں، شہر، دیہات کی سطح پر قائم ہوں جو عورتوں اور مردوں کو بھی یہ شعور دیں کہ عورتوں کے معاشی حقوق کتنے اہم ہیں۔ عورتوں کو ان کے تمام حقوق سے آگاہی اور تعلیم دیں۔ یہ تنظیمیں گھر گھر سروے کے ذریعے معلومات اکٹھی کریں کہ آیا عورت کو بحیثیت بیٹی، بیوی اور بہن اسلام اور قانون کے عطا کردہ معاشی حقوق حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں حاصل ہو رہے تو اس کے اسباب معلوم کریں اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ضروری و قانونی اقدامات کئے جائیں۔ عورتوں کو عدالت تک رسائی میں قانونی مدد فراہم کریں اور اس پوری کارروائی کے بعد ان عورتوں کو پیش آنے والی مشکلات کو یہ تنظیمیں بتدریج دور کرنے کے لئے اقدامات کریں۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مرکزی حکومت کی سطح پر ایک اعلی اختیاراتی وومن کمیشن (Women Commission) قائم ہونا چاہئے جس کی سفارشات پر عمل درآمد کے لئے تمام مرکزی وصوبائی محکموں کو پابند کیا جائے۔

تحقیقاتی کمیشن برائے خواتین

تحقیقاتی کمیشن کو اس سلسلے میں اپنی کوششوں کو مزید تیز اور بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً عورتوں کے معاشی مسائل کے حوالے سے حکومت کو صحیح رپورٹ پیش کرے اور ان حقائق کی روشنی میں حکومت کو سفارشات پیش کرے۔ وہ ان عوامل کی نشاندہی کرے جن کی وجہ سے پاکستانی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل نہیں، منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں میں ان کو حق ملکیت حاصل نہیں، مساجد میں ان کے لئے الگ باجماعت کا اہتمام نہیں، سیاسی جماعتوں میں ان کی نمائندگی کا تناسب کم ہے، عدالتوں میں، ملازمتوں میں اور وزارتوں میں ان کا کوٹہ مقرر نہیں، پاکستانی عورت پر جنسی، جسمانی اور روحانی تشدد ہو رہا ہے اور ان مشکلات کو بتدریج دور

کرنے کے لئے اقدامات تجویز کئے جائیں۔ تحقیقاتی کمیشن کو چاہئے کہ وہ سال میں دو بار نہیں تو کم از کم ایک بار ہی اپنی تحقیق کو ممکن بنائے تا کہ ترقی کی پیش رفت کا جائزہ لیا جاسکے۔

اسلامی نظریاتی کونسل

اسلامی نظریاتی کونسل ایک ایسا ادارہ ہے جو نظریاتی لحاظ سے معاشرے میں مذہبی رویوں کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عورت کے معاشی مسائل کے حوالے سے اس کونسل کو اپنی ذمہ داریاں بھرپور طریقے سے ادا کرنی ہوں گی۔ قانون سازی میں حکومت کی مدد کرے کہ وہ ایسے قانون پاس کرے جو قرآن وسنت کے مطابق ہوں اور عورت کو معاشی حقوق دلانے کے لئے شریعت کے مطابق اقدامات کئے جائیں۔ عورت کے معاشی مسائل اور حقوق کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل کی کارکردگی تسلی بخش نہیں ہے۔ اگر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے فیملی لاء آرڈیننس پر تنقید کرکے سفارشات پیش کرتی ہے۔تو اسی طرح عملی صورت حال کا جائزہ بھی پیش کرے اور عورت کے نفقہ، مہر، وراثت اور ملازمت کو عملاً بہتر بنانے کے لئے اپنی سفارشات پیش کرے۔

تعلیمی نصاب میں عورتوں کے حقوق کا مطالعہ شامل ہونا

لڑکے اور لڑکیوں کو شعور دلانے کے لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ ایف اے اور بی اے کی سطح پر اسلامیات کے نصاب میں عورتوں کے معاشی حقوق کے متعلق علم شامل کرے۔ سورۃ النور، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النساء کی کم از کم وہ آیات جن کا تعلق عورتوں کے حقوق سے ہیں، ضرور شامل نصاب ہونی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے متعلق وراثت کا علم تو ویسے ہی نصف علم ہے اس علم کی اہمیت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ اسے آدھا علم اور اس کا سیکھنا ضروری قرار دیا گیا-اس لئے وراثت کے علم کو نصاب میں شامل کرنا چاہئے اس نصف علم کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے تا کہ لڑکیوں کو اپنے حقوق سے آگاہی ہو اور لڑکوں کو بھی معلوم ہوں کہ انہیں آگے چل کر اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے معاشی حقوق دینے ہیں۔

3. علماء کرام کا فرض

علمائے کرام کو ہمارے معاشرے میں اہم مقام حاصل ہے مذہبی لحاظ سے علماء کا کردار بہت اہم رہا ہے۔ علماء کرام اور مذہبی سکالر مہر، نفقہ وسکنی کا حق دلانے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اب تک علماء کا عورت کے معاشی حقوق کے حوالے سے کردار خاطر خواہ نہیں ہے۔ علماء کے لئے مسلم معاشرے میں عورت کے معاشی مسائل کی صورت حال لمحہ فکریہ ہونی چاہئے۔ ماضی قریب میں جب عورتوں کے خلاف غیر شرعی رسومات زور پکڑ گئی تھیں تو اس وقت ہمارے اسلاف نے اس کے خلاف بھرپور جدوجہد کرکے امت مسلمہ کو اس لادینی طوفان سے بچایا تھا لیکن افسوس کہ غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی اکثریت آج پھر غیر شرعی طریقوں کو اختیار کئے ہوئے ہے عموماً لڑکیوں کو ان کے معاشی حقوق نہیں دیئے جارہے ہیں۔ جس طرح مولانا اشرف علی تھانوی نے ضرورت کے پیش نظر، غصب میراث کے نام سے تحریک چلائی تھی اور ان کی جدوجہد کامیاب بھی ہوئی تھی علماء کو چاہئے کہ آج کے دور میں بھی عورتوں پر شادی کے نام پر غیر شرعی رسومات کا بوجھ، حق مہر نہ دیا جائے، حق نفقہ میں عورت کی تذلیل، جیسوں مسئلوں پر آواز اٹھائیں اور تحریک چلائیں۔ عورتوں کے معاشی مسائل اور حقوق سے متعلق لٹریچر شائع کرکے لوگوں میں تقسیم کئے جائیں۔ علماء کو چاہئے کہ اپنی

دینی سرگرمیوں میں کچھ وقت عورتوں کے مسائل، حقوق کے لئے بھی مختص کریں-اپنی تقریروں اور واعظوں میں اس کا ذکر کریں۔ خاص طور پر جمعہ کے خطبوں کے اندر لوگوں کو اس بات کا شعور دیں کہ وہ عورتوں کے معاشی حقوق اچھی طرح ادا کریں اگر نہیں کریں گے تو ان کے لئے وعید ہے۔ اپنے پڑوس اور قرب و جوار کی بستیوں کو اپنی اصلاحی جدوجہد کا مرکز بنائیں اور اس مہم کو گھر گھر پہنچائیں۔اسلامی احکام وہدایات اور قوانین مہر ومیراث کے فوائد ذہن نشین کرائیں تاکہ لوگ دور جاہلیت سے نکل کر اسلام کے احکام کے سائے تلے آجائیں۔ علماء کرام تقریراً اور تحریراً اس رواج کے خلاف آواز اٹھائیں اور اس باطل رواج کا قلع قمع کرنے کے لئے ریلیاں اور جلوس نکالیں جس طرح وہ غیر شرعی دوسرے رواجوں کے خلاف کرتے ہیں اسی طرح عورت کو اس کا حق دلانے میں اہم کردار ادا ہو سکتا ہے۔

4. عدلیہ اور وکلاء کا کردار

معاشی حقوق سے محروم خواتین کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا حق ہونا چاہئے۔خواتین کی عدالتوں تک رسائی ہو اور عدالتیں خواتین کو انصاف مہیا کریں تاکہ وہ اپنے شرعی حقوق حاصل کر سکیں۔ خواتین کے معاشی حقوق کی حفاظت اور ان کی ادائیگی کے لئے ایسی خاندانی عدالتیں ہونی چاہئے جہاں سے ہر مظلوم عورت کو اس کا حق پورا پورا مل سکے۔ان عدالتوں میں سرکار کی طرف سے وکیل مقرر ہوں جن کی کوئی کورٹ فیس نہ ہو۔ جب بھی کسی عورت کو ضرورت درپیش ہو،تو بلا تامل ان عدالتوں کی طرف رجوع کر سکے۔ یہ وکیل خواتین کے مسائل، حقوق، خصوصی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوں۔ایسے ماہر وکیلوں میں خواتین بھی شامل ہونی چاہئے تاکہ عورتیں اپنے مسائل با آسانی بیان کر سکیں اور بغیر کسی خوف کے اعتماد کے ساتھ عدالتوں سے رجوع کر سکیں۔

- ان عدالتوں میں مقدمہ ابتدائی خاندان کی پنچائیت میں سے پہنچانا چاہئے کہ جن میں ایک 'حکم' مرد کے اور ایک 'حکم' عورت کے خاندان سے موجود ہو۔
- ان عدالتوں کے اجلاس بند کمروں میں ہونے چاہئیں۔ جہاں اور کسی کو داخلے کی اجازت نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ جتنے جھگڑے منظر عام پر آتے ہیں۔ اصلاح حال کی صورت کم سے کمتر ہو جاتی ہے۔
- ان عدالتوں کو اختیار ملنے چاہئیں اور فیصلوں کو سند حاصل ہونی چاہئے اور خواتین مندرجہ ذیل امور پورے نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان عدالتوں کی طرف رجوع کر سکتی ہیں۔

1. جو مرد شوہر اپنی بیوی یا بیویوں کو اخراجات زندگی استطاعت رکھنے کے باوجود ادا نہیں کرتا، اسے کما کر نہیں دے سکتا، اپنی بیوں بچوں پر توجہ نہیں دیتا، بیوی بچوں کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا، اُسے کمائی کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ایسے تمام شوہروں کے لئے کوئی مناسب تعزیر ہونی چاہئے۔

2. جو شوہر اپنی بیوی یا بیویوں کو بلا وجہ ستائے، گالی گلوچ کرے یا آقا اور لونڈی، جیسا سلوک کرے، تو عدالت عورت کو گالی گلوچ کے عوض دس گُنا مالی تاوان عورت کو دلوائے۔

3. مار پیٹ کے بدلے میں شوہر کو جسمانی سزا ملنی چاہئے۔

شوہر خواہ مخواہ بیوی کو تنگ کرتا ہے یا اس کے دوسرے حقوق ادا نہیں کرتا، تو بیوی کو اس شوہر سے اپنے کو روک لینے کا اختیار ملنا

چاہیے۔ اس کے لئے کچھ مدت ہونی چاہیے۔ تین ماہ یا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ اس کے باوجود شوہر درست نہیں ہوتا، تو بیوی ملکی عدالت کی طرف جاسکتی ہے اور عدالت ایسے شوہر کو مناسب مہلت دے کر صورت حال کی اصلاح جو سال چھ ماہ سے زیادہ نہ ہو، بیوی کو الگ کرا دے اور اس کا حق مہر، جہیز کی تمام اشیاء بیوی کو دلوائے۔

کیونکہ اللہ تعالی خود فرماتے ہیں:

﴿فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍ﴾[1]

کہ انہیں جب تک اپنے گھر میں بساؤ، معروف طریقے سے اُن کی ضروریات زندگی پوری کرتے ہوئے حُسن سلوک سے پیش آتے ہوئے، بساؤ، اور جب رخصت کرو تو اچھے عمدہ طریقے سے دے دلا کر رخصت کرو۔

اس کے بعد عورت کا اصل مسئلہ بچوں کا ہوتا ہے جن کی خاطر ایک عورت ساری زندگی مصیبت میں بسر کرنا پسند کرتی ہے مگر بچوں پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ شوہر سے علیحدگی کی صورت میں وہ بچے اس لئے نہیں چھوڑ سکتی کہ شوہر دوسری بیوی کرلے گا اور بچوں کی طرف سے لاپرواہ ہو جائے گا اور بچے سوتیلی ماں کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ باپ کی توجہ وشفقت سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔ اب ماں بچوں کی خاطر اپنی جوانی قربان کر دیتی ہے کیونکہ ماں کی دوسری شادی کرنے کی صورت میں اس کا شوہر ان بچوں کو باپ کی محبت نہیں دے سکتا۔ محبت دینا تو دور کی بات وہ ان کو اپنی نظروں کے سامنے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے ضرورت ہے کہ ماہرین ملت (خواتین ہوں یا مرد) باہم مل کر بیٹھیں اور اس مشکل ترین مسئلہ کا حل نکالیں۔

ایک تجویز تو یہ ہے کہ عدالت بچوں کو ماں کے پاس ہی رہنے دے لیکن ان کے اخراجات بچوں کا باپ پورے کرتا رہے کہ یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ ماں اس خیال سے بچوں کے اخراجات بھی خود بر برداشت کرتی ہے کہ اگر باپ نے خرچ دیا تو بچوں پر اپنا حق جتائے گا اور انہیں اپنے پاس لے جائے گا اور یہ بات سو فیصد درست ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ بچے ماں کے پاس پرورش پائیں اور پورے اخراجات اس کے معیار زندگی کے مطابق بچوں کا باپ ادا کرتا رہے سن بلوغ کو پہنچنے تک بچوں پر حق ماں کا ہونا چاہئے اور باپ بے شک بچوں سے ملتا رہے لیکن محض عورت کو تنگ کرنے کے لئے حق نہ جتائے۔ بچوں کے سمجھدار ہونے پر بچے اپنی مرضی سے جس کے پاس رہنا چاہتے ہیں اس کا انتخاب کرلیں۔ اور عورت اگر فوری نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کے پہلے بچوں کے مسئلہ کو حل کیا جائے پہلے شوہر کا بھائی یا اگر باپ دادا زندہ ہیں تو انہیں یہ ذمہ داری اٹھانی چاہئے یا بیوی کے اپنے باپ بھائی یہ اخراجات برداشت کرلیں۔

بہر حال ہر دو صورتوں میں بھی یہ مسئلہ مکمل طور پر حل ہوتا نظر نہیں آتا باپ کے پاس رہیں تو سوتیلی ماں کے ناروا سلوک کو برداشت کریں گے، دوسری صورت میں تائی، چچی کے تلخ رویے ان کی زندگیوں کو اجیرن کر دیں گے ایسے بچوں کا خرچ کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا لیکن ماں کی توجہ اور محبت کی کمی ان کو اپنی زندگیوں میں نارمل نہیں رہنے دے گی۔

یہ مسئلہ ایک دو ذہنوں کا نہیں ہے۔ اس کے لئے قومی سطح پر علماء، فضلاء کا بورڈ ہونا چاہئے کہ ان حالات اور الجھنوں کا کوئی حل سوچیں۔ بورڈ کے سب ارکان علوم دینیہ پر گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ تمام مسالک فکر کے علماء بورڈ کے ممبر ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خوف خدا اور آخرت کے حساب سے ڈرنے والے ہوں جو خواتین کے سیاق وسباق کے حالات کو دیکھ کر شوہر کے مزاج اور عادات

---

① سورة البقرة، 2 : 229

اور فضائل کا جائزہ لے کر ایسی تدابیر سوچیں جو قابل عمل ہوں اور دین کے دائرے کے اندر ہوں۔ بچوں کے اخراجات کا مسئلہ ہو یا عورت کے طلاق، خلع، وراثت کا قرآن وحدیث پر گہری نگاہ رکھتے ہوں۔ خلافت راشدہ کے دور کی روایات تبع تابعین کے نظائر مثالیں اور فیصلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کچھ نئی راہیں سوچ لیں، خواتین کو انکے ان عائلی مسائل سے نجات دلانے کیلئے کوششیں کریں۔

5. این جی اوز کا کردار N.G.O' s

خواتین کے حقوق کے حوالے سے جو غیر سرکاری تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان میں سے چند تنظیموں کے علاوہ باقی تمام تنظیموں کی توجہ عورتوں کے معاشی مسائل پر نہیں ہے کچھ تنظیمیں واقعتاً سسرالی حالات، عورت کا حقیر ملازمہ کی حیثیت سے کام کرنا، حق مہر کا نہ ملنا، جہیز کا بوجھ، وراثت کے جھگڑے جیسے موضوعات پر کام کر رہی ہیں لیکن ان کا یہ کام اتنا زیادہ نہیں ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر عورتوں میں شعور پیدا کر سکیں اس لئے ان تمام این جی اوز کو چاہئے کہ اپنے بجٹ کا زیادہ حصہ عورتوں کے معاشی مسائل کے حل کے لئے خرچ کریں اور خلوص نیت سے عورت کو عملاً معاشرے میں باعزت جگہ دلانے میں بھرپور کردار ادا کریں۔ خواتین کی فلاحی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ مردوں میں مسابقت اور محاذ آرائی کی پالیسی کو ترک کر کے اپنی تمام توانائیاں اور پیسہ خواتین کے مثبت اور تعمیراتی کاموں کے فروغ کے لئے صرف کریں انہیں مرد کا معاون، مددگار، سمجھتے ہوئے ان کا نسوانی تشخص بحال کریں اور عورتوں کو اپنے حقوق کے متعلق بھرپور آگاہی دلائیں۔

6. میڈیا کا کردار

میڈیا آج کے دور کی اہم ضرورت بن چکا ہے میڈیا میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ لوگ کے ذہنوں اور زندگیوں میں انقلاب برپا کر دے۔ میڈیا کے زیادہ تر پروگرام خصوصاً جو ٹی وی پر پیش کئے جاتے ہیں وہ عورت کی آزادی پر ہوتے ہیں اور عورت اور مرد کی مساوات پر مبنی ہوتے ہیں لیکن میڈیا کی زیادہ توجہ عورت کے معاشی حقوق سے محرومی اور شادی، نکاح پر عورت پر رسومات کا غیر شرعی بوجھ، عورتوں کے مثبت معاشی کردار پر ہونے چاہئے صرف چند دن کے پروگراموں، چند ڈراموں اور چند تحریروں سے معاشرے کی باطل اور غیر شرعی رسموں کا خاتمہ نہیں ہو گا بلکہ غیر شرعی رسوم کو ختم کرنے کے لئے پروگراموں کا ایسا سلسلہ ہونا چاہئے جو تسلسل کے ساتھ عورتوں کے معاشی مسائل کو لے کر چلے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ شعور بیدار کرے کہ عورت معاشرے کا حصہ ہے، مردوں کی طرح عورتوں کو مالی مضبوطی ملنی چاہئے، دینی پروگراموں میں بھی کم از کم 30 فیصد حصہ عورت کے معاشی حقوق کے متعلق آگاہی پر ہونا چاہئے۔ ریڈیو پر ہر ہفتہ میں کم از کم ایک دن ایسے پروگرام ہوں جن میں عورت کے معاشی حقوق کے حوالے سے تعلیم دی جائے اور عورتوں کو شعور دیا جائے، اخبارات، رسائل میں بھی عورتوں کے معاشرتی ودینی مسائل کو اجاگر کیا جائے اور ایسے مضامین، کالم لکھے جائیں جس میں عورت کو معاشی مضبوطی نہ ملنے کی وجوہات بیان کی جائیں اور عورت کو وراثت اور مہر نہ دینے والوں کی شدید مذمت کی جائے۔ ٹیلی ویژن کو صحیح معنوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے آج ہر گھر میں ٹی وی کی نشریات دیکھی جاتی ہیں۔ اگر ٹیلی ویژن پر عورت کے معاشی حقوق کا شعور دلایا جائے تو یقیناً اس کا اثر معاشرے پر پڑے گا اور عورت کو اس کے حقوق با آسانی مل سکیں گے۔

7. والدین کی ذمہ داری

والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں کیونکہ تعلیم ایسا ہتھیار ہے جس کے

ذریعے سے انسان اچھائی وبُرائی میں تمیز سیکھتا ہے تعلیم کے ذریعے سے لڑکوں اور لڑکیوں میں اپنے اور دوسروں کے حقوق سے آگاہی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری ذمہ داری والدین کی یہ ہے کہ وہ بچوں کی اخلاقی تربیت کریں کہ اولاد میں کسی قسم کا حرص، طمع اور لالچ پیدا نہ ہو کہ بڑے ہو کر نہ صرف اپنا حق خود لیں بلکہ دوسروں کے حقوق بھی احسن طریقے سے ادا کریں۔ والدین لڑکوں کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو بھی معیشت میں اتنا ہی حق دار سمجھیں جتنا وہ مردوں کو سمجھتے ہیں ان میں کسی قسم کا لالچ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ غاصب بن کر بہنوں، ماؤں اور بیٹیوں کو ان کا حصہ ادا نہ کریں۔ والدین کو ایسی تربیت کرنی چاہیئے کہ اولاد خاص کر بیٹے مانگنے سے پہلے ہی بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کا حق ادا کریں اگر وہ ایک بار خود ان کا حق ادا کر دیں گے تو عمر بھر کی پریشانیوں اور ذلت سے نجات مل جائے گی ان پر عمر بھر کسی قسم کا بوجھ نہیں رہے گا- بیٹوں کے ساتھ لڑکیوں کی تربیت بھی ضروری ہے کہ وہ بھی حوصلے کے ساتھ اپنے بھائیوں، باپوں اور شوہروں سے اپنا حصہ طلب کریں۔ ایسا صرف اس صورت میں ممکن ہو گا جب والدین بچوں کی اچھی تربیت کریں گے اس طرح حق والے کو اس کا حق بھی ملے گا اور آپس کے تعلقات بھی خراب نہ ہوں گے۔

8. پاکستانی عورت کی ذمہ داری

پاکستانی عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر اعتماد پیدا کرے۔ تعلیم کے ذریعے شعور حاصل کرے، قرآن و سنت کے احکام کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرے اگر خود عورت کو ہی اپنے جائز حقوق کا شعور نہیں ہو گا تو معاشرہ کیسے عورت کو اس کے حقوق ادا کرے گا۔ پہلے پاکستانی عورت جائز وناجائز حقوق میں فرق، امتیاز کرے اور اپنے صحیح اور شرعی حقوق کو پہچانتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے کہ یہ معاملات احسن طریقے سے حل ہو جائیں۔ اخلاقی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے معاملہ فہمی کے ساتھ اپنے معاشی حقوق طلب کرے۔ وراثت، مہر، نفقہ عورت کا شرعی حق ہے اور کسی مسلمان عورت کو اس کے شرعی حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

9. پاکستانی مردوں کی ذمہ داری

پاکستانی مردوں کی یہ ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ اپنی بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں کے حقوق کو تسلیم کریں۔ اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے شرعی احکامات کی تعمیل کریں اور عورت کو اس کے حقوق سے محروم رکھنے کی بجائے جائز حقوق اسے دیں۔ بھائیوں کو چاہیئے کہ معاشی مسائل میں عورتوں کو ان کے حقوق دلانے میں اہم کردار ادا کریں اور اس بات میں کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کریں تاکہ اللہ تعالی کی رضا اور رحمت حاصل ہو سکے۔

10. معاشرے کا کردار

معاشرے کے تمام ادارے اور لوگ مثلاً وکلاء، اساتذہ، علماء، صحافی، سیاستدان اور دیگر تمام لوگ مل کر یہ تحریک برپا کریں کہ عورت کو وہ مقام اور حقوق دیئے جائیں جو اسلام کی رُو سے اس کا حق ہے اگر عورت کو صرف اس کا حق وراثت، مہر اور نفقہ مل جائے تو اسے کافی حقوق مل جائیں گے اور اس کا کھویا ہوا وقار، شرف اور مرتبہ حاصل ہو گا۔ مغرب زدہ حقوق عورت کے لئے زہر قاتل ہیں جبکہ اسلام کے حقوق نہ صرف مسلمان خواتین کے لئے بلکہ دنیا بھر کی غیر مسلم خواتین کے لئے اپنے اندر جاذبیت رکھتے ہیں۔ اگر مسلمان ممالک عورت کو دیئے گئے اسلامی حقوق کو صحیح صورت میں اپنے ہاں رائج کر لیں تو اللہ تعالی کی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جائیں گے اور ترقی وخوشحالی ملت اسلامیہ کا مقدر بن جائے گی۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ بحث

زیر نظر مقالہ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل و کردار کے عنوان کے تحت پانچ ابواب میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور جہالت پر بحث کی گئی ہے، جس کا باب وار خلاصہ درج ذیل ہے:

1. پہلا باب ' عورت کا مقام و مرتبہ (مختلف اقوام و مذاہب میں)' کے عنوان سے ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں یونان، روم، ایران اور یورپ وغیرہ کی تہذیبوں کے حوالے سے عورت کے مقام و مرتبہ کو بحث و نظر کا ہدف ٹھہرایا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ حقیقت نکھر کر نظر و بصر کے سامنے آتی ہے۔ ان تہذیبوں نے عورت کو ایک برائی اور شر قرار دیا ہے جو کسی معزز مقام کی مستحق نہیں ہے۔

دوسری فصل مختلف مذاہب میں مقام خواتین کے حوالے سے ہے۔ اس سلسلہ میں یہودیت، عیسائیت اور ہندومت کی تعلیمات کی روشنی میں عورت کی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان مذاہب کی موجودہ تعلیم بھی عورت کو اس جائز مقام عطا نہیں کرتی بلکہ اسے کم تر اور قابل نفرین قرار دیتی ہے۔

تیسری فصل میں بتایا گیا ہے کہ اسلام ایک عورت کو کیا مقام عطا کرتا ہے۔ بہن، بیٹی، بیوی اور ماں کی مختلف حیثیتوں سے خواتین کے مرتبہ و منزلت کو قرآن و حدیث کے نصوص کی روشنی میں نمایاں کیا گیا ہے۔ جس سے یہ امر عیاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ اسلام نے ہر پہلو سے خواتین کو لائق احترام اور مستحق اعزاز و اکرام گردانا ہے اور اس کی نظیر کوئی بھی دوسرا مذہب اور تہذیب و فلسفہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

2. دوسرے باب کا عنوان ہے۔' عورت کے معاشی حقوق اسلام، دساتیر پاکستان اور دیگر مذاہب کی روشنی میں۔ اس کے تحت چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں معاش کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کیا گیا ہے کہ اسکے حقیقی معانی و مفاہیم کیا ہیں اور فی زمانہ اس کا تصور کیا ہے۔

دوسری فصل میں ' مختلف مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق کے زیر عنوان بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں یہودیت، عیسائیت اور ہندومت وغیرہ مذاہب کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ان کی رو سے ایک عورت کو معاشی پہلو سے کیا حقوق حاصل ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ عورت کو اکثر مذاہب میں وراثت کا حق حاصل نہیں نیز بعض مذہبوں کے مطابق وہ نان ونفقہ سے بھی محروم ہی رہتی ہے۔

تیسری فصل میں اس نکتہ کو بحث و تحقیق کا محور بنایا گیا ہے کہ اسلام خواتین کے معاشی حقوق کو کس طرح تحفظ دیتا ہے اور وراثت و نان نفقہ کے حوالے سے کس قدر اس کے حقوق کی نگہداشت پر زور دیتا ہے۔

چوتھی فصل میں پاکستان کے مختلف دساتیر اور آئین کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں خواتین کے معاشی حقوق کو کس طرح بیان کیا گیا ہے اور وہ کس حد تک اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں۔

3. باب سوم میں ' پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور ان کا حل ' کے زیر عنوان مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

پہلی فصل حق مہر سے متعلقہ مسائل اور ان کے حل سے متعلق ہے۔ پہلے حق مہر کا مفہوم و معنی بیان کیا گیا ہے، پھر اس سے متعلق مسائل کا تذکرہ ہے اور آخر میں اس کے ممکنہ حل اور تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

دوسری فصل میں حق سکنی اور چوتھی فصل میں حق میراث سے متعلقہ مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے اور ان کے شافی اور قابل عمل حل سے متعلق تجاویز کی نشاندہی کی گئی ہے۔

4. چوتھا باب ' پاکستانی معاشرے میں عورت کا معاشی کردار ' کے زیر عنوان ہے۔ اس کی پانچ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں معاشرے میں عورت کے حقیقی کردار پر بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی نیز مسلم مفکرین اور دانشوروں کے افکار و آراء کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار گھر ہے تاہم بعض شرائط و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔

دوسری فصل میں اس نکتہ کو اجاگر کیا گیا ہے کہ عورت کے فکر و معاش کے اسباب کیا ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن میں بیوگی، متعین معاشی حقوق سے محرومی، معاشرتی رسوم ورواج، معاشرتی تقاضے وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسری فصل میں اسلامی تاریخ کے آئینے میں عورت کے معاشی کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے تاریخ کی معتبر و معتمد کتب سے اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ صدر اسلام میں خواتین متعدد شعبہ ہائے زندگی میں فعال کردار سر انجام دیتی رہی ہیں۔ مثلاً تجارت، زراعت، خیاطت اور صنعت و حرفت، عدالت وغیرہ سے کئی قابل قدر خواتین وابستہ رہی ہیں۔

چوتھی فصل میں پاکستانی عورت کے معاشی کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں بتایا گیا ہے فی زمانہ پاکستانی خواتین تعلیم و تدریس، میڈیکل، انجینیرنگ، بنکنگ، ٹیکسٹائل، دستکاری، وکالت اور کاروبار و صنعت و تجارت کے گوشوں میں عملی طور پر سرگرم کار ہیں۔ اس حوالے سے ہر شعبے کی شرعی حیثیت پر بھی مختصراً کلام کیا گیا ہے۔ نیز تازہ ترین اعداد و شمار بھی بیان کیے گئے ہیں۔

فصل پنجم میں بیرون خانہ جدوجہد میں مصروف پاکستانی عورت کو درپیش مسائل کا بطور خاص تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے حل کے لئے ممکنہ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

5. باب پنجم میں پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار کے لیے عملی لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں پہلی فصل کو مختلف معاشی مسائل کے تجزیہ کے سلسلہ میں مختلف عورتوں کی آراء کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ یعنی سروے رپورٹ کے ذریعے خواتین کی آراء معلوم کی گئی ہیں اور فنی طریقہ سے ان کے نتائج بیان کیے گئے ہیں۔

بعد ازاں عورتوں کے معاشی مسائل کے حل کے لئے قابل عمل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

فہارس

1. فہرستِ آیات
2. فہرستِ احادیث
3. فہرستِ أعلام
4. فہرستِ أماکن
5. فہرستِ مصطلحات
6. فہرستِ مصادر ومراجع

1

فہرستِ آیات

فہرست آیات

2

فہرستِ احادیث

فہرست احادیث

3

فہرستِ اعلام

فہرستِ اَعلام

4

فہرستِ اماکن

فہرستِ اماکن

5

فہرستِ مصطلحات

فہرستِ مصطلحات

6

فہرستِ مصادر و مراجع

مصادر ومراجع

الكتب العربية

- القرآن الكريم
- ابن الأثير، عز الدين، أسد الغابة في معرفة الصحابة، رياض، المكتبة الاسلامية، س، ن
- ابن جزرى، محمد بن محمد، كتاب التسهيل لعلوم التنزيل، دار الكتب العربى، بيروت لبنان
- ابن حجر العسقلاني، أحمد بن على، فتح البارى شرح صحيح البخارى، بيروت، دار المعرفة ، س، ن
- ابن حجر العسقلاني، التميز فى الصحابة، بيروت، دار الحياء التراث العربى، س، ن
- ابن عابدين، محمد أمين، رد المختار على الدار المختار، بيروت، أحياء التراث العربى، س. ن
- ابن قتيبة، أبو محمد عبد الله بن مسلم، عيون الأخبار، بيروت، دار الكتب العربية، 1925ء
- ابن قيم الجوزية، شمس الدين ابو عبد الله، زاد المعاد في هدى خير العباد، دار العلم، بيروت، س، ن
- ابن ماجه، سلمان بن اشعث، سنن أبو داؤد، دار الفكر ، بيروت لبنان (1414هـ) 1994ء)
- ابن همام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد، فتح القدير، المكتبة النوريه رضويه، سكهر، 1979ء
- أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، دار السلام، قاهره، 2008م
- ابن كثير، عماد الدين إسماعيل، تفسير القرآن العظيم، سہیل اکیڈمی، لاہور 1982ء
- أبو شهبة، محمّد بن محمّد الدكتور، الإسرائيليات والموضوعات في كتب التفسير، مكتبة السّنة، القاهرة
- أحمد الصاوي، بلغة السالك لأقرب المسالك، تحقيق: محمد عبد السلام شاهين، دار الكتب العلمية، بيروت، 1415هـ/ 1995م
- الآلوسى، شهاب الدين سيد محمود، روح المعانى في تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى، دار الحياء التراث العربي، بيروت لبنان
- البخارى، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، صحيح بخارى، دهلى، كارخانه تجارت كتب، 1938ء
- الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسىٰ ، جامع الترمذى، ايم ايم سعيد ايند كمبنى، كراجى، س، ن
- الجزيرى، عبد الرحمن، كتاب الفقه على المذاهب الأربعه، دار الفكر بيروت، 1972ء
- الجصاص، أبو بكر ، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان 1994
- الدار قطنى، ابن عمر، سنن الدار قطنى، دار المحاسن للطباعة، القاهرة، 1966ء

- الرّازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان 2000ء
- الزمخشري، أبو القاسم محمد بن عمر، الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل، دار إحياء التراث العربي، بيروت
- الزيلعي، عثمان بن على، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، مكتبه امداديه، ملتان، 1985
- السيوطي، جلال الدين أبو الفضل، تفسير جلالين، مكتبه علوم دينيه، بيروت لبنان 1419هـ 1998ء
- الشوكاني، محمد بن علي، تفسير فتح القدير، اداره اسلاميات ، انار كلي لاهور
- الشوكاني، محمد بن على، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، مكتبه كليات، ازهره، مصر، 1978ء
- الطوسي، الأحكام الشرعية لأحوال الشخصية
- العظیم آبادی، محمد شمس الحق، عون المعبود، شرح سنن أبو داؤد، مكتبه سلفيه، فيصل آباد، 1979ء
- الفرعالي، حسن بن منصور، الفتاوى القاضي خان، بلوجستان بك دبو، كوئته، 1985ء
- قاسمی، محمد جمال الدين، تفسير القاسمي (المسمى محاسن التأويل) دار الفكر بيروت، 1978ء
- قطب، سيد شهيد، معالم السنن، مترجم خليل أحمد حامدي، جاده منزل، اسلامك ببليكشنز، لاهور، 1982ء
- مالك بن أنس، امام، كتاب المؤطا، بيروت، دار الآفاق، 1979
- محدث دهلوى، شاه ولى الله، حجة الله البالغة، مترجم عبد الرحيم، قديمى كتب خانه لاهور 1983ء
- أبو داؤد،سلمان بن أشعث، سنن أبوداؤد، دار الفكر بيروت، لبنان 1414هـ/ 1994ء
- مرغيناني، برهان الدين أبو الحسن على بن أبي بكر، هداية شرح بداية المتبدى، شوكه مكتبه ومطبعه مصطفى البالى الحلبى، مصر
- نووى، ابو زكريا يحى ابن شرف بن مرى، شرح صحيح مسلم، قديمى كتب خانه كراجى، 1956
- ابن قيم، شمس الدين ابو عبد الله محمد بن ابو بكر ، اعلام الموقعين، بيروت دار الجليل، 1973ء
- الجبوى، عبد المتعال محمد، المرءة فى التصور الإسلامى، الطبعة الخامسه، مكتبه دهبه قاهره، 1981
- بلاذرى، أحمد بن يحيى بن جابر، فتوح البلدان، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان 1403هـ
- الحلى، نجم الدين جعفر، شرائع الإسلام، دار مكتبه الحياء ،بيروت 1952ء
- المنذرى، ذكي الدين، ابو محمد عبد العظيم، الترغيب والترهيب، دار الفكر ، بيروت 1968ء
- ابن سعد، ابو عبد الله محمد، الطبقات الكبرى، مكتبه للطباعة والنشر بيروت، لبنان، 1978ء

- حسام الدين هندى، علاؤ الدين على متقى، كنز الأعمال فى سنن الأقوال والأفعال، مؤسسة الرسالة بيروت، لبنان 1979ء
- ماوردى، على بن محمد حبيب البصرى، الأحكام السلطانيه والولايات الدينيه، مكتبه التوفيقيه، مصر
- احمد شرباجى، الدكتور، المعجم الإقتصاد الإسلامى، دار الجليل، بيروت، لبنان 1981ء
- ابن عساكر، ابو القاسم، على بن الحسن، تاريخ مدينه دمشق، دار المعارف للمطبوعات ،بيروت، 1975ء
- امام غزالى، ابو حامد محمد بن محمد، احياء العلوم الدين، بيروتن، دار الفكر العربى، س- ن
- الكاسانى، علاؤ الدين ابو بكر بن مسعود بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ايم ايم سعيد كراجى 1910ء
- وهبة الزحيلى، الفقه الإسلاميه وأدلته، دار الفكر، دمشق، 1997ء
- ابن كثير، عماد الدين إسماعيل، البداية والنهايةن دار الفكر بيروت لبنان، 1998ء
- مسلم، إمام أبو الحسن مسلم بن الحجاج القشيرى، صحيح مسلم، بيروت، 1975
- جمال أحمد محمد، نساءنا ونساءهم، منشورات، دار ثقيف للنشر والتاليف، الطائف 1979ء
- آفندى، عبد الله جمال الدين، حجاب المستورة، مكتبه التراث الإسلامى القاهرة، 1986ء
- أبو عمر أحمد بن محمد الأندلسى، العقد الفريد، دار الكتب العربية، بيروت 1965
- النسائي، ابو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائى، كراجى، ايج ايم سعيد ، 1931

اُردو کتب

- ابو الاعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1995ء
- ابو الطاہر سراج الدین محمد بن عبد الرشید الجدیدی، سراجی، عبد الرشید السجاوندی، دار الکتب اصغریہ دیوبندی، س،ن
- ابو طارق، مولانا مودودی کے انٹرویو، اللہ والا پرنٹرز، لاہور، 1979ء
- احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفہ، مطبع پرنٹرز (س۔ن) مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، (س۔ن) لاہور
- احمد عثمانی، فقہ القرآن، طبع اول، ادارہ فکر اسلامی، کراچی، 1982ء
- احمد علی سعید، عورت اسلام کی نظر میں، آئینہ ادب انار کلی، لاہور، 1976ء
- قاسمی، نسیم احمد، اسلام اور وراثت، ادارہ القرآن، دار العلوم الاسلامیہ کراچی 2003ء
- قطب، سید شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، مترجم ساجد الرحمن صدیقی، اسلامی اکیڈمی، لاہور 1981ء
- ثناء اللہ امر تسری، تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان القرآن السنۃ لاہور، 1971ء
- شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، احاطہ دار العلوم کراچی 2001ء
- کیلانی، مولانا عبد الرحمن، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، انٹرنیشنل دار السلام پرنٹنگ پریس لاہور، محرم 1428ھ
- مودودی، مولانا ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

- اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، مرکزی، انجمن خدام القرآن، لاہور، 1976ء
- عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، قرآن منزل، کراچی، 1944ء
- حقانی، ابو محمد عبد الحق الدہلوی، تفسیر حقانی، المکتبہ العزیزیہ، لاہور
- ثناء اللہ، امرتسری، تفسیر مظہری، مترجم سید عبد الدائم الجلالی، ادب منزل، کراچی 1978ء
- احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام میں عورت کا مقام، انجمن خدام القرآن، لاہور، 1987ء
- آزاد، ابو الکلام، مسلمان عورت، کواپریٹو کیپیبل پرنٹنگ پریس، لاہور، 1946ء
- اسعد گیلانی، سید، خواتین اور دعوت دین، ادارہ بتول، اچھرہ، لاہور، 1968ء
- اصلاحی، سلطان احمد، مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 2003ء
- اصلاحی، محمد یوسف، اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، ادارہ بتول، لاہور، 1968ء
- اصلاحی، مولانا امین احسن، پاکستانی عورت دوراہے پر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، 1978ء
- افتخار شیروانی، عورتوں کی محکومیت، فیروز سنز لاہور، طبع اول، 1993ء
- امام غزالی، ابو حامد محمد بن محمد (505ھ) کیمیائے سعادت، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1970ء
- امیر علی، سید، فتاوی عالمگیری، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
- امیر فیاض، ڈاکٹر، مسلمان عورت اور یورپی ساز شیں میڈیا سروسز، مینگورہ، سوات، 2005ء
- ایم ایس ناز، اسلام میں عورت کی قیادت، مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور، 1989ء
- ایم عبد الرحمن خان، عورت انسانیت کے آئینے میں، ثناء اللہ خان، لاہور، 1957ء
- بگوی، بشیر احمد، کلید وارثت، انجمن خدام دین، شیر انوالہ، دروازہ، لاہور، 1965ء
- پنجابی، ارشاد احمد، پنجاب کی عورت، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، 1976ء
- تگہ عبد الحمید، پروفیسر، پاکستانی معاشرہ اور ثقافت، چوہدری غلام اور رسول سنز، لاہور، 1971ء
- تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، اداہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1965ء
- جعفر حسین، ہندوئی سماجیات، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، 1955ء
- فرید وجدی، المرء المسلم، مترجم ابو الکلام آزاد، مسلمان عورت بیروت، لبنان
- جعفر شاہ پھلواری، ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز، لاہور، 1955ء
- جلال الدین النصر عمری، عورت اسلامی معاشرہ میں، اسلامک پبلیکیشنز، 1962ء
- جماعت اسلامی پاکستان، موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت، جماعت اسلامی، لاہور، 1969ء
- جمہوریہ پاکستان کا دستور 1973ء، احسان الحق قریشی اینڈ سنز لاء پبلشرز کچہری روڈ، لاہور
- جمہوریہ پاکستان کا دستور، 1956ء، قانونی کتب خانہ، جنرل لاء بکس ایجنسی کچہری روڈ، لاہور
- جمہوریہ پاکستان کا دستور، 1962ء، احسان الحق قریشی اینڈ سنز لاء پبلشرز کچہری روڈ، لاہور
- حسن اختر، ڈاکٹر ملک، تعلیم کا فن، منظور پریس، لاہور، 1979ء
- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، مطبعہ مکتبۃ العلمیۃ لاہور، 1968ء
- خان، محمد، صدیقی، جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین

- خورشید احمد،ڈاکٹر،اسلام کا نظام حیات،شعبہ تصنیف و تالیف،ترجمہ کراچی،یونیورسٹی،1986ء
- خورشید احمد،ڈاکٹر،اسلامی نظریہ حیات،شعبہ تصنیف و تالیف،کراچی یونیورسٹی، 1972ء
- دیوبندی،اصغر حسین،مفید الوارثین،ادارہ اسلامیات انارکلی،لاہور،1326ھ
- رشید احمد،تاریخ مذاہب،ادبی پبلشرز،لین جناح روڈ،کوئٹہ،1986ء
- رشیدہ پٹیل،پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت،کل پاکستان انجمن خواتین،(اپواء)کراچی،1981ء
- سعید احمد،اسلام اور عورت،برقی پریس،دہلی،س۔ن
- سنبھلی،برہان الدین،معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں،مکتبہ الحسن،1982ء
- سید قطب،شہید،اسلام میں عدل اجتماعی،مترجم،محمد نجات اللہ صدیقی،اسلامک پبلیکیشنز،لاہور،1979ء
- شاہد ایس ایم،پاکستانی معاشرہ اور ثقافت،ایورنیو بک پیلس
- شبلی نعمانی،سیرۃ النبی،باب اسلام پرنٹنگ پریس،کراچی،1980ء
- شبلی احمد،ڈاکٹر،تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ،اداہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،1963ء
- شمیمہ محسن،عورت قرآن کی نظر میں،البدر پبلیکیشنز،اردو بازار،لاہور
- صدیقی،نعیم،عورت معرض کشمکش میں،اشاعت اول،ادارہ معارف اسلامی،منصورہ،لاہور،1993ء
- صلاح الدین ناسک،افکار سیاسی مشرق و مغرب،عزیز پرنٹرز،لاہور،1975ء
- عبد الباری،تجدید معاشیات،لکھنو،1955ء
- عبد الصمد صارم،مقالات صارم،مجازی پریس،لاہور 1952ء
- عبد القیوم ندوی،اسلام اور عورت،سویرا آرٹ پریس،1952ء
- عبد القیوم ندوی،خاتون اسلام کا دستور حیات،ادار ادبیات نو،1947ء
- عبد الوہاب ظہوری،اسلام کا نظام حیات،ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1982ء
- کشور ناہید،عورت خواب اور خاک کے درمیان،گل رنگ پبلشر،لاہور 1985ء
- سید منصور خالد،عورت،خاندان اور ہمارا معاشرہ،مسائل ولائحہ عمل،انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد 2007ء
- علامہ اقبال،ضرب کلیم،عنوان عورت،تاج کمپنی کراچی،1976ء
- ثریا بتول علوی،بتول،تحریک نسواں،اداہ مطبوعات خواتین،لاہور،اشاعت اول،1998ء
- غفاری،نور محمد ڈاکٹر،اسلام کا معاشی نظام،مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور،1994ء
- فاخرہ تحریم،عورت کا المیہ،ادارہ تخلیقات،لاہور،1999ء
- قاسمی،نسیم احمد،اسلام اور وراثت،ادارہ القرآن،دار العلوم الاسلامیہ،کراچی،2003ء
- کتاب مقدس،استثناء،بائیبل سوسائٹی،لاہور،پاکستان،1985ء
- کتاب مقدس،پرانا اور نیا عہد نامہ،لاہور،بائیبل سوسائٹی،1985ء
- گستاولی بان،ڈاکٹر،تمدن عرب اعظم سٹیم پریس حیدر آباد،دکن،1936ء
- مظہر صدیقی،ڈاکٹر محمد یسین،عہد نبوی میں رضاعت،معارف اعظم گڑھ جون،جولائی 1996ء
- گیلانی،اسد،رسول اکرم کی حکمت انقلاب،ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ،لاہور،1981ء

- لیکی، تاریخ اخلاق یورپ (اردو) مترجم عبد الماجد، الناظر پریس چوک لکھنو، 1917ء
- محبت حسین اعوان، اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، مکتبہ بخاری گلستان کالونی کراچی، اکتوبر، 2002ء
- محمد قطب، النظور والثبات فی خیاث البشریۃ، مترجم، ساجد الرحمن صدیقی، انسانی زندگی میں جمود وارتقاء، البدر پبلیکیشنز، لاہور، 1982ء
- محی الدین عبد الحمید، احکام المواریث، دار الحیاء الکتب العربیۃ، 1947ء
- مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، میٹرو پرنٹر ز لاہور، 1986ء
- مقبول بیگ بدخشانی، تاریخ ایران، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1971ء
- مودودی، ابو الاعلی، اسلام اور ضبط ولادت، اسلامک پلیشکیز، لاہور، 1978ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، حقوق زوجین، ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور، 1952ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، رسل ورسائل، اسلامک پبلیکیشنز، 1963ء، 1984ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1968ء، 1981ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، مولانا، حقوق الزوجین، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1988ء
- مولانا محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام عفت وعصمت، مکتبہ تردیدیہ، لاہور، 1954ء
- ندوی، شاہ معین الدین، دین رحمت، ایجوکیشن پریس کراچی، 1967ء
- ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، ناشران قرآن، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، 1948ء
- ندوی، مولانا حنیف، اساسیات اسلام، کیمبرج پرنٹنگ پریس، لاہور، 1973ء
- نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ، دار الاشاعت کراچی، 1983ء
- نیاز فتح پوری، صحابیات، نفیس اکیڈمی، 1982ء
- وحید الدین خان، خاتون اسلام، دار التذکرہ، رحمان مارکیٹ اردو بازار۔ س۔ن
- یامین، نواب سر محمد، امام غزالی کے تعلیمی نظریات، ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، س۔ن

انگلش کتب

- Aftab Hussain, Dr. Justis, ''Status of women in Islam'' law publishing co, 1987
- Ameer Ali, Sayed Muhammadan Law, vol- 2, Krachi, 1982
- Calander, D.david. c, Economics, Mc Graw- Hill, New York 2001
- Campbell R.Mc Conne 11, Economics, Mc Graw- Hill new york 2001
- Cedaw, '' Conveution on the Elimination of all kinds of Dicrimimetiom against women'' Published by the United nations of Public Informahon Dpi/ 993/ Rev- 2/ wom-99- 25918, December 1999.
- Encyclopaedia Britanca, Washingtan, New York \Chicago, 1951, 1981
- Encylopaedia of the social sciences, Edited by Luzec and co. Russell Street, London, 1927

- Fida Hussain Malik '' wives of prophets'' Islamic Publications, Lahore 1961, 1980
- Giant, Joseph, ''women in rural society'' New Brunsarick New Jersey.
- Jolly Julius, Hindu Law and custom, Penguih Books Ltd, London
- King- Stey, varies, Sexuad Behaviour, New york, Dell Publishing
- Nasira M. Shah, Pakistan women, Pakistan Institute of Development Economics Isalmabad, Pakistan 1986
- P.M. Pichthat Marmaduke, Islamic culture , Lahore Ferozsons Ltd.
- Syed Amir Ali ''The spirit of Islam'' Reprinted June Landon, 1964.
- Muhammad Mazhar- u- sadiqqi, Women in Islam, Institute of Islamic culture club road Lahore 1969

رسائل وجرائد

- ماہنامہ بتول
- ماہنامہ خواتین میگزین، لاہور
- ماہنامہ عصمت
- ماہنامہ محدث